فیض الباری

علامہ محمد ابوالحسن سیالکوٹی

اردو ترجمہ

فتح الباری

ابن حجر العسقلانی

شرح صحیح بخاری

جلد ۴

تصدیر
حافظ محمد اسماعیل الخطیب

تقدیم
حافظ محمد اسماعیل اسد حافظ آبادی

بحسن اہتمام
عبداللطیف ربانی مدیر

مکتبہ اصحاب الحدیث
حافظ پلازہ مچھلی منڈی
نیو اردو بازار لاہور
042-37321823
0301-4227379

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

كتاب الجمعه

ابواب صلوۃ الخوف

کتاب العیدین

ابواب الوتر

ابواب الاستسقاء

ابواب الکسوف

ابواب تقصیر الصلوۃ

❀ ...... ❀ ...... ❀

فیض الباری

علامہ محمد ابو الحسن سیالکوٹی

اردو ترجمہ

فتح الباری

ابن حجر العسقلانی

شرح صحیح بخاری

۴ - ۵ - ۶

مکتبہ اصحاب الحدیث

فیض الباری

علامہ محمد ابو الحسن سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ

فتح الباری

ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

شرح صحیح بخاری

تصدیر
حافظ محمد اسماعیل الخطیب

تقدیم
حافظ محمد اسماعیل اسد حفظہ اللہ آبادی

بحسن اہتمام
عبداللطیف ربانی مدیر

مکتبہ اصحاب الحدیث
حافظ پلازہ مچھلی منڈی
نیو اردو بازار لاہور

نام کتاب

فیض الباری ترجمہ فتح الباری

244.1
اسدق

جلد دوم

مصنف .... علامہ ابوالحسن سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا ایڈیشن .... اگست 2009ء

ناشر .... مکتبہ اصحاب الحدیث

قیمت کامل سیٹ 10000

کمپوزنگ و ڈیزائننگ .... حافظ عبدالوہاب
0321-416-22-30

مکتبہ اصحاب الحدیث

حافظ پلازہ، پہلی منزل دوکان نمبر: 12، مچھلی منڈی اردو بازار لاہور۔
042-7321823, 0301-4227379

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهٖ تَرْجَمَةٌ لِّلْجُزْءِ الرَّابِعِ مِنْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ وَفَّقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِخَتْمِهٖ وَانْتِهَآئِهٖ كَمَا وَفَّقَنَا لِشُرُوْعِهٖ وَابْتِدَآئِهٖ.

بَابُ عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ.

نماز میں کپڑوں کو گرہ دینا اور ان کو باندھنا کیا حکم رکھتا ہے اور جب نماز میں ستر کھل جانے کا خوف ہو تو اپنے کپڑوں کو اپنے بدن پر سمیٹ لینا اور اپنے ساتھ جوڑنا جائز ہے۔

٧٧٢ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ عَاقِدُوْا أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلٰى رِقَابِهِمْ فَقِيْلَ لِلنِّسَآءِ لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوْسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا.

٧٧٢ ۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اس حال سے کہ اپنے تہ بندوں کو گردنوں پر باندھے ہوتے چھوٹے ہونے کے سبب سے سو عورتوں کو حکم ہوا کہ اپنے سروں کو سجدے سے نہ اٹھایا کرو یہاں تک کہ مرد سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کپڑا چھوٹا ہو اور اس سے آدمی کا ستر کھل جانے کا خوف ہو تو اس کو نماز میں گرہ دے کر باندھ لینا اور اپنے بدن کے ساتھ سمیٹ لینا جائز ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم چھوٹے کپڑے ہونے کے سبب سے اپنی گردنوں پر گرہ دے لیتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں کپڑوں کو سمیٹنا جائز ہے اس لیے کہ ایسے چھوٹے کپڑوں کو نماز میں سمیٹنا لازم ہے اسی وجہ سے عورتوں کو مردوں سے پہلے سر اٹھانا منع ہوا پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی مسئلہ باب سے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں سے پہلے سر اٹھانے سے اس واسطے منع فرمایا ہے کہ مردوں کے تہ بند بہت چھوٹے اور تنگ ہوتے تھے پس سجدے میں بعض کے ستر پیچھے سے کھل جاتے تھے اور عورتوں کی نظر ان کے ستروں پر پڑتی تھی یا نظر پڑنے کا خوف تھا اس واسطے عورتوں کو حکم ہوا کہ جب تک مرد سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جائیں تب تک سجدے سے سر نہ اٹھایا کرو اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کپڑا لمبا ہو اور خوب فراخ ہو تو اس وقت تو اس کو گردن پر باندھنے کی کچھ حاجت نہیں جیسے کہ ابواب الستر میں مذکور ہو چکا ہے کہ جن اصحاب کے پاس لمبے کپڑے ہوتے تھے وہ گردنوں پر نہیں باندھتے تھے بلکہ الحاف یا شال کرتے (یعنی کپڑا لپیٹ لیتے) تھے

اورغرض امام بخاری رحمہ اللہ کی اس باب سے یہ ہے کہ نماز میں کپڑا سمیٹنے کی ممانعت جو پہلے مذکور ہو چکی ہے تو وہ خاص اُسی وقت ہے جب کہ کوئی ضرورت نہ ہو اور ننگا ہو جانے کا خوف نہ ہو اور جب کہ کوئی ضرورت ہو اور ستر کھل جانے کا خوف ہو تو ایسے وقت نماز میں کپڑا سمیٹنا جائز ہے منع نہیں جب کہ اس باب سے معلوم ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ حالت ضرورت عموم ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور اس باب کو سجدے کے بابوں میں اس واسطے لایا گیا کہ کپڑے کو گرہ دے کر اور سمیٹ کر سجدہ کرنا اور سر اٹھانا آسان ہے اس سے کہ کپڑے کو لٹکا کر اور کھلا چھوڑ کر سجدہ کیا جائے اور یا یہ کہ سجدے جانے کے وقت چھوٹے کپڑے کو بدن پر سمیٹنے کی سخت حاجت ہوتی ہے ورنہ اس کے ستر کھل جانے کا اکثر خوف ہوتا ہے پس اس وجہ سے اس باب کو احکام سجدے میں داخل کیا گیا، واللہ اعلم۔

بَابُ لَا يَكُفُّ شَعَرًا.

نماز میں آدمی اپنے بالوں کو نہ سمیٹے۔

٧٧٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَّلَا يَكُفَّ ثَوْبَهُ وَلَا شَعَرَهُ.

٧٧٣۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا سجدہ کرنے کا سات ہڈیوں پر اور یہ حکم ہوا کہ نماز میں اپنے کپڑے اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔

فائدہ: مراد بالوں سے بال سر کے ہیں پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں بالوں کا جوڑا باندھنا منع ہے اور حکمت اس منع میں یہ ہے کہ بالوں کا جوڑا باندھنا شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے یعنی جو شخص جوڑا باندھ کر نماز پڑھے شیطان نماز کے وقت اس کے جوڑے میں ہو بیٹھتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھتے دیکھا سو ابورافع رضی اللہ عنہ نے اس کو پیچھے سے جا کر کھول دیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جوڑا شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور نیز بالوں کا جوڑا باندھنا اور ان کو سر پر جمع کرنا عرب کی عادت کے مخالف ہے اس لیے کہ عرب کی عادت نماز میں بالوں کو چھوڑ دینا ہے پس معلوم ہوا کہ بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنی منع ہے پس وجہ مطابقت مسئلہ باب کی اس حدیث سے ظاہر ہے اور اس باب کو احکام سجدے میں اس واسطے لایا گیا ہے کہ جب نمازی بالوں کو کھلا چھوڑ دے اور جوڑا نہ باندھے تو اس وقت بال بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں پس احکام سجدے کے ساتھ اس کی اتنی مناسبت ہی کافی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ نماز میں کپڑے کو سمیٹنا یا آستین کو چڑھانا یا بالوں کا جوڑا باندھنا یا بالوں کو عمامے کے تلے جمع کرنا یا مثل اس کی اور کسی طرح کرنا یہ سب منع ہے اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے لیکن یہ کراہت تنزیہی ہے اگر کوئی اس طرح سے نماز پڑھے تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن گنہگار ہو گا

انتہی۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نہی عام ہے خواہ نماز کے واسطے جان کر جوڑا باندھے یا پہلے سے کسی اور سبب کے واسطے باندھا ہوا ہو سب طرح سے منع ہے۔

بَابُ لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ.

نماز میں آدمی اپنے کپڑے کو نہ سمیٹے۔

٧٧٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ لَا أَكُفُّ شَعَرًا وَّلَا ثَوْبًا.

۷۷۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے سجدہ کرنے کا سات ہڈیوں پر اور یہ حکم ہوا ہے کہ نماز میں کپڑے اور بالوں کو نہ سمیٹوں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کپڑے کو سمیٹنا اور خاک سے بچانا منع ہے اور بیان اس کا پہلے بابوں میں ہو چکا ہے اور اس باب کو احکام سجدے میں اس واسطے لایا گیا کہ جو کپڑا کہ نمازی کے بدن پر ہوتا ہے سجدہ کرنے کے وقت وہ بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتا ہے پس اتنی ہی مناسبت کافی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّسْبِيحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُودِ.

سجدہ میں تسبیح اور دعا کرنے کا بیان یعنی سجدے میں اللہ کی پاکی کہنی اور اس سے دعا مانگنی جائز ہے۔

٧٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْاٰنَ.

۷۷۵۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں اکثر اوقات اس دعا کو پڑھا کرتے تھے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي" یعنی پاک ہے تو اے الٰہی! اے رب ہمارے اور پاکی بولتا ہوں میں ساتھ تعریف تیری کے الٰہی! بخش دے مجھ کو اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دعا کو رکوع اور سجدے میں پڑھنا اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے حکم پر عمل کرتے تھے یعنی قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے ﴿فسبح بحمد ربك واستغفره﴾ یعنی اے پیغمبر پاکی بول ساتھ تعریف رب اپنے کے اور بخشش مانگ اس سے سو اس حکم کے موجب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں اس دعا کو اکثر بلکہ ہمیشہ ہر

نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ نماز سے باہر بھی اس دعا کو
پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث کے ایک طریق میں آیا ہے کہ جب یہ سورہ اتری ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ﴾ تو بعد اس کے حضرت ﷺ ہمیشہ ہر نماز میں اس دعا کو پڑھتے تھے بلکہ نماز کے باہر بھی اس کو پڑھا کرتے تھے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں دعا کرنی اور تسبیح کہنی دونوں جائز ہیں اور اسی طرح سجدہ میں بھی دعا اور تسبیح کرنی جائز ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ رکوع میں اللہ کی تعظیم بولو اور سجدے میں دعا مانگو سو یہ حدیث اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے معارض نہیں ہے اس لیے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی جواز پر محمول ہے اور وہ حدیث اولویت اور افضلیت پر محمول ہے یعنی افضل تو یہی ہے کہ سجدے میں دعا کرے اور رکوع میں اللہ کی تعظیم کرے لیکن اگر سجدے میں اللہ کی تعظیم بولے اور رکوع میں اس سے دعا مانگے تو یہ بھی جائز ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد سجدے میں دعا کرنے سے بہت لمبی دعا ہو یعنی سجدے میں لمبی دعا کیا کرو پس رکوع میں صرف اس قدر تھوڑی دعا مانگنی یعنی **اللھم اغفرلی** اس کی معارض نہیں ہوگی اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدے میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کہے تو یہ بھی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معارض نہیں اس لیے کہ دونوں طرح سے جائز ہے اگر پہلی دعا پڑھے تو وہ بھی جائز ہے اور اگر یہ تسبیح کہے تو یہ بھی جائز ہے یا کبھی اس کو کہے اور کبھی اس کو کہے یا دونوں کو جمع کرے ہر طرح سے جائز ہے۔

فائدہ ثانیہ: اکثر حدیثوں میں یہ حکم وارد ہوا ہے کہ سجدہ میں بہت دعا مانگا کرو چنانچہ صحیح مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدمی سجدہ میں اللہ سے بہت نزدیک تر ہو جاتا ہے سو اس میں بہت دعا مانگا کرو پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدے میں ہر حاجت کے واسطے دعا مانگنی جائز ہے خواہ کوئی حاجت دینی ہو یا دنیاوی ہو چنانچہ دوسری حدیث میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چاہیے کہ آدمی اپنے رب سے ہر حاجت کا سوال کرے یہاں تک کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی اللہ سے مانگے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدے میں آدمی کی ہر دعا قبول ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سوال کو کئی بار مکرر کرنا جائز ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ رکوع اور سجدے میں تسبیح کہنی سنت ہے واجب نہیں ہے یہی ہے مذہب امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ بعض کے نزدیک واجب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ میری نماز کی طرح نماز پڑھو اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث استحباب پر محمول ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مستحب ہے کہ رکوع میں **سبحان ربی العظیم** کہے اور سجدے میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کہے اور ان کو تین تین بار کہے اور دوسری دعاؤں کو بھی اس کے ساتھ جمع

کرے اور اگر صرف ایک بار میں تسبیح کہے تو تب بھی سنت ادا ہو جاتی ہے مگر افضلیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ انتہیٰ۔

بَابُ الْمَكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے ٹھہرنا مستحب ہے۔

فائدہ: دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے وہ کہتے ہیں کہ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھے اللهم اغفر لی اور اس کو کئی بار دہرائے اور حنفیہ کے نزدیک اس جلسہ میں نہ یہ دعا پڑھنی مستحب ہے اور نہ کوئی اور ذکر مسنون ہے وہ کہتے ہیں کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا مقصود بالذات نہیں کہ نماز کی اور سنتوں کی طرح یہ بھی ایک سنت ہو بلکہ غرض اس جلسہ سے صرف یہ ہے کہ دو سجدوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے اور ایک سجدہ دوسرے سے جدا ہو جائے پس اس میں کوئی ذکر بھی مقصود بالذات نہیں ہوگا اور کہتے ہیں جن حدیثوں میں دو سجدوں کے درمیان دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اُن سے مراد فرضی نماز نہیں بلکہ تہجد کی نماز مراد ہے یعنی تہجد کی نماز میں حضرت ﷺ اس دعا کو پڑھا کرتے تھے لیکن حدیثیں اس باب کی صریح ہیں حنفیہ کے رد میں اس لیے کہ اُن سے صریحا ثابت ہوتا ہے کہ دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا یہ بھی ایک سنت ہے اور سب سنتوں کی طرح خاص کر حدیث براء رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ کی ہمیشہ یہی عادت تھی کہ لفظ کان دوام پر دلالت کرتا ہے اور اگر دوام پر دلالت نہ کرے تو نہ کم ہوگا اکثر اوقات سے پس اس سے تہجد کی نماز مراد کہنی قطعًا باطل ہے اور نیز یہ حدیث براء رضی اللہ عنہ کی مطلق ہے سب نمازوں کو شامل ہے پس محض رائے اور مجرد خیال سے اس کی تخصیص کرنی جائز نہیں اور نیز حضرت ﷺ تہجد کی نماز کو تو ہمیشہ اپنے گھر میں پڑھا کرتے تھے پھر براء رضی اللہ عنہ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رکوع اور سجود اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا برابر تھا پس براء رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا اور اسی طرح مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کا اپنی نماز کو حضرت ﷺ کی نماز سے مشابہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہوگا پس یا تو ان دونوں حدیثوں کو غلط ٹھہرایا جائے گا اور یا ان کو تہجد پر محمول کرنا باطل کہا جائے گا لیکن یہ حدیثیں تو بالاتفاق صحیح ہیں پس تہجد کی نماز پر ان کو محمول کرنا باطل ہوا اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنے کا مستحب ہونا ثابت ہوا اور حدیث براء رضی اللہ عنہ کا بیان باب استواء الظهر في الركوع میں پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

٧٧٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لِأَصْحَابِهِ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَذَاكَ فِي غَيْرِ حِيْنِ صَلَاةٍ فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَامَ هُنَيَّةً ثُمَّ

٧٧٦۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُس نے کہا کہ ہاں میں تم کو بتلاتا ہوں نماز حضرت ﷺ کی یعنی میں تم کو تمہارے روبرو نماز پڑھ کر دکھلاتا ہوں کہ حضرت ﷺ اس طرح سے نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ بتلانا مالک رضی اللہ عنہ کا ان کو نماز کے غیر وقت میں تھا یعنی وہ وقت کسی فرضی نماز کا وقت نہیں تھا بلکہ کوئی اور وقت تھا یعنی سورج کے بعد اور دوپہر

سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً فَصَلّٰى صَلَاةَ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ شَيْخِنَا هٰذَا قَالَ أَيُّوْبُ كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُوْنَهُ كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ قَالَ فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ فَقَالَ لَوْ رَجَعْتُمْ إِلٰى أَهْلِيْكُمْ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.

سے پہلے سو مالک رضی اللہ عنہ نماز کے واسطے کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا پس اللہ اکبر کہا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے سو مالک رضی اللہ عنہ نے ہمارے اس شیخ عمرو کی طرح نماز پڑھی۔ ایوب (راوی) نے کہا کہ وہ شیخ نماز میں ایک چیز کو کیا کرتا تھا کہ میں نے اوروں کو وہ چیز کرتے نہیں دیکھا وہ چیز یہ ہے کہ وہ شیخ بیٹھا کرتا تھا تیسری رکعت میں یا چوتھی رکعت میں (یعنی جلسہ استراحت کیا کرتا تھا تیسری رکعت کے آخر میں یا چوتھی رکعت کے اول میں پس تیسری کا آخر اور چوتھی رکعت کا اول ایک ہی چیز ہے) مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم (مسلمان ہو کر) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے پاس (کئی دن تک) ٹھہرے رہے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جاؤ تو نماز پڑھو اس طرح ایسے ایسے وقت میں اور نماز پڑھو اس طرح ایسے ایسے وقت میں اور جب نماز کا وقت آئے تو چاہیے کہ تم میں سے کوئی اذان دے اور چاہیے کہ تم میں بڑا امام ہو۔

فائدہ: اس حدیث کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سب آدمی علم میں برابر تھے اور انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر احکام سیکھے تھے اسی واسطے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عمر والے کو امامت کرنی فرمایا اور بیان اس حدیث کے صرف اس لفظ سے غرض یہ ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سجدے سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سجدوں کے درمیان اطمینان کرنا مستحب ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے پس یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی مسئلہ باب سے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تیسری اور چوتھی رکعت کے درمیان جلسہ استراحت مستحب ہے جیسے کہ بیان اس کا دوسرے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا اور پہلی اور دوسری رکعت کے درمیان جلسہ استراحت بیٹھنا اس حدیث میں مذکور نہیں لیکن مالک رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے ہر طاق رکعت میں جلسہ استراحت مستحب ہے، واللہ اعلم اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ یہ فعل اس شیخ کا حجت نہیں

احتمال ہے کہ ضعف کے سبب سے ہو یا سند ضعیف ہو سو جواب اس کا یہ ہے کہ کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا اور جب فعل صحابی پر کوئی انکار نہ کرے تو وہ حجت ہوتا ہے نزدیک حنفیہ کے اور احتمال ضعف کا بے دلیل بات ہے اس پر کوئی دلیل نہیں پس قابل اعتبار نہیں اور نیز اگر ضعف کے سبب سے ہوتا تو پھر ایوب کو ایسا استبعاد کیوں ہوتا اور اس کے یہ بیان کرنے کا کیا معنی ہوا کہ میں اوروں کو یہ فعل کرتے نہیں دیکھتا ہوں اور نیز دوسری رکعت میں ان کا کہاں چلا جانا تھا کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے اور نیز ضعیف آدمی کو جلسہ استراحت کر کے اٹھنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے کما سیاتی اور اسی طرح احتمال ضعف سند کا بھی باطل ہے اس لیے کہ اگر اس احتمال بے دلیل کو جائز رکھا جائے تو پھر کوئی حدیث صحیح نہیں رہے گی اس لیے کہ یہ احتمال ضعف سند کا سب میں جاری ہے پس دین درہم برہم ہو جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ اور لوگوں کے نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل حضرت ﷺ کا نہیں تھا سو جواب اس کا یہ ہے کہ جب یہ حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے تو پھر صحابہ کرام ﷢ کے نہ کرنے کی کچھ پرواہ نہیں اور نیز احتمال ہے کہ بعض کا ترک کرنا بوجہ ناواجب ہونے اس فعل کے ہے اور جب کہ راوی صحابی سے عمل کا برخلاف اپنے مروی کے قابل حجت نہیں کما مر تو پھر بعض غیر کا ترک کرنا کیونکر حجت ہو سکتا ہے اور نیز حضرت ﷺ کا بعض اوقات میں اس فعل کو کرنا حنفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں پھر اور صحابہ کا ترک کرنا اس کو بھی باطل کرے گا فما هو جوابكم فهو جوابنا اور یہ جو راوی نے کہا کہ وہ نماز کا وقت نہیں تھا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی فرض نماز کا وقت نہیں تھا یہ معنی نہیں کہ وہ مکروہ وقت تھا جس میں نفل پڑھنے منع ہیں جیسے کہ سورج نکلنے اور ڈوبنے کا وقت ہے اس لیے کہ ایسے وقت مکروہ میں نفل پڑھنے اصحاب کی شان سے بعید ہیں اور ایسا وقت جس میں کہ کسی فرضی نماز کا وقت نہ آئے وہ وقت ہے جو سورج نکلنے سے لے کر زوال تک ہے۔

٧٧٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الزُّبَيْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ كَانَ سُجُوْدُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُكُوْعُهُ وَقُعُوْدُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيْبًا مِّنَ السَّوَآءِ.

٧٧٧۔ حضرت براء ﷛ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ کا رکوع اور سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا برابری میں ایک دوسرے کے قریب قریب تھا۔

فائدہ: یعنی حضرت ﷺ جس قدر رکوع اور سجدے میں اطمینان کرتے تھے اسی قدر دو سجدوں کے درمیان ٹھہرتے تھے پس معلوم ہوا کہ دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا بھی رکوع اور سجدہ کی طرح بہت طویل تھا سو یہ دلیل ہے کہ دو سجدوں

کے درمیان اطمینان کرنا مستحب ہے اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی مسئلہ باب سے۔

٧٧٨ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِنِّي لَا آلُوْ أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِنَا قَالَ ثَابِتٌ كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَكُمْ تَصْنَعُوْنَهُ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَامَ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ قَدْ نَسِيَ.

٧٧٨۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُس نے کہا کہ میں اس میں کچھ کمی نہیں کرتا کہ تم کو نماز پڑھاؤں جیسے کہ میں نے حضرت ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ نے ہم کو نماز پڑھائی یعنی جیسے کہ حضرت ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی ہے ویسے ہی بعینہ میں تم کو نماز پڑھاتا ہوں اس سے کوئی چیز نہیں چھوڑوں گا ثابت (راوی) نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ ایک فعل کو کیا کرتے تھے کہ میں تم کو وہ چیز کرتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں وہ فعل یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ جب رکوع سے سر اٹھایا کرتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اور بہت دیر تک ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ کوئی کہنے والا کہتا کہ نماز کو بھول گئے ہیں اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو دو سجدوں کے درمیان بہت دیر تک ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا کہ دوسرے سجدے کو بھول گئے ہیں یعنی قومے اور جلسے کے اطمینان میں اس قدر طول کرتے کہ مقتدیوں کو گمان ہوتا کہ نماز کو بھول گئے ہیں اور کسی اور خیال میں پڑ گئے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو سجدے کے درمیان ٹھہرنا اور اطمینان کرنا مستحب ہے اور یہ جو ثابت نے کہا کہ جو انس رضی اللہ عنہ کرتے تھے تم اس کو نہیں کرتے ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثابت نے جن لوگوں کو یہ بات کہی وہ لوگ دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے نہیں بیٹھا کرتے تھے لیکن جب صحیح حدیث سے دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا ثابت ہو گیا تو ان لوگوں کے نہ بیٹھنے کی کچھ پرواہ نہیں۔

بَابُ لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُوْدِ وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا.

سجدے میں نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک زمین پر نہ بچھائے اور ابو حمید نے کہا کہ حضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا نہ اُن کو بچھایا اور نہ ان کو پہلو کے ساتھ ملایا یعنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھا اور کہنیوں کو زمین اور پہلو سے دور رکھا۔

۷۷۹ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ.

۷۷۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درست اور ٹھیک ہو جایا کرو اپنے سجدے میں اور تم میں سے کوئی اپنے دونوں ہاتھوں کو نہ بچھایا کرے کتے کی طرح یعنی کہنیوں کو زمین سے دور رکھے اور سوائے دونوں ہتھیلیوں کے اور کچھ زمین پر نہ رکھے۔

فائدہ: مراد سجدے میں درست ہو جانے سے یہ ہے کہ سجدے میں اطمینان سے بیٹھے اور اس میں ٹھہرا رہے جیسے کہ رکوع میں مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مراد درست ہو جانے سے یہ ہے کہ سجدے کی ہیئت اور شکل کو خوب طریقے سے درست کرے یعنی سجدے میں دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر ٹکائے اور کہنیوں کو زمین سے اور پیٹ کو رانوں سے علیحدہ رکھے پس اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت زمین پر بچھانا اور پیٹ کو رانوں سے ملانا منع ہے علیحدہ رکھے کہ اس میں کتے کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور نماز میں خسیس چیز کے ساتھ مشابہت پیدا کرنی مناسب نہیں ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ نمازی کو لائق ہے کہ سجدے میں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے اور اپنی کہنیوں کو زمین اور دونوں پہلو سے بہت اونچا اور بلند رکھے یہاں تک کہ بغل کا اندر ظاہر ہو جائے اور اس کے مستحب ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہے لیکن یہ نہی تنزیہی ہے اگر ایسا نہ کرے تو گنہگار ہوگا لیکن نماز صحیح ہو جائے گی انتہی اور حکمت اس میں یہ ہے کہ ہاتھوں کو زمین پر نہ بچھانے میں زیادہ تواضع پائی جاتی ہے اور اس سے ماتھا زمین پر خوب قرار پکڑ جاتا ہے اور نیز ہاتھوں کو زمین پر بچھانے میں بے پرواہی اور عدم توجہی پائی جاتی ہے پس ایسی ہیئت سے دور رہنا بہت بہتر ہے۔

بَابُ مَنِ اسْتَوٰی قَاعِدًا فِيْ وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهٖ ثُمَّ نَهَضَ.

جو شخص نماز کی طاق رکعتوں میں دوسرے سجدے سے سر اٹھا کے سیدھا ہو کر بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

۷۸۰ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ أَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهٖ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا.

۷۸۰۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پس جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو نہ کھڑے ہوتے حتی کہ سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاق رکعتوں میں جلسہ استراحت مستحب ہے یعنی جب اول رکعت کے دونوں سجدے کر چکے تو ان کے بعد تھوڑی دیر سیدھا ہو کر بیٹھ جائے اور ایسے ہی تیسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد بھی تھوڑی دیر سیدھا ہو کر بیٹھ جائے اور اس جلسے کو جلسہ استراحت کہتے ہیں اور یہ جلسہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت اہلحدیث کے نزدیک مستحب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دونوں طرح کی روایت آئی ہے اور بعضوں نے کہا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے استحباب کی طرف رجوع کیا ہے اور حنفیہ اور مالکیہ وغیرہ اکثر علماء کے نزدیک یہ جلسہ مستحب نہیں ہے اور وہ اس حدیث مالک کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طاق رکعتوں میں بیٹھنا بڑی عمر ہو جانے کے سبب سے یا ضعف کے سبب سے تھا۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ عینی حنفی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اس میں شبہ ہے اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ برس کی تھی اور اتنی عمر میں آدمی ایسا ضعیف نہیں ہوتا کہ طاق رکعت سے سیدھا کھڑا نہ ہو سکے بلکہ ایسی عمر میں قوت باقی ہوتی ہے اور نیز جب کہ آدمی ضعیف ہو جائے تو اس کو سجدے سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا بہت آسان ہے اس سے کہ تھوڑی دیر بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو جیسے کہ تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے اور نیز بڑھاپے میں تو زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنا بھی کافی ہے بلکہ اس سے زیادہ آسان ہے پھر بیٹھ کر اٹھنے کی کیا حاجت تھی؟ اور بعض حنفی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بھاری بدن ہو گیا ہوں سو قیام اور قعود میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ استراحت بھاری بدن ہونے کے سبب سے کیا کرتے تھے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نیز بھاری بدن ہونے کو جلسہ استراحت لازم نہیں ہے صرف اتنا لازم ہے کہ قیام اور قعود آہستگی سے ہو پس بھاری بدن ہونا جلسہ استراحت کا سبب نہیں ہو سکتا اور نیز بھاری بدن والے کو جلسہ کر کے اٹھنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس سے کہ سجدے سے سیدھا کھڑا ہو جائے کما مر آنفا۔ اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ ابوحمید کی حدیث میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا بیان ہے مگر اس میں اس جلسے کا ذکر نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ احتمال ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی واسطے بیان جواز کے چھوڑ دیا ہو پس ترک احیانا اس کے استحباب کے مخالف نہیں بلکہ سنت میں بھی کبھی کبھی چھوڑ دینا ضروری ہے اور نیز ابوحمید کی حدیث کے سب طریقے اس جلسے کے ترک پر متفق نہیں ہیں بلکہ اس کے بعض طریقوں میں جلسہ استراحت کا ثبوت بھی آ گیا ہے جیسے کہ ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے پس یہ حدیث اس کے ترک پر دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی مثبت ہے اور نیز مالک کے ساتھ زیادتی علم کی ہے اور جس کے ساتھ زیادتی علم کی ہو وہ حجت ہے اس پر جس کے ساتھ وہ علم نہ ہو اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا کسی علت کے سبب سے تھا سو جواب اس کا یہ ہے کہ اصل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلوں میں عدم علت ہے پس محض احتمال قابل اعتبار نہیں ہے جب تک کہ کوئی علت صریحا ثابت نہ ہو جائے اور نیز راوی نے کوئی علت بیان نہیں کی ہے اور نیز علت کا ہونا جلسے کو مستلزم نہیں اور نیز علت کے سبب سے تو

بیٹھ کر نماز پڑھنی بھی صحیح ہے پھر صرف اس جلسے کی تعیین کی کیا وجہ ہے اور نیز علت کے وقت بیٹھ کر کھڑے ہونے سے سیدھے کھڑے ہو جانے میں بہت آسانی ہے کما مر اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ اگر یہ جلسہ مقصود ہوتا تو اس کے واسطے کوئی ذکر مقرر ہوتا حالانکہ اس کے واسطے کوئی ذکر مقرر نہیں ہوا سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ جلسہ خفیف اور ہلکا ہے بلکہ قیام کی طرف اٹھنے میں داخل ہے پس اس میں صرف تکبیر کا کہنا کافی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جلسہ کسی علت یا بڑھاپے یا ضعف وغیرہ کے سبب سے نہیں تھا اس لیے کہ یہ عوارض چاہتے ہیں کہ یہ جلسہ زیادہ لمبا ہو اس لیے کہ علیل آدمی کا جلسے سے بھی مقصود ہوتا ہے کہ اس کو آرام حاصل ہو اور دم لے لے اور بغیر لمبا ہونے جلسے کے اس کو آرام حاصل نہیں ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ علت کے وقت جلسہ زیادہ لمبا ہونا چاہیے حالانکہ یہ جلسہ نہایت ہی تھوڑا اور ہلکا ہے بلکہ کھڑے ہونے کی ایک جزو ہے پس ثابت ہوا کہ یہ جلسہ کسی علت کے سبب سے نہیں تھا بلکہ مشروع ہونے کی وجہ سے تھا اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ کئی اصحاب نے حضرت ﷺ کی نماز کو بیان کیا ہے لیکن سوائے مالک کے کسی نے اس جلسے کو ذکر نہیں کیا سو اگر یہ جلسہ سنت ہوتا تو وہ اصحاب بھی اس کو بیان کرتے سو جواب اس کا یہ ہے کہ جو متفق علیہ سنتیں ہیں ان سب کو تو ہر ایک راوی نے بیان نہیں کیا بلکہ کوئی سنت کسی صحابی نے بیان کی ہے اور کوئی کسی نے ذکر کی ہے پس کل سنتیں کل راویوں کی حدیثوں سے ثابت ہوتی ہیں نہ ہر ایک سے پس بعض راویوں کا ایسے اختلافی امر کو ذکر نہ کرنا اس کے نہ سنت ہونے پر دلالت نہیں کرتا ورنہ متفق علیہ سنتوں کی سنت بھی ثابت نہیں ہو گی اور بعض حنفی یہ حدیث بطور دلیل کے سند لاتے ہیں جو ترمذی میں ہے کہ حضرت ﷺ اپنے قدموں کی انگلیوں پر کھڑے ہوتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ضعیف کہا ہے اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اور نسائی نے اور احمد نے اور یحییٰ بن معین نے پس اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں چہ جائیکہ بخاری کی حدیث کے معارض ہو سکے اور بعض اہل علم کا اس پر عمل کرنا جیسے کہ ترمذی نے نقل کیا ہے اس کی صحت پر دلالت نہیں کرتا ہے وگرنہ کوئی حدیث ضعیف نہیں رہے گی اس لیے کہ ضعیف حدیث پر کسی نہ کسی کا عمل تو ضرور ہی ہوتا ہے الا ماشاء اللہ اور نیز صحت حدیث کی تو اسناد پر موقوف ہے سو جس کی سند صحیح ہو گی وہ حدیث بھی صحیح ہو گی اور جس کی سند ضعیف ہو گی وہ حدیث بھی ضعیف ہو گی اور نیز جیسے کہ ترمذی نے اس حدیث کے بعض پر اہل علم کا عمل نقل کیا ہے ویسے ہی اس نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بھی بعض اہل علم کا عمل نقل کیا ہے پھر ایک کو معمول بہ ٹھہرانا اور دوسرے کو کسی علت پر محمول کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ احتمال ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی حضرت ﷺ کا بعض اوقات میں قدموں پر کھڑے ہونا کسی علت سے ہو فما ھو جوابکم فھو جوابنا اور نیز بغرض صحت کہا جائے گا کہ حضرت ﷺ کا بعض اوقات میں اس فعل کو ترک کرنا اس کے استحباب کی منافی نہیں کبھی آپ نے واسطے بیان جواز کے اس کو ترک کر دیا ہو گا کما مر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے جو منقول

ہے کہ وہ اس جلسہ کو نہیں کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آثار صحابہ کے حدیث مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں کما تقرر فی موضعہ پس حدیث مرفوع کے مقابلہ میں اُن سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ مراد اُن آثار اور حدیث ترمذی سے یہ ہو کہ کھڑے ہونے کے وقت زمین پر ٹیک نہیں لگاتے تھے بلکہ قدموں کے زور پر کھڑے ہوتے تھے کما سیاتی فی باب الاتی اور نیز ان بعض صحابہ کا اس کو ترک کرنا اس کی سنیت اور استحباب کے مخالف نہیں ہے اس لیے کہ جو امر واجب نہ ہو اس کا ترک کرنا جائز ہے پس یہ کہنا کہ ان صحابہ کو حضرت ﷺ کی صحبت مالک سے زیادہ ہے خصم کو کچھ مفید نہیں ہے اس لیے کہ احتمال ہے کہ انہوں نے اس کو نہ واجب جان کر ترک کیا ہے اگر کوئی شخص کسی مستحب امر کو تمام عمر میں کبھی نہ کرے تو تب بھی اس کو ملامت نہیں ہو سکتی ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اس نے اس کو کیوں چھوڑا؟، واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ.

جب نماز میں آدمی کسی رکعت سے کھڑا ہونے لگے تو زمین پر کسی طرح ٹیک لگائے۔

فائدہ: ظاہرًا اس باب سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ رکعت سے کھڑے ہونے کے وقت زمین پر ٹیک لگانا اور تکیہ کرنا جائز ہے دوم اس کی کیفیت بیان کرنی ہے کہ اول تھوڑا سا بیٹھ جائے پھر زمین پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو جائے اور سجدے سے ٹیک لگا کر سیدھا کھڑا نہ ہو جائے اور یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جلسہ استراحت ثابت ہے کما مر بیانہ ورنہ اگر کوئی جلسہ استراحت نہ کرے اور سجدے سے سیدھا کھڑا ہونا چاہے تو اس کو بھی زمین پر ٹیک لگانا جائز ہے اور غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی اس باب سے رد کرنا ہے اس حدیث کو جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ قدموں کے زور سے کھڑے ہوا کرتے تھے یعنی زمین پر ٹیک نہیں لگاتے تھے اور جو ابراہیم سے روایت ہے کہ زمین پر ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہونا مکروہ ہے اور ایسے ہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یعنی یہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں پس ان سے استدلال کرنا خاص کر بخاری کی حدیث کے مقابلہ میں صحیح نہیں ہے پس حاصل یہ ہے کہ ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگا کر کھڑے ہونا جائز ہے اور تائید کرتا ہے اس کی جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ سجدے سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت ﷺ رانوں پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوتے تھے اسی واسطے علماء کو اس مسئلے میں اختلاف ہے شافعیہ کہتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور حنفیہ کہتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں سے گھٹنوں پر ٹیک لگا کے کھڑا ہو لیکن ان دونوں طریقوں کے جائز ہونے میں سب کا اتفاق ہے صرف اختلاف افضلیت میں ہے شافعیہ پہلے کو افضل کہتے ہیں اور حنفیہ دوسرے کو افضل کہتے ہیں پس خلاصہ یہ ہے کہ خواہ زمین پر ٹیک لگا کے کھڑا ہو اور خواہ گھٹنوں پر ٹیک لگا کے کھڑا ہو دونوں طرح جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ

زمین پر ٹیک لگا کے کھڑا ہو کما هو مذهب الشافعية اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اس کا جواز ثابت کیا ہے تا کہ کراہت کا وہم باقی نہ رہے اس نے افضلیت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا لیکن جواز افضلیت کو بھی شامل ہے پس احتمال ہے کہ دونوں صورت مذکورہ سے یہی صورت اس کے نزدیک افضل ہو اس واسطے صرف اسی کو ذکر کیا یا دوسری صورت اس کے نزدیک ثابت نہ ہوئی ہوگی، واللہ اعلم۔

٧٨١ ـ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ جَآءَ نَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَصَلَّى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا فَقَالَ إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيْدُ الصَّلَاةَ وَلٰكِنْ أُرِيْدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَالَ أَيُّوْبُ فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ قَالَ مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هٰذَا يَعْنِيْ عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَ قَالَ أَيُّوْبُ وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيْرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ.

٧٨١۔ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے سو اس نے ہم کو ہماری اس مسجد میں نماز پڑھائی سو کہا کہ بے شک میں تم کو نماز پڑھاتا ہوں اور میرا نماز پڑھنے کا قصد نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم کو دکھلاؤں کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے یعنی میں تم کو آپ کی نماز کا طریقہ بتلاتا ہوں ایوب (راوی) نے کہا کہ میں نے ابو قلابہ سے پوچھا کہ مالک کی نماز کس طرح پڑھی؟ اس نے کہا کہ ہمارے اس شیخ کی طرح یعنی اس کی نماز عمرو بن سلمہ کی نماز کی طرح تھی جو ہمارا امام ہے ایوب نے کہا کہ وہ شیخ تکبیر کو تمام کیا کرتا تھا یعنی رکوع اور سجدے اور انتقالات کی سب تکبیریں کہا کرتا تھا اس سے کچھ کم نہیں کرتا تھا جیسے کہ اس وقت میں دستور ہے یا تکبیر کو انتقال کے اول میں شروع کرتا اور اس کے آخر میں ختم کرتا تھا اور جب وہ دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو بیٹھ جاتا اور ہتھیلیوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگاتا (جیسے کہ خمیر گوندھنے والا ہاتھوں پر ٹیک لگاتا ہے) پھر کھڑا ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے زمین پر تکیہ کرنے کی کیفیت معلوم ہوئی کہ جب سجدے سے سر اٹھائے تو پہلے تھوڑا سا بیٹھ جائے پھر ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور سجدے سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا نہ ہو جائے پس یہی ہے وجہ مناسبت اس حدیث کی مسئلہ باب سے۔

بَابُ يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ.

جب نمازی پہلا التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہونے لگے تو اس انتقال کے ابتدا میں تکبیر کہے۔

فائدہ: مطلب اس کا یہ ہے کہ کھڑے ہونے کے ابتدا میں تکبیر شروع کرے اور جب سیدھا کھڑے ہوئے تو اس وقت تکبیر کو ختم کرے ایسا نہ کرے کہ سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور یہی ہے مذہب اکثر علماء کا ابتدا تکبیر کے جھکنے اور اٹھنے کے ابتدا میں ہو لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک تکبیر میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جب پہلا التحیات پڑھ کے کھڑا ہونا چاہے تو اس کے ابتدا میں تکبیر نہ کہے بلکہ جب خوب سیدھا کھڑا ہو جائے تو اس وقت تکبیر کہے اور یہ مسئلہ باب التکبیر اذا قام من السجود میں پہلے بھی گزر چکا ہے سو ظاہرًا یہ باب مکرر معلوم ہوتا ہے لیکن ان دونوں بابوں کے درمیان اس طور سے فرق ہوسکتا ہے کہ جب سجدے سے سر اٹھائے تو اس کے ابتدا میں تکبیر کہے اور مراد اس باب میں یہ ہے کہ جب پہلا التحیات پڑھ کر کھڑا ہو تو اس کے ابتدا میں تکبیر کہے اس صورت میں اس میں اشارہ ہوگا طرف رد کرنے مذہب امام مالک کے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا باب خاص ہو یعنی سجدے سے سر اٹھانے کے ابتدا میں تکبیر کہے اور یہ باب عام ہو یعنی خواہ دونوں سجدوں سے سر اٹھا کے کھڑا ہونا چاہیے یا دو رکعتوں سے کھڑا ہونا چاہیے تو اس کے ابتدا میں تکبیر کہے۔

وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ.

اور ابن زبیر کھڑے ہونے کے ابتدا میں تکبیر کہا کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب دو رکعتوں سے کھڑا ہونے کا ارادہ کرے تو اس کے ابتدا میں تکبیر کہے پس یہ اثر تائید کرتا ہے کہ مراد اس باب سے یہ ہے کہ جب پہلا التحیات پڑھ کے کھڑا ہونا چاہے تو اس وقت تکبیر شروع کرے پس دونوں بابوں میں فرق ظاہر ہوگیا۔

۷۸۲ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّى لَنَا أَبُوْ سَعِيْدٍ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ وَحِيْنَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۷۸۲۔ حضرت سعید بن حارث سے روایت ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہم کو نماز پڑھائی سو جب اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو تکبیر پکار کر کہی اور جب سجدہ کیا تو اس وقت بھی تکبیر پکار کر کہی اور جب سجدے سے سر اٹھایا تو تب بھی ایسا ہی کیا اور جب کھڑے ہوئے تو تب بھی تکبیر پکار کر کہی اور کہا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث اس طریق سے مختصر آئی ہے اور دوسرے طریق سے پوری اس طور پر ہے کہ جب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے ان کو کہا کہ لوگوں نے تمہاری نماز میں اختلاف کیا ہے یعنی بعض کہتے ہیں کہ تکبیروں کو پکار کر کہا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ پوشیدہ کہا جائے سو ابوسعید رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھ کو کچھ پرواہ نہیں کہ تمہاری نماز مختلف ہو یا نہ ہو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی نماز پڑھتے دیکھا۔ الخ لیکن ظاہرًا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اختلاف تکبیر کے پوشیدہ اور پکار کر کہنے میں تھا اس لیے کہ مروان اور ابو امیہ وغیرہ نماز میں تکبیروں کو پوشیدہ کہا کرتے تھے جیسے کہ بیان اس کا باب اتمام التکبیر فی الرکوع میں پہلے گزر چکا ہے اور اس حدیث سے صریحًا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تکبیر انتقال کے ابتدا میں کہتے تھے لیکن باب کا مسئلہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ کھڑے ہونے کے ابتدا میں تکبیر کہا کرتے تھے پس یہ باب گویا تفسیر ہے اس حدیث کی اور یہی توجیہ ہے آئندہ حدیث کی۔

٧٨٣ ۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيْرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَعِمْرَانُ صَلَاةً خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ فَلَمَّا سَلَّمَ أَخَذَ عِمْرَانُ بِيَدِيْ فَقَالَ لَقَدْ صَلَّى بِنَا هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ لَقَدْ ذَكَّرَنِيْ هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

٧٨٣۔ حضرت مطرف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور عمران رضی اللہ عنہ نے علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی سو جب وہ سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو اس وقت بھی تکبیر کہتے سو جب اُس نے نماز سے سلام پھیری تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اس نے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھائی ہے یا یہ کہا کہ اس نے ہم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد دلائی ہے یہ راوی کا شک ہے۔

فائدہ: اس حدیث کا بیان پہلے کئی بار گزر چکا ہے۔

بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوْسِ فِي التَّشَهُّدِ.

التحیات بیٹھنے کے طریق کا بیان یعنی التحیات بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے۔

فائدہ: مراد سنت سے اس جگہ میں یہ نہیں کہ التحیات کے وقت بیٹھنا سنت ہے بلکہ مراد اس سے یہاں وہ طریقہ ہے جو التحیات کے بیٹھنے میں مشروع ہوا ہے عام ہے اس سے کہ واجب ہو یا مستحب ہو اور یا یہ مراد ہے کہ التحیات میں بیٹھنا مسنون اس ہیئت سے ہے جو آئندہ حدیثوں میں ثابت ہوا اور بعضوں نے کہا کہ اس باب سے چھ مسئلے ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ مطلق بیٹھنا التحیات میں بیٹھنے کے غیر ہے۔ دوم یہ کہ پہلے التحیات اور دوسرے التحیات کے بیٹھنے کے درمیان فرق ہے۔ سوم یہ ہے دونوں التحیات کے بیٹھنے اور دو سجدوں میں بیٹھنے کے درمیان فرق ہے۔ چہارم یہ کہ یہ سب کام سنت ہیں۔ پنجم یہ کہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں کچھ فرق نہیں۔ ششم یہ کہ اہل علم کے عمل کے ساتھ تائید پکڑنی جائز ہے جیسے کہ ام درداء رضی اللہ عنہا کے اثر لانے سے ثابت ہوتا ہے۔

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً.

یعنی ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھا کرتی تھی یعنی التحیات میں بیٹھنے کے وقت داہنے پاؤں کو کھڑا کرتی اور بائیں پاؤں کو زمین پر بچھاتی اور وہ عورت فقیہ تھی یعنی احکام دین کی عالمہ تھی اور دین کے مسئلوں کو خوب سمجھتی تھی۔

فائدہ: مراد ام درداء سے یہاں ام درداء چھوٹی ہے جو تابعیہ ہے بڑی ام درداء مراد نہیں جو صحابیہ ہے اور قسطلانی نے عینی سے نقل کیا ہے کہ مراد اس سے ام درداء صحابیہ ہے اور امام بخاری نے ام درداء کے فعل سے دلیل نہیں پکڑی ہے بلکہ صرف اس کو تائید اور تقویت کے واسطے لایا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ التحیات میں عورت بھی مردوں کی طرح بیٹھے اور یہی ہے مذہب امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام نخعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور کا کما قال العینی والنووی.

٧٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ فَنَهَانِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِي.

٧٨٤۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جب وہ نماز میں بیٹھتے یعنی التحیات میں تو چار زانو ہو کر یعنی چونکڑی سے بیٹھتے سو میں نے بھی اس کو کیا یعنی چار زانو ہو کر بیٹھا اور میں اس دن کم عمر تھا یعنی ابھی لڑکا تھا سو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ کو منع کیا اور کہا کہ نماز میں سنت طریقہ یہی ہے کہ تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو زمین پر بچھائے سو میں نے کہا کہ تو تو چار زانو ہو کر بیٹھتا ہے سو اس نے کہا کہ میرے پاؤں مجھ کو نہیں اٹھا سکتے ہیں یعنی میں پاؤں پر نہیں بیٹھ سکتا ہوں بیماری اور درد پاؤں کے سبب سے۔ جیسا کہ مؤطا امام محمد میں ہے کہ عبداللہ نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ التحیات میں بیٹھنا سنت اس طور سے ہے کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو زمین پر بچھا دے اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ بعد بچھانے کے کیا کرے ان پر بیٹھے یا ان کو داہنی طرف سے باہر نکال کے چوتڑوں پر بیٹھے لیکن مؤطا میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس نے لوگوں کو التحیات بیٹھ کر دکھلایا سو داہنے پاؤں کو کھڑا کیا اور بائیں کو بچھایا اور بائیں چوتڑ پر بیٹھا اور پاؤں پر نہ بیٹھا اور بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

اسی طرح کیا کرتے تھے اور مؤطا میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ بیٹھنا ان کا اخیر التحیات میں تھا اور نسائی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ التحیات میں سنت یہ ہے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھا کے اس پر بیٹھ جائے سو اس نسائی کی روایت میں پہلا التحیات مراد ہے پس ان دونوں حدیثوں میں کچھ تعارض نہیں اور یہ تفصیل حدیث ابوحمید رضی اللہ عنہ کی (جو ابھی آتی ہے) موافق ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار کو نماز میں چارزانو ہو کر بیٹھنا جائز ہے خواہ نماز فرضی ہو یا نفلی ہو اور یہی مذہب ہے ایک جماعت صحابہ اور تابعین کا جیسے کہ ابن عمر اور ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں اور حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نفلوں میں جائز ہے اور فرضوں میں جائز نہیں اور ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ مجھ کو گرم پتھر پر بیٹھنا زیادہ پیارا ہے اس سے کہ نماز میں چارزانو ہو کر بیٹھوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چارزانو ہو کر بیٹھنا ان کے نزدیک حرام تھا اور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا کہ تندرست آدمی کو فرضوں میں تربع (چارزانو بیٹھنا) کرنا بالا جماع جائز نہیں اور بیمار میں اختلاف ہے بعض جائز کہتے ہیں جیسے کہ ابھی گزرا اور بعض جائز نہیں کہتے ہیں لیکن اکثر علماء سے مشہور یہی قول ہے کہ التحیات میں اس ہیئت سے بیٹھنا سنت ہے واجب نہیں پس اس بنا پر اگر کوئی شخص التحیات میں اس طور مسنون سے نہ بیٹھے بلکہ چارزانو ہو کر بیٹھے تو غایت درجہ اس فعل کو مکروہ کہا جائے گا حرام اور ناجائز نہیں کہا جائے گا پس ابن عبدالبر نے جو اس کو ناجائز رکھا ہے تو شاید مراد اس کی اس سے کراہت ہوگی، واللہ اعلم۔

٧٨٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَآءٍ ح وَحَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي حَبِيْبٍ وَيَزِيْدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَآءٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَآءَ مَنْكِبَيْهِ

٧٨٥۔ حضرت عمرو بن عطا رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب میں بیٹھا ہوا تھا یعنی دس اصحاب میں جیسے کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے سو ہم سب نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا یعنی آپ کس طور سے نماز پڑھتے تھے سو ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم لوگوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو زیادہ تر یاد رکھنے والا میں ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ اور اصحاب نے کہا کہ تو ہم سے کس طرح زیادہ یاد رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں نے آپ کا اتباع کیا یہاں تک کہ نماز کو خوب یاد کیا سو انہوں نے کہا کہ بیان کر سو اس نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر خوب مضبوط کرتے اور اپنی

وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَّكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْأُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ وَسَمِعَ اللَّيْثُ يَزِيْدَ بْنَ أَبِيْ حَبِيْبٍ وَيَزِيْدُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَلْحَلَةَ وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنِ ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ أَبُوْ صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرٍو حَدَّثَهُ كُلُّ فَقَارٍ.

پیٹھ کر ٹھہرایا کرتے یعنی اپنی پشت کو گردن کے برابر کرتے اور نہ سر کو اونچا کرتے اور نہ نیچا کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اور ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ پشت کی ہر ہڈی اپنی جگہ میں آ جاتی اور جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھتے نہ ان کو بچھاتے اور نہ ان کو پہلو سے ملاتے بلکہ اس سے علیحدہ رکھتے اور اپنے پاؤں کو انگلیوں کو قبلے کی طرف کرتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر التحیات کا ارادہ کرتے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھاتے اور اس پر بیٹھتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کرتے یعنی اس کے اوپر کو قبلے کی طرف کرتے اور جب اخیر رکعت پڑھ کر التحیات بیٹھتے تو اپنے پاؤں کو آگے کرتے یعنی داہنی طرف نکالتے اور داہنے کو کھڑا کرتے اور اپنے چوتڑوں پر بیٹھتے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت ﷺ نے وضو کیا پھر قبلے کی طرف منہ کیا پھر اللہ اکبر کہا اور ایک روایت میں ہے کہ جب گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تو ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر رکھتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد اور ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب سجدے میں جاتے تو دونوں رانوں کو کھول کر رکھتے اور اپنی پیٹھ کو پیٹ اور رانوں سے علیحدہ رکھتے اور سجدے میں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر رکھتے یہاں تک کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر اطمینان سے ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ میں پھر آتی پھر سجدے سے سر اٹھاتے اور سیدھے ہو کر بیٹھتے اور ایک روایت میں ہے کہ دو سجدوں کے درمیان تورّک کرتے یعنی بائیں پاؤں کو آگے کر کے بائیں طرف سے باہر نکالتے اور چوتڑ پر بیٹھتے اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھتے اور ایک روایت میں ہے کہ داہنے پاؤں کے اوپر کو قبلے کی طرف کرتے اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے لیکن اس روایت کو ترجیح ہے یا تعدد واقعہ پر محمول ہے یعنی کبھی تورّک کیا ہوگا اور کبھی پاؤں پر بیٹھے ہوں گے اور ایک راویت میں ہے کہ جب پہلے التحیات میں

بیٹھتے تو داہنی ہتھیلی کو داہنی ران پر رکھتے اور بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے اور سبابہ سے اشارہ کرتے یعنی خنصر اور بنصر کو ہتھیلی کے ساتھ ملاتے اور انگوٹھے کو وسطیٰ کے سر پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور جب تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کہتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب اخیر التحیات میں بیٹھتے تو اپنی بائیں ران پر تورّک کرتے اور جب نماز سے پھرتے تو اپنی داہنی طرف کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اسی طرح بائیں طرف کہتے تو ان سب اصحاب نے کہا کہ تو نے سچ کہا ہے حضرت ﷺ ایسے ہی نماز پڑھا کرتے تھے پس ان روایتوں سے حدیث ابوحمید رضی اللہ عنہ کی خوب تفصیل ہوگئی اور نماز کے سب احکام اچھی طرح سے ثابت ہو گئے اور التحیات میں بیٹھنے کا طریقہ بھی خوب طور سے معلوم ہوگیا پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی وباللہ التوفیق اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پہلے التحیات میں بیٹھنے کی ہیئت اخیر التحیات کی ہیئت سے جدا ہے یعنی پہلے التحیات میں اس طرح سے بیٹھے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا منہ قبلے کی طرف کرے اور بائیں کو بچھا کے اس کے اوپر بیٹھے اخیر التحیات میں تورّک کرے یعنی دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں کو آگے کر کے نیچے سے دائیں طرف باہر نکالے اور دونوں چوتڑوں کو زمین کے ساتھ ملا کر بائیں ران پر بیٹھے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور تمام شافعیوں کا اور مالکیہ کہتے ہیں کہ دونوں التحیات میں تورّک کرے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی میں بھی تورّک نہ کرے بلکہ جیسے کہ پہلے التحیات میں دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھا ہے ویسے ہی اخیر التحیات میں بیٹھے اور امام احمد رحمہ اللہ بھی شافعی کے موافق کہتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر دو التحیات کی نماز ہو تو اخیر التحیات میں تورّک کرے اور جس نماز میں صرف ایک ہی التحیات ہو جیسے کہ صبح کی نماز ہے تو اس میں تورّک نہ کرے اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صبح میں بھی تورک کرے اور طبری نے کہا کہ دونوں طرح سے بہتر ہے خواہ تورّک کرے اور خواہ نہ کرے اس لیے کہ حضرت ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہو چکا ہے اور حنفیہ جو تورّک کے قائل نہیں تو اس حدیث ابوحمید رضی اللہ عنہ کے دو جواب دیتے ہیں اول جواب ان کا یہ ہے کہ کئی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اخیر التحیات میں بھی ویسے ہی بیٹھتے جیسے کہ پہلے التحیات میں بیٹھنا ہے پس اس حدیث ابوحمید رضی اللہ عنہ کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت ﷺ نے بعض اوقات میں کسی سبب سے تورّک کیا ہوگا تا کہ حدیثوں میں تطبیق ہو جائے سو جواب اس کا یہ کہ حضرت ﷺ کے افعال میں اصل عدم علت کا ہے کمامر۔ پس جب تک کہ کسی حدیث سے صریحاً اس کی علت ثابت نہ ہو جائے تب تک اپنے اصل پر رہے گا اور نیز جائز ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی آپ کا بعض اوقات میں تورّک کو چھوڑ دینا کسی سبب سے ہو فما ہو جوابکم فھو جوابنا اور نیز اس طور سے حدیثوں میں تطبیق حاصل نہیں ہوسکتی ہے اس لیے کہ جب حدیث ابوحمید رضی اللہ عنہ کو کسی علت پر محمول کیا جائے تو اب اس کے ساتھ عمل کرنا جائز نہ ہوگا پس اس صورت میں یہ حدیث بالکل مہمل اور متروک العمل رہ جائے گی پھر تطبیق کی کیا صورت اور نیز تطبیق

تو اس کے برعکس میں بھی ہو سکتی ہو کما مر اور نیز تطبیق اس طور سے بھی ہو سکتی ہے بلکہ یہی صحیح ہے کہ دونوں طرح سے التحیات میں بیٹھنے کو جائز رکھا جائے کبھی تورک کر لے اور کبھی پاؤں پر بیٹھ جائے مگر تورّک افضل ہے اور نیز ان حدیثوں سے تورّک کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت ﷺ ہمیشہ ایسے ہی کیا کرتے تھے اور دوم جواب حنفیہ کا یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابوحمید کی متصل نہیں ہے یعنی محمد بن عمرو بن عطاء نے اس حدیث کو ابوحمید سے نہیں سنا ہے بلکہ اس کا سماع ان اصحاب سے کسی کے ساتھ ثابت نہیں اس لیے کہ عیسیٰ بن عبداللہ نے اس حدیث کو محمد بن عمرو سے روایت کیا ہے سو اس نے محمد اور ابوحمید کے درمیان ایک اور راوی کو بیان کیا ہے یعنی ان دونوں کے درمیان سہل بن سعد کا واسطہ بیان کیا ہے کما اخرجه ابو داؤد وغیرہ اور نیز کہتے ہیں کہ ان دس صحابہ میں سے ایک ابوقتادہ تھے اور اس حدیث کے بعض طریقوں میں آیا ہے کہ محمد بن عمرو نے کہا کہ میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا حالانکہ اس کو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات حاصل نہیں تھی سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث لیث کی ظاہر ہے اس میں کہ محمد بن عمرو نے ابوحمید سے خود سنا ہے اور ابوداؤد وغیرہ کے طریقہ میں صریح آ چکا ہے کہ سمعت ابا حمید یعنی محمد بن عمرو نے کہا کہ میں نے ابوحمید رضی اللہ عنہ سے سنا پس یہ روایت اس کے سماع میں ایسی صریح ہے کہ کوئی اپنی عقل کا دشمن بھی اس میں شک نہیں کر سکتا ہے سو جب اس کا سماع ابوحمید سے ثابت ہو گیا تو کہا جائے گا کہ جب ثقہ کو کسی حدیث یا اسناد میں کوئی زیادتی بیان کرے زیادہ تاکید اور اثبات کے واسطے تو اس میں کچھ نقصان نہیں ہے پس عیسیٰ بن عبداللہ کی حدیث مزید فی متصل الاسانید کے قبیل سے ہو گی اور یہ جو کہتے ہیں کہ محمد بن عمرو کو ابوقتادہ سے ملاقات حاصل نہیں تو وہ تاریخ اس کی سے سند لاتے ہیں کہ ابوقتادہ سنہ ۴۰ھ چالیس ہجری میں شہید ہوا ہے اور محمد بن عمرو کا انتقال سنہ ۱۲۰ھ ایک سو بیس ہجری میں ہوا ہے اور محمد کی کل عمر اسی برس کی ہے سو جب اسی برس کو ایک سو بیس سے منہا کیا جائے تو باقی چالیس برس رہتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ محمد بن عمرو کی پیدائش سنہ چالیس ہجری میں ہوئی اور اسی سال میں ابوقتادہ شہید ہوئے ہیں پس معلوم ہوا کہ محمد کو ابوقتادہ سے ملاقات حاصل نہیں ہوئی سو جواب اس کا یہ ہے کہ ابوقتادہ کی موت کے وقت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سنہ ۵۴ھ چون ہجری میں شہید ہوا ہے سو اس بنا پر محمد بن عمرو کی ملاقات اس سے ممکن ہے اور بر تقدیر تسلیم احتمال ہے کہ جس نے اس کی موت کا وقت بیان کیا یا اس کی عمر کا مقدار بیان کیا اس کو وہم ہو گیا ہو خاص کر جب محمد بن عمرو کا سماع ابوحمید سے ثابت ہو چکا ہے کما مر تو بس یہی کافی ہے واسطے صحت حدیث کے پس اصل یہ ہے کہ دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق دی جائے فان الاعمال واجب ما امکن اور تطبیق کی صورت وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے واللہ اعلم اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ التحیات میں اس شکل سے بیٹھنا سنت ہے یعنی واجب نہیں سو اگر سب التحیاتوں میں تورّک کرے یا دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھے یا چارزانو ہو کر بیٹھے یا چوتڑوں کو زمین پر رکھے

اور پنڈلیوں کو کھڑا کرے یا پاؤں کو لمبا کر کے بیٹھے تو ان سب صورتوں میں نماز جائز ہوتی ہے اگر چہ مخالف ہے انتھی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی تعریف اپنی زبان سے کرنی جائز ہے اس طرح کہ میں فلاں سے زیادہ اعلم ہوں بشرط یہ کہ خود پسندی کا خوف نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض صحابہ سے بعض احکام پوشیدہ رہتے تھے حالانکہ انہوں نے ان کو حضرت ﷺ سے سنا ہوتا تھا اور اکثر اوقات بعض کے بیان کرنے سے دوسروں کو بھی وہ حکم یاد آجاتے تھے اور بعض نے کہا کہ دونوں التحیات میں جدا جدا طور سے بیٹھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے رکعتوں کی گنتی میں اشتباہ نہیں پڑتا ہے اور نیز پہلے التحیات کے پیچھے سے حرکت آتی ہے یعنی تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہونا پڑتا ہے بخلاف دوسرے التحیات کے کہ اس کے پیچھے کوئی حرکت کرنی نہیں پڑتی ہے اور نیز جو شخص پیچھے سے آکر نماز میں ملے اس کو معلوم ہو جائے گا کہ امام اس قدر نماز مجھ سے پہلے پڑھ چکا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الْأَوَّلَ وَاجِبًا.

پہلے قعدہ میں تشہد یعنی التحیات پڑھنے کو نہ واجب جاننے والے کا بیان یعنی چار رکعت یا تین رکعت کی نماز میں جو پہلے التحیات پڑھنے کے واسطے بیٹھتے ہیں تو اس جلسہ میں التحیات پڑھنا فرض نہیں۔

فائدہ: تشہد کا معنی لغت میں گواہ ہونا ہے اور دل کے علم کا ظاہر کرنا ہے اور شرع میں تشہد اس کو کہتے ہیں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ زبان سے کہے اور تمام التحیات کو جو تشہد کہتے ہیں تو اس واسطے کہ اس میں بھی دونوں شہادتیں موجود ہیں پس بزرگی کے سبب سے شہادت کو باقی ذکر پر تغلیب دی گئی سو یہ پہلا التحیات پڑھنا امام لیث اور اسحاق وغیرہ جمہور علماء کے نزدیک فرض نہیں سنت ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک روایت میں یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ بعض کے نزدیک واجب ہے اور دلیل ان کی یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے التحیات پڑھنے کا حکم فرمایا ہے جیسے کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی روایت آئی ہے اور مطلق حکم واسطے وجوب کے ہوتا ہے اور نیز حضرت ﷺ نے اس پر ہمیشگی کی ہے اور بھول جانے کے وقت سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا کیا ہے پس معلوم ہوا کہ پہلا التحیات پڑھنا واجب ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ جو چیز فرض ہوتی ہے اس کا نقصان سجدہ سہو سے پورا نہیں ہوسکتا ہے جیسے رکوع وغیرہ ہے پس اس سے فرضیت اس کی ثابت نہیں ہوسکتی ہے لیکن مداومت اور امر سے اس کی فرضیت ثابت ہوئی نہ وجوب حالانکہ حنفیہ اس کے قائل نہیں اور نیز سجدہ سہو اس کا نقصان پورا نہیں کرسکتا ہے اور جو لوگ اس کو فرض نہیں جانتے ان کی ایک دلیل تو ابن بحینہ کی حدیث ہے جو ابھی آتی ہے اور دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر تحریمہ کہنی بھول جائے تو سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا نہیں ہوسکتا ہے پس ایسے ہی سجدہ سہو کا التحیات کے نقصان کو بھی پورا نہیں

کرسکتا ہے۔ اور تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ ایک ذکر ہے کہ اس کو کبھی پکار کر نہیں پڑھا جاتا پس معلوم ہوا کہ فرض نہیں جیسے کہ شروع نماز کی دعا ہے۔

لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَرْجِعْ.

اس واسطے کہ حضرت ﷺ دو رکعت پڑھ کر بغیر التحیات کے اٹھ کھڑے ہوئے یعنی التحیات پڑھنا بھول گئے اور پھر اس کی طرف نہ پلٹے۔

فائدہ: یعنی جب دو رکعت کے بعد بغیر التحیات پڑھے بھول سے کھڑے ہو گئے تو پھر بعد کھڑے ہونے کے التحیات کی طرف نہ پلٹے کہ اس کو بیٹھ کر پڑھیں پس اگر التحیات پڑھنا فرض ہوتا تو ضرور اس کا تدارک کرتے اور اس کی طرف پلٹ آتے پس معلوم ہوا کہ پہلا التحیات پڑھنا فرض نہیں۔

٧٨٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزَ مَوْلٰى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَقَالَ مَرَّةً مَوْلٰى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ وَهُوَ مِنْ أَزْدِ شَنُوْئَةَ وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ.

٧٨٦۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ﷺ نے ان کو ظہر کی نماز پڑھائی سو پہلے دو رکعتیں پڑھ کر (تیسری رکعت کی طرف) اٹھ کھڑے ہوئے اور التحیات کے لیے نہ بیٹھے یعنی التحیات بیٹھنا بھول گئے سو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ جب نماز ادا کر چکے یعنی اخیر التحیات پڑھ چکے اور لوگ آپ کے سلام کے منتظر رہے یعنی فقط سلام پھیرنی باقی تھی تو آپ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی سو دو سجدے کیے سلام پھیرنے سے پہلے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلا التحیات پڑھنا فرض نہیں ہے اس لیے کہ اگر فرض ہوتا تو لوگوں کی تسبیح کہنے کے وقت آپ التحیات کی طرف پلٹ آتے اور اس کو پڑھ کر پھر تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہوتے اور یہی ہے وجہ مطابقت حدیث کی باب سے اور یہی ہے مذہب جمہور علماء کا کما مر۔

بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُوْلٰى.

پہلے جلسے میں التحیات پڑھنا جائز ہے۔

فائدہ: غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی اس باب سے فقط اس جواز کا ثابت کرنا ہے یعنی پہلے قعدے میں التحیات پڑھنا

شرع میں جائز ہے عام ہے اس سے کہ مستحب ہو یا واجب ہو۔

۷۸۷ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فَقَامَ وَعَلَيْهِ جُلُوْسٌ فَلَمَّا كَانَ فِيْ اٰخِرِ صَلَاتِهٖ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

۷۸۷۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی سو دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوئے اور التحیات پڑھنا آپ کے ذمہ تھا یعنی اس کو بھول گئے تھے سو جب نماز کے اخیر میں آئے یعنی اخیر التحیات پڑھ چکے تو بیٹھے ہوئے دو سجدے کیے یعنی سہو کے واسطے۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ مراد بخاری کی یہ ہے کہ پہلا التحیات پڑھنا واجب ہے اور سابق باب میں اس کا ذکر ہے جو اس کو واجب نہیں جانتا ہے اور سند دونوں کی یہی حدیث ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے یہ سجدہ سہو کا کس چیز کے بدلے کیا حنفیہ کہتے ہیں کہ نفس جلسے کے بدلے کیا اس لیے کہ ان کے نزدیک پہلا التحیات بیٹھنا واجب ہے اور اس میں تشہد پڑھنا واجب نہیں اور سجدہ سہو کا واجب کے بدلے ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تشہد کے بدلے سجدہ سہو کا کیا اس لیے کہ جب التحیات بیٹھنا ترک ہوا تو اس میں تشہد پڑھنا بھی ترک ہو گیا سو اس کے بدلے سجدہ سہو کیا اور یہ اس بنا پر ہے کہ ترجمہ باب کا یہ معنی کیا جائے کہ پہلے جلسے میں التحیات پڑھنا بھی واجب ہے پس اس وجہ سے مطابقت حدیث کی باب کے ساتھ ظاہر ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْاٰخِرَةِ.

اخیر جلسے میں التحیات پڑھنے کا بیان۔

۷۸۸ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى

۷۸۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تو التحیات میں بیٹھ کر یہ ذکر کیا کرتے تھے (اللہ کو سلام) جبرائیل کو سلام میکائیل کو سلام فلاں اور فلاں کو سلام (سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنا پس جب نماز ادا کر چکے) تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ پر سلام نہ کیا کرو اس واسطے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خود سلام ہے یعنی صاحب سلامتی کا ہے اور سالم اور پاک ہے ہر نقص اور عیب اور آفت سے اور سلامتی بخشنے والا ہے بندوں کو ہر آفت اور ہلاک کرنے والی چیز سے اور ہر سلامتی اور رحمت اسی کو ہے اور اسی کی طرف سے ہے پس سلامتی کی دعا کرنی

عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوْهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اسی شخص کے واسطے لائق ہے جس کو کوئی خوف اور حاجت ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ اور مستغنی ہے سو جب کوئی نماز میں بیٹھے تو التحیات پڑھے جیسے کہ اس حدیث میں مذکور ہے اور معنی التحیات کا یہ ہے کہ سب عبادتیں قولیہ یعنی زبان کی عبادتیں یعنی تعریف اور ذکر اور بدن کی عبادتیں جیسے کہ نماز اور حج وغیرہ اور مال کی عبادتیں جیسے کہ زکوٰۃ اور خیرات وغیرہ صرف اللہ ہی کے واسطے ہیں سلام ہو تجھ کو اے پیغمبر! اور اللہ کی رحمت اور برکت اور سلام ہے ہم کو اور سب اللہ کے نیک بندوں پر سو جب تم نے کہا کہ اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے تو جتنے اللہ کے بندے آسمان اور زمین میں ہیں خواہ فرشتے خواہ پیغمبر خواہ اولیاء خواہ جن خواہ آدمی سب کو تمہارا سلام پہنچ گیا اب ہر ایک کا نام لینا کچھ ضروری نہیں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی لائق بندگی کے نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ بندہ اللہ کا ہے اور اس کا رسول ہے۔

فائدہ: مراد التحیات سے عبادت قولیہ ہیں اور مراد صلوٰت سے عبادات بدنیہ ہیں اور مراد طیبات سے عبادات مالیہ ہیں جیسے کہ ترجمے میں گزرا اور بعضوں نے کہا کہ تحیہ کا معنی سلامت رہنے کا ہے تمام آفتوں سے اور نیز اس کا معنی ملک اور بقا اور عظمت اور حیات بھی آیا ہے اور جمع کا صیغہ اس واسطے لایا گیا کہ ہر ایک بادشاہ کے واسطے ایک تحیہ یعنی تعظیم کا لفظ خاص تھا کہ جب ان کے خادم اور غلام ان سے ملاقات کرتے تو اس لفظ تعظیم کے ساتھ بادشاہ کے حق میں دعا کرتے سو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب تحیات یعنی ہر قسم کی تعظیمیں خاص اللہ ہی کے واسطے ہیں اور وہی سب کا مستحق ہے اور بعضوں نے کہا کہ مراد صلوٰت سے پانچ نمازیں ہیں یا ہر قسم کی نماز فرض ہو یا نفل یا ہر قسم کی دعا یا ہر قسم کی رحمت یعنی ہر قسم کی نماز اور دعا اور رحمت اللہ کے واسطے خاص ہے اور بعضوں نے کہا کہ مراد طیبات سے پاک اور ستھری کلام ہے جو اس کے شان کے لائق ہے یا دعا اور ثنا مراد ہے تو معنی سب کا یہ ہوا کہ ہر قسم کی تعظیم اور تکریم اور ہر قسم کی نماز اور ہر قسم کی ستھری کلام اللہ ہی کے واسطے خاص ہے اور اس کی طرف پلٹ جاتی ہے اور التحیات میں حضرت ﷺ کو خاص کر کے سلام کہنا اس واسطے آیا ہے کہ آپ کا حق لوگوں پر زیادہ ہے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ پہلے اپنے واسطے دعا مانگا کرو تو یہ اس واسطے ہے کہ اپنی جان کو بچانا سب سے مقدم ہے اور یہ جو آپ نے سب

نیک بندوں پہ سلام کرنا فرمایا تو اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ مومنوں کے واسطے ایسے طور سے دعا کرے کہ آپ بھی اس میں شامل ہو جائے اور اگر کوئی کہے کہ التحیات میں یہ کلمہ کہنا کہ سلام ہو تجھ کو اے نبی بندہ کے ساتھ خطاب ہے اور بندے کے ساتھ خطاب کرنا نماز میں جائز نہیں پس یہ کلمہ نماز میں کیوں جائز رکھا گیا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ﷺ کا خاصہ ہے اور دوم جواب یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے اصحاب کو یہ کلمہ اسی طرح سے سکھلایا ہے سو ہم اس کا اتباع کرتے ہیں ہم کو لیت ولعل میں کچھ غرض نہیں لیکن اب حضرت ﷺ کو مخاطب کر کے سلام کہنا واجب نہیں بلکہ اگر السلام علیك ایها النبی کے بدلے السلام علی النبی کہا جائے یعنی سلام ہو نبی پر تو یہ بھی جائز ہے جیسے کہ صحیح بخاری میں دوسری جگہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کو خطاب کے ساتھ سلام کیا کرتے تھے اور آپ کے انتقال کے بعد صیغہ غیب کے ساتھ سلام کیا کرتے تھے اور عبدالرزاق نے عطاء سے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ کی زندگی میں اصحاب خطاب سے سلام کیا کرتے تھے اور بعد انتقال کے صیغہ غائب کے ساتھ سلام کیا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ اب حضرت ﷺ پر خطاب سے سلام کہنا واجب نہیں اور جاننا چاہیے کہ التحیات کے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی طور پر روایتیں آئی ہیں یعنی بعض صحابہ کے نزدیک التحیات کے الفاظ کئی طرح پر ہیں اور بعض کے نزدیک کئی طرح پر ہیں سو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو التحیات کے الفاظ یہ ہیں کہ جو اس حدیث بخاری میں موجود ہیں اور جن کا معنی ابھی گزر چکا ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک التحیات کے الفاظ یہ ہیں "اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک التحیات کے الفاظ یہ ہیں "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" سو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا عمل تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے التحیات پر ہے اس لیے کہ اس کو کئی طور سے ترجیح ہے اول اس طور سے کہ یہ طریق التحیات کا سب سے زیادہ ترصحیح ہے اور بخاری اور مسلم وغیرہ اصحاب صحاح ستہ نے اس پر اتفاق کیا ہے اور دوم تو اس طور سے کہ اس کے الفاظ میں صحاح ستہ کی روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ اور سوم اس طور سے کہ یہ طریق خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سیکھا گیا ہے بخلاف اور طریقوں کے کہ ان میں یہ تینوں قسم کی ترجیح نہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کے نہایت درجے کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور چوبیس طریقوں سے اس حدیث کی روایت آچکی ہے اور بزار نے کہا کہ التحیات کے باب میں مجھ کو کوئی حدیث معلوم نہیں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ صحیح اور زیادہ ثابت ہو اور چہارم اس طور سے کہ اس التحیات کے الفاظ میں واؤ عطف کی موجود

ہے جو ہر جملہ کے مستقل ہونے پر دلالت کرتی ہے بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ان میں واؤ نہیں ہے اور پنجم اس طور سے کہ اس میں حضرت ﷺ کا حکم وارد ہوا ہے بخلاف دوسرے التحیات کے کہ وہ محض حکایت فعل کی ہے اور ترمذی نے کہا کہ التحیات کے باب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سب سے زیادہ ترجیح ہے اور اسی پر عمل ہے اکثر صحابہ اور تابعین وغیرہ کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل ابن عباس کے التحیات پر ہے اس لیے کہ اس میں مبارکات کا لفظ زیادہ ہے اور وہ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخالف نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ﷺ سے اس کو اخیر عمر میں سیکھا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا عمل عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے التحیات پر ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ التحیات لوگوں کو منبر پر سکھلایا سو اس پر کسی نے انکار نہ کیا لیکن یہ سب اختلاف علماء کا فقط افضلیت میں ہے یعنی جمہور تشہد ابن مسعود کو افضل کہتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما کو افضل کہتے ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تشہد عمر رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے ہیں اور جواز میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ تینوں طریقوں میں سے جس کو پڑھے جائز ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ التحیات پڑھنا واجب ہے اس لیے کہ آپ نے اس کے پڑھنے کا حکم فرمایا اور مطلق حکم واسطے وجوب کے ہوتا ہے اور یہی مذہب ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہ ان کے نزدیک پہلا التحیات پڑھنا واجب ہے اور دوسرا فرض ہے کہ اس کے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ التحیات پڑھنا فرض ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا التحیات پڑھنا سنت ہے اور دوسرا واجب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں سنت ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک روایت میں دونوں سنت ہیں اور ایک روایت میں دونوں واجب ہیں اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک التحیات پڑھنا فرض ہے لیکن کہتے ہیں کہ اگر کوئی صرف اتنا ہی کہے کہ ''اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ'' الخ تو اس کی نماز درست ہو جاتی ہے اور بعضوں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص التحیات میں نیک بندوں پر سلام نہ کہے تو اس نے تمام مسلمانوں کا حق چھینا جو پہلے گزر چکے ہیں اور جو قیامت تک پیدا ہوں گے اس لیے کہ التحیات میں ان پر سلام کہنی واجب ہے جیسے کہ التحیات میں معمول ہے اور نیک بندوں سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں اور اس کے درجے مختلف ہیں بعض اعلیٰ ہیں اور بعض ادنیٰ اور بعضوں نے کہا کہ صالح اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی خواہش کو مطلق چھوڑ دیا ہو اور اللہ کے حکم پر قائم ہوا ہو اور اپنے فائدہ اور نفع کی چیزوں کے لینے سے اور نقصان اور فساد کی چیزوں کے دفع کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لیا ہے اور سب کچھ تقدیر الٰہی کے حوالے کر دیا ہے اور اپنے نفس کا اختیار بالکل اٹھا دیا ہے جیسے کہ شیر خوار لڑکی کا حال دائی کے ساتھ ہوتا ہے اور میت کا حال غسل دینے والے کے ساتھ ہوتا ہے اور جب بندہ اس درجے کو پہنچ جائے تو پھر وہ تمام آفتوں سے سلامت رہتا ہے اور مناسبت حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

بَابُ الدُّعَآءِ قَبْلَ السَّلَامِ.

سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنے کا بیان یعنی جب اخیر التحیات پڑھ چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے دعا مانگے پھر سلام پھیرے۔

٧٨٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَآئِلٌ مَّا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ سَمِعْتُ خَلَفَ بْنَ عَامِرٍ يَقُوْلُ فِي الْمَسِيْحِ وَالْمَسِّيْحِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ وَّهُمَا وَاحِدٌ أَحَدُهُمَا عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْآخَرُ الدَّجَّالُ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيْذُ فِيْ صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

٧٨٩۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نماز میں اس دعا کو پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنے وفساد سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں میں زندگی اور موت کے فتنے سے الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے سو کسی نے آپ سے عرض کی کہ آپ قرض سے کیوں بہت پناہ مانگتے ہیں سو آپ نے فرمایا کہ آدمی جب قرضدار ہو جاتا ہے بات کہتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور قرضداروں سے وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور محمد بن یوسف نے کہا کہ میں نے خلف بن عامر سے سنا کہتے تھے کہ مسیح اور مسیّح میں کوئی فرق نہیں یعنی خواہ یا کو ساکن پڑھا جائے خواہ تشدید کے ساتھ پڑھا جائے دونوں ایک لفظ ہیں ان کے مسمّی میں کچھ فرق نہیں بلکہ دونوں کا مسمّی ایک سے ایک دونوں مسمّی سے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرا دجال ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح کہتے ہیں اور دجال کو بھی مسیح کہتے ہیں لیکن بعض نے کہا کہ تشدید کے ساتھ دجال کو کہتے ہیں اور جزم کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ﷺ سے سنا کہ آپ نماز میں پناہ مانگتے تھے دجال کے فتنے سے۔

فائدہ: دجال ایک شخص کافر کا نام ہے کہ اخیر زمانے میں ظاہر ہوگا اور خدائی کا دعویٰ کرے گا اور خوارق عادت سے

خلقت کو گمراہ کرے گا اور دجال دجل سے مشتق ہے اور دجل کا معنی خلط ملط کر دینے کا ہے سو اس کو دجال اس واسطے کہا گیا کہ وہ سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کر دے گا یا دجل کا معنی جھوٹ کا ہے تو اس کو دجال اس واسطے کہا گیا کہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے اور دجال کو مسیح اس واسطے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ بالکل نہیں یا اس واسطے کہ وہ چند دنوں میں تمام زمین پر پھر جائے گا اور یا اس واسطے کہ اس سے نیکی بند کی گئی ہے یعنی وہ کوئی نیکی نہیں کر سکے گا سو حضرت ﷺ نے اس کے فتنے سے پناہ مانگی اور اگر کوئی کہے کہ حضرت ﷺ کے پہلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں پھر آپ نے ایسی دعا کیوں مانگی اور نیز آپ نے دجال کو نہیں پایا پس آپ نے اس کے فتنے سے پناہ کیوں مانگی تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے تعلیم امت کے واسطے ایسی دعائیں کیا کرتے تھے کہ ہر شخص نماز میں جو اس دعا کو پڑھا کرے تاکہ تمام جہان میں قرن بعد قرن دجال کی خبر مشہور ہو جائے کہ وہ ایک جھوٹا کذاب آدمی ہے سو اس طریق سے وہ جس زمانے میں پیدا ہوگا مسلمان اس کو پہچان جائیں گے یہ وہی دجال ہے جس کی حضرت ﷺ نے خبر دی اور یا یہ کہ امت کے واسطے پناہ مانگتے تھے یعنی الٰہی! میں تجھ سے اپنی امت کے واسطے پناہ مانگتا ہوں اور یا تواضع اور اظہار عبودیت کے واسطے کیا کرتے تھے کہ بندے کا کام بندگی کرنا ہے خواہ گناہ ہو خواہ نہ ہو اس لیے کہ آدمی جتنی دعا کرے اتنے درجے بلند ہوتے ہیں گو دعا قبول ہو چکی ہو پس اس سے معلوم ہوا کہ آدمی ہمیشہ ایسی دعاؤں کو پڑھتا رہے اس لیے کہ جب حضرت ﷺ نے باوجود معصوم ہونے کے اس کو ترک نہ کیا تو جو معصوم نہیں اس کو بطریق اولیٰ اس کا ترک کرنا لائق نہیں اور زندگی کے فتنے سے مراد بیماری اور مال اور اولاد کا نقصان ہے یا کثرت مال کی اللہ سے غافل کرے یا کفر اور گمراہی یا دنیا کی لذات اور شہوات وغیرہ ہیں جو اللہ کے رضامندی میں خلل انداز ہوں اور صراط مستقیم سے پھسلا دیں اور موت کے فتنے سے مراد اس وقت کی شدت اور دہشت ہے اور شیطان کا وسوسہ ہے جان کندن کے وقت یا معاذ اللہ خاتمہ بد ہونا اور قرض سے مراد وہ قرض ہے جو اٹھا کرنا جائز کام میں صرف کرے یا جائز کام میں خرچ کرے لیکن اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جائے یا بغیر ادا کیے مر جائے یا ہر قسم کا قرض مراد ہے اس لیے کہ ذلت اور حاجت سے کوئی قرض خالی نہیں سو آدمی کو چاہیے کہ زندگی اور موت کے فتنے اور قرض سے پناہ مانگے اور اس حدیث سے تعیین کی جگہ معلوم نہیں ہوتی کہ اس دعا کو کس جگہ پڑھے لیکن اس حدیث کے بعض طریقوں میں آیا ہے کہ التحیات کے بعد جس دعا کو چاہے پڑھے پس اس سے ثابت ہوا کہ اس دعا کو التحیات کے بعد پڑھے سلام پھیرنے سے پہلے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اخیر التحیات میں اس دعا کو پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں اور یہی ہے مذہب جمہور علماء کا اور طاؤس کہتے ہیں کہ واجب ہے لیکن شاید وجوب سے غرض ان کی زیادہ تاکید ہو نہ اصل وجوب انتہی پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٧٩٠ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا

٧٩٠۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے

اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي حَبِيْبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً أَدْعُوْ بِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا حضرت ﷺ آپ مجھ کو کوئی دعا بتلایئے جس کو میں اپنی نماز میں پڑھا کروں تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کر: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ الٰہی میں نے اپنی جان پر ظلم کیا بہت سا ظلم اور گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا ہے سوائے تیرے سو بخش دے مجھ کو اپنے پاس کی مغفرت سے اور مجھ پر رحم کر البتہ تو ہی بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

فائدہ: یہ جو کہا کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی انسان قصور سے خالی نہیں اگر چہ صدیق ہی ہو اور یہ جو کہا کہ سوائے تیرے گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا تو اس میں اقرار ہے اللہ کی توحید کا کہ سوائے اللہ کے ایسا کوئی نہیں اور نیز اس میں اشارہ ہے کہ بڑی مغفرت کر اگر چہ میرے عمل اس کے لائق نہیں اور اس حدیث سے بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کو نماز میں کس جگہ پڑھے لیکن مشہور یہی ہے کہ التحیات کے بعد پڑھے یا شاید صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اس وقت ہوگا جب کہ حضرت ﷺ نے ان کو التحیات بتلایا اور فرمایا کہ بعد تشہد کے جو دعا چاہے پڑھے پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ.

التحیات کے بعد جس دعا کو چاہے پڑھے اختیار ہے اور واجب نہیں یعنی مطلق دعا واجب نہیں یا مطلق واجب ہے اور کوئی خاص دعا واجب نہیں لیکن یہ اخیر معنی حدیث کے موافق ہے کما سیاتی.

٧٩١ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنِيْ شَقِيْقٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوْا

٧٩١۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم حضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں ہوتے تو کہا کرتے تھے کہ بندوں کی طرف سے اللہ کو سلام اور فلاں اور فلاں کو سلام سو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پر سلام نہ کیا کرو اس لیے کہ بیشک اللہ صاحب ہے سلامتی کا اور اسی کی طرف سے سب کو سلامتی ہے لیکن اس طرح کہا کرو کہ زبان کی سب عبادتیں اور

السَّلَامُ عَلَى اللهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ قُوْلُوا التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَآءِ أَوْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَآءِ أَعْجَبَهٗ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْ.

بدن کی سب عبادتیں اور مال کی سب عبادتیں اللہ ہی کے واسطے خاص ہیں سلام ہو تجھ پر اے پیغمبر! اور اللہ کی رحمت اور برکت اور سلام ہو ہم کو اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سو جب تم نے کہا کہ اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام ہو تو جتنے اللہ کے بندے آسمان اور زمین میں ہیں سب کو تمہارا سلام پہنچ گیا یعنی ہر ایک کا نام لینا کچھ ضروری نہیں بلکہ مجملا سب کا نام لینا کافی ہے گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی لائق بندگی کے نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ بندہ ہے اللہ کا اور اس کا رسول ہے پھر جو دعا اس کے نزدیک بہت پسند ہو اس کو پڑھے۔

فائدہ: اس حدیث کا بیان مفصل طور سے پہلے گزر چکا ہے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنی واجب ہے لیکن کوئی خاص دعا واجب نہیں جس دعا کو چاہے پڑھے اختیار ہے اور اکثر علماء کے نزدیک اس موقع میں دعا کرنی واجب نہیں مستحب ہے اور وہ اس امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں بلکہ بعضوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے ناواجب ہونے پر اجماع ہو چکا ہے لیکن طاؤس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ التحیات کے بعد دجال اور زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ مانگنی واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ التحیات کے بعد حضرت ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا ایک روایت میں بھی یہی قول ہے کہ درود پڑھنا واجب ہے اور یہی مذہب ہے اسحاق کا لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر بھول سے چھوٹ جائے تو نماز جائز ہو جاتی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا یہ ہے کہ اخیر التحیات کے بعد درود پڑھنا سنت ہے واجب نہیں اگر چھوڑ دے تو نماز صحیح ہو جائے گی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے اگر ترک کر دے تو نماز صحیح نہیں ہوگی اور یہی ہے مذہب شعبی کا اور یہی روایت ہے عبداللہ اور عمر رضی اللہ عنہما سے انتہی۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ جس دعا کو چاہے پڑھے تو اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں ہر قسم کی دعا مانگنی جائز ہے خواہ دنیا کی کسی حاجت کے واسطے ہو اور خواہ دین کی کسی حاجت کے واسطے ہو اور خواہ قرآن و حدیث میں وہ دعا وارد ہوئی ہو اور خواہ وارد نہ ہوئی ہو جیسے کہے کہ الٰہی! مجھ کو بہشت میں داخل کر یا مجھ کو دنیا میں بہت سا مال دے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ کسی ناجائز کام کے واسطے وہ دعا نہ ہو کہ وہ مطلق منع ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام نخعی وغیرہ کے نزدیک ہر قسم کی دعا مانگنی جائز نہیں وہ کہتے ہیں کہ نماز میں فقط وہی دعا مانگنی جائز ہے جو قرآن اور حدیث میں آ چکی ہے اور دعا کوئی جائز نہیں لیکن ظاہر اس حدیث

سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا یہ قول صحیح نہیں۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهٗ وَأَنْفَهٗ حَتّٰى صَلّٰى قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ رَأَيْتُ الْحُمَيْدِيَّ يَحْتَجُّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَنْ لَّا يَمْسَحَ الْجَبْهَةَ فِي الصَّلَاةِ.

اگر سجدے میں ماتھے اور ناک کو مٹی لگ جائے تو بعض کہتے ہیں کہ اس کو نماز کے اندر صاف نہ کرے بلکہ نماز کے بعد صاف کرے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حمیدی کو دیکھا وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے تھے اس پر کہ نماز میں ماتھے کو نہ صاف کیا جائے یعنی اس حدیث سے جو ابھی آتی ہے۔

٧٩٢ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَآءِ وَالطِّيْنِ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهٖ.

٧٩٢۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدہ کرتے تھے پانی اور مٹی میں یہاں تک کہ میں نے مٹی کا نشان آپ کے ماتھے میں دیکھا۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے نماز میں ماتھے کو صاف نہیں کیا اس لیے کہ احتمال ہے کہ آپ نے ماتھے کو صاف کیا ہو لیکن مٹی کا کچھ نشان باقی رہ گیا ہو اور احتمال ہے کہ آپ ماتھے کو صاف کرنا بھول گئے ہوں اور احتمال ہے کہ آپ نے اپنی خواب سچا کرنے کے واسطے ماتھے کو نہ پونچھا ہو اور احتمال ہے کہ واسطے بیان جواز کے ماتھے کو صاف نہ کیا ہو اس لیے کہ مسح کو ترک کرنا اولیٰ ہے اور جب اس حدیث میں اتنے احتمال ہوئے تو اب نماز میں ماتھے کو نہ پونچھنے پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اسی واسطے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا کوئی حکم صریح بیان نہیں کیا اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ نماز میں ماتھے سے مٹی وغیرہ صاف کرنے کو علماء سلف نے مکروہ رکھا ہے۔ انتہی

بَابُ التَّسْلِيْمِ.

التحیات اور درود وغیرہ کے بعد سلام پھیرنے کا بیان یعنی واجب ہے یا نہیں۔

٧٩٣ - حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

٧٩٣۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے اور اس کو تمام کرتے تو عورتیں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوتیں (یعنی اس واسطے کہ ان کو حکم تھا کہ سلام کے بعد جلدی چلی جائیں) اور آپ تھوڑا سا ٹھہرے رہتے

وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَآءُ حِيْنَ يَقْضِيْ تَسْلِيْمَهُ وَمَكَثَ يَسِيْرًا قَبْلَ أَنْ يَّقُوْمَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأُرٰى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَآءُ قَبْلَ أَنْ يُّدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ.

کھڑے نہ ہوتے۔ ابن شہاب (راوی) نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں (اور اللہ زیادہ تر جاننے والا ہے) کہ حضرت ﷺ کا ٹھہرنا اس واسطے تھا کہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں کوئی شخص نماز سے پھر کر ان کو نہ پا سکے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے سلام پھیرنی فرض ہے اور نماز کا ایک رکن ہے اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سلام پر ہمیشگی کی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہی مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا پہلوں اور پچھلوں سے وہ کہتے ہیں کہ نماز سے سلام پھیرنا فرض ہے بدون اس کے نماز صحیح نہیں بلکہ اگر السلام علیکم سے ایک حرف بھی کم کرے تو جب بھی نماز درست نہیں ہوگی اور یہی مذہب ہے جمہور صحابہ اور تابعین کا اور جو ان کے بعد ہیں اور اسی پر دلالت کرتی ہے وہ حدیث جو اصحاب سنن نے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا **تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ** یعنی سلام کے ساتھ آدمی نماز سے نکل آتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز سے سلام پھیرنا اور لفظ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا فرض نہیں فقط فرض یہ ہے کہ آدمی نماز سے کوئی کام کر کے باہر آئے خواہ سلام کرے یا کسی سے کلام کرے یا کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ اگر سلام کے بدلے گوز مار کر نماز سے باہر آ جائے تو جب بھی درست ہے اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے کہ اگر کوئی التحیات وغیرہ پڑھ کے گوز مارے سلام پھیرنے سے پہلے تو اس کی نماز صحیح ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ فتح الباری میں لکھا ہے **فَقَدْ ضَعَّفَهُ الْحُفَّاظُ** انتہی یعنی حفاظ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے پس اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور حنفیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث ہمیشگی پر دلالت نہیں کرتی کہ کان اکثر کے نزدیک مداومت کے واسطے نہیں اور نیز یہ ہمیشگی عورتوں کے قیام کی ہے وقت سلام کے نہ حضرت ﷺ کے سلام کے سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس کے سوا اور بہت حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ ہمیشہ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آتے تھے اس کے برخلاف کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوا سوائے اس حدیث مذکور کے جو حفاظ کے نزدیک ضعیف ہے پس کان کا ہمیشگی پر نہ دلالت کرنا یا مداومت سے عورتوں کے قیام کی مداومت مراد لینی حنفیہ کو کچھ مفید نہیں اور نیز کہتے ہیں کہ یہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیسرے پارے میں مذکور ہو چکا ہے کہ ائمہ اربعہ وغیرہ اہل اصول کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنی جائز ہے پس اس سے فرضیت ثابت کرنی بھی جائز ہوگی اور نیز جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور سلف اور خلف کے نزدیک خبر واحد سے فرضیت ثابت ہو جاتی ہے تو پھر اتنے علماء

کے مقابلہ میں حنفیہ کی اس اصطلاح کا کیا اعتبار ہے اور نیز اس حدیث کا خبر واحد ہونا مسلم نہیں بلکہ اگر سلام کی سب حدیثوں کو جمع کیا جائے تو درجہ شہرت سے بھی بڑھ جاتی ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ اور اس حدیث میں مطلق سلام کا ذکر ہے دو یا ایک بار سلام کہنے کا اس میں ذکر نہیں لیکن صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت آچکی ہے کہ دو بار سلام کہے ایک بار دائیں طرف اور ایک بار بائیں طرف بلکہ طحاوی وغیرہ نے سترہ اصحاب سے یہی روایت کی ہے کہ دو بار سلام کہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے واسطے مذہب امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور سلف اور خلف کی کہ دو بار سلام کہے اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ فقط ایک بار سلام کہے اور دلیل ان کی ضعیف حدیثیں ہیں جو صحیح حدیثوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں اور اگر کوئی ان میں سے ثابت بھی ہو جائے تو جواز پر حمل کی جائے گی یعنی صرف ایک بار سلام کہنا بھی جائز ہے اور تمام علماء معتبرین کا اتفاق ہے اس پر کہ واجب فقط ایک سلام ہے دوسری سنت ہے سو اگر فقط ایک ہی سلام کہے تو مستحب ہے کہ منہ کے سامنے کہے اور اگر دونوں سلام کہے تو ایک دائیں طرف کہے اور ایک بائیں طرف اور منہ کو دونوں جانب پھیرے اور اگر دونوں سلاموں کو دائیں طرف کہے یا دونوں کو بائیں طرف کہے یا دونوں کو منہ کے سامنے کہے یا پہلی بار دائیں اور دوسرے بار بائیں کہے تو نماز صحیح ہے لیکن فضیلت حاصل نہیں ہوتی انتہی۔ اور یہی ہے مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنن میں روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایک سلام کہتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسے کہ ذکر کیا ہے اس کو عقیلی اور امام ابن عبدالبر نے اور نیز دو سلام کی حدیثیں بہت ہیں اور اُس سے زیادہ صحیح ہیں پس ان کو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا پر مقدم کیا جائے گا اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں دوسرے سلام کی نفی نہیں بلکہ سکوت ہے پس وہ حدیث فقط ایک سلام کرنے پر دلیل نہیں ہو سکتی ہے اور بعضوں نے کہا کہ پہلے دائیں طرف سلام کہے پھر بائیں طرف کہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر امام فقط ایک بار ہی سلام کہے تو مقتدی کے واسطے سنت ہے کہ دونوں سلام کہے اس لیے کہ مقتدی پہلے سلام کے ساتھ اس کی پیروی سے نکل گیا ہے اب اس کی متابعت کرنی واجب نہیں اور اگر امام پہلا التحیات چھوڑ دے تو مقتدی کو اس کی پیروی کرنی واجب ہے اس لیے کہ وہ نماز کے اندر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ.

جب امام نماز سے سلام پھیرے تو اس وقت مقتدی بھی سلام پھیرے۔

فائدہ: یعنی یہ واجب نہیں کہ جب امام سلام کو تمام کر چکے تو مقتدی بعد اس کے سلام کہنی شروع کرے بلکہ جائز ہے کہ دونوں کے سلام ایک وقت میں واقع ہو اور غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی اس سے یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام کے بعد دعا وغیرہ کے ساتھ مشغول نہ رہے امام کی متابعت کرے کہ مستحب ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْتَحِبُّ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ أَنْ يُسَلِّمَ مَنْ خَلْفَهُ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما مستحب جانتے تھے اس بات کو کہ جب امام سلام کہے تو اسی وقت مقتدی بھی سلام کہے یعنی دونوں ایک وقت میں سلام کہیں لیکن اگر مقتدی امام کے سلام تمام ہونے کے بعد سلام کہنی شروع کرے تو وہ بھی جائز ہے اور مطابقت اس اثر کی باب سے ظاہر ہے۔

٧٩٤ ۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ.

٧٩٤۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی سو جب آپ نے سلام کہی تو اسی وقت ہم نے بھی سلام کہی۔

فائدہ: یعنی آپ نے اس سے انکار نہ کیا اور نہ منع فرمایا پس معلوم ہوا کہ امام کی سلام کے ساتھ سلام کہنی جائز ہے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور یہ حدیث مفصل طور سے پہلے گزر چکی ہے اور نیز ابھی آتی ہے۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَرَ رَدَّ السَّلَامِ عَلَى الْإِمَامِ وَاكْتَفٰى بِتَسْلِيْمِ الصَّلَاةِ.

مقتدی امام کو سلام کا جواب علیحدہ نہ دے اور صرف نماز کے سلام پر کفایت کرے۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ جب امام اپنی دائیں طرف سلام پھیرے تو یہ نیت کرے کہ میں دائیں طرف کے فرشتوں اور مقتدیوں کو سلام کہتا ہوں اور جب بائیں طرف سلام کہے تو اس وقت یہ نیت کرے کہ میں بائیں طرف کے فرشتوں اور مقتدیوں کو سلام کہتا ہوں اور جب مقتدی دائیں طرف سلام کہے تو یہ نیت کرے کہ میں دائیں طرف کے فرشتوں اور مقتدیوں اور امام کو سلام کہتا ہوں اور بائیں طرف بھی اسی طرح نیت کرے سو مطلب اس باب کا یہ ہے کہ جیسے امام دو بار سلام کہتا ہے اور اس میں مقتدیوں کو سلام کہنے کی نیت کرتا ہے ویسے ہی مقتدی بھی دو بار سلام کہے اور اس میں یہ نیت بھی کر لے کہ میں امام کو سلام کا جواب دیتا ہوں پس مقتدی اپنے اسی سلام کو جو نماز سے باہر آنے کے واسطے کرتا ہے امام کے سلام کا جواب سمجھ لے اور اسی پر کفایت کرے تیسری بار جواب کی نیت سے علیحدہ سلام نہ کہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے جواب میں ان دو سلاموں پر کفایت نہ کرے بلکہ ان دونوں میں دائیں بائیں کے مقتدیوں وغیرہ کی نیت کرے اور امام کے جواب کے واسطے تیسری بار علیحدہ سلام کہے پس ان کے نزدیک مقتدی تین بار سلام کہے دو بار دونوں طرف کے مقتدیوں وغیرہ کو اور ایک بار خاص امام کو سو امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ تیسری بار امام کو علیحدہ سلام کہنا مستحب نہیں۔

٧٩٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَزَعَمَ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَ فِيْ دَارِهِمْ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِيْ سَالِمٍ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ بَنِيْ سَالِمٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّيْ أَنْكَرْتُ بَصَرِيْ وَإِنَّ السُّيُوْلَ تَحُوْلُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِيْ فَلَوَدِدْتُ أَنَّكَ جِئْتَ فَصَلَّيْتَ فِيْ بَيْتِيْ مَكَانًا حَتّٰى أَتَّخِذَهُ مَسْجِدًا فَقَالَ أَفْعَلُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ فَغَدَا عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوْ بَكْرٍ مَّعَهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتّٰى قَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِيْ أَحَبَّ أَنْ يُّصَلِّيَ فِيْهِ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ.

۷۹۵۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (اور اس نے کہا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب جانا ہے اور خوب پہچانا ہے اور خوب یاد رکھی ہے وہ کلی پانی کی جس کو آپ نے میرے منہ میں مارا تھا ہمارے گھر کے کنوئیں سے) کہ میں نے عتبان بن مالک سے سنا کہتے تھے کہ میں اپنی قوم کی امامت کیا کرتا تھا سو میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں اندھا ہو گیا ہوں اور بیشک نالے پانی کے میری اور میری قوم کی مسجد کے درمیان حائل اور مانع ہوتی ہے یعنی برسات کے دنوں میں راہ میں بہت زور سے پانی بہتا ہے اس سبب سے میں مسجد میں نہیں جاسکتا ہوں سو میں دوست رکھتا ہوں اس بات کو کہ آپ تشریف لائیں اور میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھیں جس کو میں جائے نماز ٹھہرا لوں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں اس کام کو کروں گا یعنی تیرے گھر میں آؤں گا سو دوسری صبح کو جب آفتاب خوب بلند ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے سو آپ نے اندر آنے کے لیے اذن مانگا سو میں نے آپ کو اذن دیا اور آپ اندر آئے سو نہ بیٹھے یہاں تک کہ فرمایا کہ تو اپنے گھر سے کس جگہ کو دوست رکھتا ہے جس میں میں نماز پڑھوں سو عتبان نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا جس کو وہ دوست رکھتا تھا سو آپ اس میں نماز کے واسطے کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی پھر آپ نے نماز سے سلام پھیری اور آپ کی سلام کے وقت ہم نے بھی سلام کہی۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں نے امام کے جواب میں علیحدہ کوئی سلام نہیں کہی اس لیے کہ سلام کا جواب اصل سلام کے بعد ہوتا ہے نہ اس کے وقت میں اور حالانکہ یہاں مقتدیوں کی سلام امام کی سلام کے

وقت میں واقع ہوئی ہے اور نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی سلام حضرت ﷺ کے سلام کی طرح تھی اور آپ کی سلام یا تو صرف ایک بار تھی جس کے ساتھ آدمی نماز سے حلال ہوتا ہے اور یا دو بار تھی پس مقتدیوں کی سلام بھی دو بار ہی ہوگی نہ تین بار جیسے کہ مالکیہ کہتے ہیں پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلوں میں بھی جماعت کرنی جائز ہے اس لیے کہ یہ نماز اشراق کی تھی کسی فرضی نماز کا وقت نہیں تھا جیسا کہ سیاق حدیث کا اس پر دلالت کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں نفلوں کی جماعت بھی جائز ہے اور یہ کہ جو آدمی کہے کہ میں یہ کام کل کروں گا تو مستحب ہے کہ انشاء اللہ بھی کہے اور یہ کہ بزرگوں سے تبرک لینا اور جس جگہ نماز پڑھتے ہوں اس جگہ نماز پڑھنا اور ان سے تبرک چاہنا جائز ہے اور یہ کہ بزرگ آدمی کی زیارت کرنی جائز ہے اور یہ کہ عذر سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ امام اور عالم کا اپنے بعض دوستوں کو ساتھ لے جانا جائز ہے اور یہ کہ گھر والے سے اذن لینا چاہیے اگرچہ وہ پہلے بلا چکا ہو اور یہ کہ دن کے نفلوں میں افضل یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھے جیسے کہ مذہب جمہور کا ہے اور یہ کہ جب گاؤں یا محلہ میں کوئی عالم یا کوئی بزرگ آئے تو مستحب ہے کہ محلے کے سب لوگ اس کے پاس جمع ہو کر اس کی زیارت کریں اور اس سے مسائل پوچھیں اور یہ کہ نماز کے واسطے ایک جگہ خاص کر مقرر کر رکھنی جائز ہے اور مسجد میں جو اس کی ممانعت آئی ہے تو ریا وغیرہ کے خوف سے ہے اور یہ کہ جو آدمی توحید پر مرے تو آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، انتہی۔

نووی نے کہا اور یہ جو محمود نے کہا کہ میں نے حضرت ﷺ کو خوب جانا پہچانا ہے۔ الخ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت بہت چھوٹا تھا چار پانچ برس کی عمر تھی تو وہم پیدا ہوتا تھا کہ لڑکا ہے شاید کسی لفظ کو حدیث سے بھول گیا ہو سو اس وہم کے دفع کرنے کے واسطے اس نے یہ کلام حدیث کے اول میں کہی یعنی حدیث مجھ کو خوب یاد ہے اس کو بھولا نہیں ہوں اور حضرت ﷺ نے اس کے منہ میں کلی شاید اس واسطے ماری تھی کہ وہ اس کو یاد رکھے اور نقل کرے تا کہ اس کو نقل حدیث کی فضیلت حاصل ہو اور اس کی صحبت آپ سے صحیح ہو جائے سو ایسا ہی ہوا۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ. نماز کے بعد ذکر کرنے کا بیان

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک نماز سے مراد فرضوں کی نماز ہے سنت اور نفل وغیرہ مراد نہیں وہ کہتے ہیں کہ نمازی اس ذکر کو فرضوں کے بعد پڑھا کرے سنتوں اور نفلوں کے بعد نہ پڑھا کرے اور بعض کہتے ہیں کہ اس ذکر کو ہر نماز کے پیچھے پڑھے خواہ فرض ہوں یا نفل ہوں اور اگر فرضوں کے بعد اس ذکر کو تھوڑی دیر کر کے پڑھے جس میں کہ وہ اس سے روگردان نہ سمجھا جائے یا بھول سے دیر ہو جائے پھر اس کو پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے اس میں کچھ نقصان نہیں اور اسی طرح آیۃ الکرسی وغیرہ جن دعاؤں کا نماز کے بعد پڑھنا ثابت ہوا ہے اگر ان کو اس ذکر سے پہلے پڑھ لے اور بعد اس کے ذکر کو پڑھے تو یہ بھی جائز ہے اور جن فرضوں کے پیچھے سنتیں پڑھی جاتی ہیں جیسے ظہر اور شام اور عشاء کی

نماز ہے ان کے بعد اس ذکر کو پڑھنے میں اختلاف ہے جمہور علماء کہتے ہیں کہ فرضوں کے بعد پہلے اس ذکر کو پڑھے بعد اس کے سنتوں کو پڑھے اس لیے کہ صحیح حدیثوں میں صریح آ چکا ہے کہ اس ذکر کو فرضوں کے بعد پڑھے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ فرضوں کے بعد پہلے سنتیں پڑھے بعد اس کے ذکر کرے ان کے نزدیک فرضوں اور نفلوں میں فصل کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی کہے کہ جیسے اس ذکر کا حکم آیا ہے کہ فرضوں کے بعد پڑھا جائے ویسے ہی سنتوں کا حکم بھی یہی آیا ہے کہ فرضوں کے بعد پڑھی جائیں سو اگر ایک کو مقدم کیا جائے تو دوسرے کی بعدیت فوت ہو جائے گی پس ان دونوں میں تطبیق کس طور سے ہو گی؟ سو جواب اس کا یہ ہے کہ دونوں طرح سے جائز ہے خواہ پہلے سنتوں کو پڑھے یا ذکر کو پڑھے اختیار ہے لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے ذکر کو پڑھا جائے پھر سنتوں کو پڑھا جائے جیسے کہ مذہب جمہور کا ہے اور اگر کوئی کہے کہ فرضوں کے بعد ذکر کرنا مختلف طور سے آیا ہے اس لیے کہ بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فرضوں کے بعد اللھم انت السلام الخ پڑھے اور بعض حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیۃ الکرسی پڑھے اور بعض حدیثوں سے لا الہ الا اللہ الخ وغیرہ اور دعائیں پڑھنی ثابت ہوتی ہیں پس ان سب حدیثوں میں تطبیق کیونکر ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ فرضوں کے بعد یہ سب دعائیں پڑھنی جائز ہیں کبھی کسی دعا کو پڑھ لیا کرے اور کبھی کسی دعا کو پڑھ لیا کرے یا ہر نماز میں سب کو جمع کر لیا کرے ہر طور سے جائز ہے لیکن سب کو جمع کرنا واجب نہیں اور حضرت ﷺ نے بھی ان دعاؤں کو مختلف وقتوں میں پڑھا ہے کسی نماز میں کسی دعا کو اور کسی نماز میں کسی دعا کو پس نمازی جس طور سے پڑھے جائز ہے اور مستحب یہ ہے کہ اس ذکر کو بیٹھے پڑھے اور اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو بھی جائز ہے اور یہ جو حنفیہ کہتے ہیں کہ فرض اور نفل کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ صحیح مسلم میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی اور بعد اس کے نفل پڑھے سو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ جب تو جمعہ کی نماز پڑھے تو بعد اس کے کوئی نماز جائز نہیں یہاں تک کہ تو کلام کرے یا اس جگہ سے ہٹ جائے یعنی فرض اور نفل کے درمیان فصل کرنا ضروری ہے خواہ کلام سے کرے یا اس جگہ سے ہٹ جائے اور جب فرض اور نفل میں کلام کے ساتھ فصل کرنا جائز ہوا تو ذکر اور دعا وغیرہ کے ساتھ فصل کرنا بطریق اولیٰ جائز ہو گا اور نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی نے جس جگہ میں فرض پڑھے ہوں اس جگہ سے ہٹنے کے ساتھ بھی دونوں میں فصل ہو جاتا ہے سو اس صورت میں اس سے لازم آئے گا کہ فرض کی جگہ میں نفل پڑھنے جائز ہوں حالانکہ حنفیہ اس کو مکروہ کہتے ہیں وسیاتی بیانہ انشاء اللہ تعالیٰ۔

٧٩٦ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ

٧٩٦۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ کے زمانے میں جب لوگ نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے یعنی بعد نماز فرض کے ذکر کرتے تھے

عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوْا بِذٰلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب میں ذکر کی آواز سنتا تو پہچان جاتا کہ لوگ نماز ادا کر چکے ہیں یعنی جب کبھی میں جماعت میں حاضر نہ ہوتا تو نماز کا تمام ہونا ذکر سے پہچانتا۔

فائدہ: علماء کہتے ہیں کہ اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما کم عمر تھے بعض اوقات جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے سو ذکر کی آواز سے نماز کا تمام ہونا پہچانتے اور بعض کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اخیر صفوں میں ہوتے تھے سلام کی آواز نہیں سن سکتے تھے جب ذکر کے ساتھ آواز بلند ہوتی تو تب ان کو معلوم ہوتا کہ نماز تمام ہو چکی ہے لیکن یہ وجہ ضعف سے خالی نہیں پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد نماز کے بلند آواز سے تکبیر کہنا اور ذکر کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا پکار کر پڑھنا ثابت ہوا اور منسوخ ہونا اس کا ثابت نہیں اور یہی ہے مذہب امام ابن حزم رحمہ اللہ کا لیکن اور علماء کے نزدیک بعد نماز کے پکار کر ذکر کرنا مستحب نہیں بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے چاروں مذہبوں وغیرہ کے سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نماز کے بعد پکار کر ذکر کرنا بدعت ہے اور امام ابن بطال نے کہا کہ پکار کر تکبیر کہنا سلف کے کسی عالم سے ثابت نہیں ہوا سوائے اس کے جو ابن حبیب نے حکایت کی ہے کہ لشکروں میں صبح کی نماز کے بعد تین بار بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے اور یہ حال لوگوں کا ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے یہ حدیث بیان کی تو اس وقت لوگ ذکر کو پکار کر نہیں کہا کرتے تھے اس واسطے مختار یہی بات ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں پکار کر نہ کریں مگر تعلیم کی غرض ہو تو جائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تعلیم پر حمل کیا ہے کہتے ہیں کہ اصحاب نے تھوڑے دنوں لوگوں کی تعلیم کے واسطے ذکر کو پکار کر کہا تھا ہمیشہ انہوں نے نہیں پکارا۔

٧٩٧ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَآءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ قَالَ عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ

٧٩٧۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تمام ہونا تکبیر کی آواز سے پہچانا کرتا تھا۔

عَنْ عَمْرٍو قَالَ كَانَ أَبُوْ مَعْبَدٍ أَصْدَقَ مَوَالِيَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَلِيٌّ وَاسْمُهُ نَافِذٌ.

٧٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ الْفُقَرَآءُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُوْرِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِّنْ أَمْوَالٍ يَّحُجُّوْنَ بِهَا وَيَعْتَمِرُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَّنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا فَقَالَ بَعْضُنَا نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ تَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ.

٧٩٨۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محتاج اصحاب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سو انہوں نے عرض کی کہ یا حضرت! مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں لے گئے وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جیسے کہ ہم روزے رکھتے ہیں اور ان کو مال کے سبب سے زیادہ ثواب ہے کہ اس کے ساتھ حج کرتے ہیں اور عمرہ بجالاتے ہیں اور اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں یعنی مال کے سبب سے انہوں نے قرب الٰہی اور بہشت میں بڑے بڑے درجے حاصل کیے ہیں اور بہشت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے مستحق ہو گئے ہیں اور یہ ہم سے نہیں ہوسکتا کہ ہم کو مال میسر نہیں سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتلاؤں کہ اگر تم اُس پر عمل کرو تو اگلی امتوں کے درجے پاجاؤ اور اپنے زمانے کے سب لوگوں میں بہتر ہو جاؤ اور پچھلے لوگوں سے کوئی تمہارا درجہ نہ پا سکے مگر وہی شخص جو عمل کرے جیسا کہ تم نے کیا (اصحاب نے کہا ہاں یا حضرت ایسی چیز ضرور بتلایئے) فرمایا کہ سبحان اللہ کہو اور الحمد للہ کہو اور اللہ اکبر کہو ہر نماز کے پیچھے تینتیس تینتیس بار سو ہم نے آپس میں اختلاف کیا سو بعضوں نے کہا کہ تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور تینتیس بار الحمدللہ کہے اور چونتیس بار اللہ اکبر کہے (یعنی ہر ایک کو اتنی اتنی بار کہے پس یہ کل ایک کم سو ہو ا اور بعض نے کہا کہ کل کو تینتیس بار کہے یعنی ہر ایک کو گیارہ گیارہ بار کہے) سو میں (راوی کہتے ہے) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پلٹ گیا اور آپ کو یہ حال بتلایا سو آپ نے فرمایا کہ

سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر کہو یہاں تک کہ ان کلموں سے
ہر ایک تینتیس تینتیس بار ہو جائے تو کل ایک کم سو ہوا۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کلمہ کو تینتیس تینتیس بار کہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير کے ساتھ سو کا عدد پورا کرے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ چونتیس بار تکبیر کہے سو امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ تطبیق ان سب رواتیوں میں اس طور سے ہے کہ تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور تینتیس بار الحمد للہ کہے اور چونتیس بار اللہ اکبر کہے اور لا اله الا الله الخ کے ساتھ ختم کرے تا کہ سب رواتیوں پر عمل ہو جائے اور بعضوں نے کہا کہ کبھی لا اله الا الله الخ کے ساتھ سو پورا کرے اور کبھی اس کو ترک کرے اور ایک بار تکبیر زیادہ کر کے سو پورا کرے اس لیے کہ جیسے کہ رواتیوں میں اختلاف ہے ویسے ہی عمل بھی مختلف طور سے کرے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ پہلے تینوں کلمے دس دس بار کہے یا گیارہ گیارہ بار کہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان چاروں کلموں کو پچیس پچیس بار کہے سو یہ مختلف اوقات پر محمول ہے یا اختیار ہے جس عدد کو چاہے پڑھے کوئی قید نہیں لیکن یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ ہے اور سب سے زیادہ تر صحیح ہے پس اس کو سب پر ترجیح ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ثواب اسی شخص کو ملے گا جو ان کلموں کی گنتی کو پورا کرے اور عدد معین سے کچھ زیادہ نہ کرے اور جو اس عدد سے زیادہ پڑھے اس کو یہ ثواب نہیں ہے اس لیے کہ احتمال ہے کہ اس عدد خاص کے مقرر کرنے میں کوئی حکمت اور خاصیت ہو جو زیادہ کرنے سے فوت ہوتی ہے بلکہ بعضوں نے کہا کہ جن مسبحات کی شرع میں حد مقرر ہو چکی ہے ان میں کچھ بڑھانا بدعت مکروہ ہے اس لیے کہ مثلاً جس دوا کے واسطے ایک تولہ شکر مقرر ہو چکی ہو اگر اس میں دو تولے شکر ڈالی جائے تو اس کا فائدہ بالکل باطل ہو جائے گا اور بعضوں نے کہا کہ زیادہ کرنے میں بھی ثواب حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ جس عدد پر ثواب کا وعدہ تھا اس کو ادا کر چکا ہے پس اس کے واسطے ثواب ہو چکا اب اس پر کچھ زیادہ کرنے سے وہ ثواب باطل نہیں ہوگا لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کے ختم پر حکم بجا لانے کی نیت کرے یعنی یہ کہ میں اس حکم کی تعمیل کر چکا ہوں پھر بعد اس کے اگر اس پر کچھ زیادہ کرے تو کچھ حرج نہیں اور صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح کے وقت سو بار سبحان الله وبحمده کہا قیامت میں اس کے برابر کوئی نہیں ہوگا مگر جس نے اس کے برابر کہا یا اس سے زیادہ کہا واللہ اعلم۔ اور بعض رواتیوں میں یہ آیا ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر تحمید کہے پھر تسبیح کہے لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے سبحان اللہ کہے یعنی اللہ پاک ہے اس لیے کہ یہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ سب عیبوں اور نقصوں سے پاک ہے اور چونکہ نفی نقص سے کمال ثابت نہیں ہوتا اس واسطے بعد اس کے الحمد للہ کہے یعنی سب تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے اس لیے کہ یہ کلمہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ اللہ تمام صفتوں کمال کے ساتھ موصوف ہے اور چونکہ کمال ثابت ہونے سے نفی کبیر

کی لازم نہیں آتی اس لیے بعد اس کے اللہ اکبر کہے یعنی اللہ سب سے بڑا ہے اس کے برابر کوئی نہیں پھر بعد اس کے تہلیل کہے یعنی لا الہ الا اللہ یعنی سوائے اللہ کے کوئی لائق بندگی کے نہیں وہ نرالا ہے اس کا کوئی شریک نہیں سو اس ترتیب سے ان کلموں کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے اور ایک طریق میں اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ لفظ زیادہ آیا ہے کہ محتاج اصحاب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پلٹ گئے سو انہوں نے عرض کی کہ مالدار لوگوں نے ہمارے اس وظیفے کو سنا سو انہوں نے بھی ویسا کیا جیسا ہم نے کیا سو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی مشکل عمل کا ثواب آسان عمل والے کو بھی حاصل ہو جاتا ہے جیسے کہ مثلاً کلمہ شہادت ہے کہ اس کا پڑھنا نہایت سہل اور آسان ہے حالانکہ کئی مشکل عبادتوں پر اس کو فضیلت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب فرض ادا کرنے میں مالدار اور فقیر برابر ہوں تو اس وقت مالدار آدمی فقیر سے افضل ہے اس لیے کہ مالدار صدقہ و خیرات کرنے کے سبب سے جو درجے حاصل کرتا ہے وہ فقیر سے نہیں ہو سکتا اور اکثر صوفیہ کا یہ مذہب ہے کہ فقیر صابر مالدار سے افضل اس لیے ہے کہ جو صفائی اور ستھرائی فقر کے سبب سے فقیر کو حاصل ہے وہ صفائی مالدار کو میسر نہیں اور بعض نے کہا کہ افضل وہ شخص ہے جس کی گزران درمیانی ہو اور بعضوں نے کہا کہ یہ افضلیت مختلف ہے باعتبار اختلاف اشخاص کے یعنی بعض لوگوں کے واسطے مالدار ہونا افضل ہے اور بعضوں کے واسطے فقر افضل ہے اور بعضوں نے کہا کہ کسی کو افضل نہیں کہنا چاہیے اس لیے کہ کوئی مالدار اللہ کے راہ میں خرچ کرے اور فقیر آدمی اس کو دیکھ کر دل میں یہ تمنا کرے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اللہ کے راستے میں صرف کرتا اور دونوں کی نیت سچی ہو تو دونوں کو ثواب برابر ملتا ہے اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ اگر کوئی شخص کسی عالم سے اختلافی مسئلہ پوچھے تو اس کو ایسا جواب دے جس کے ساتھ وہ اہل فضل کا درجہ پائے اور یہ کہ عملوں میں رشک کرنا جائز ہے یعنی یہ کہ جیسے یہ عمل کرتا ہے میں بھی ویسا ہی عمل کروں تا کہ اس کے درجے کو پاؤں اور یہ کہ جن عملوں سے درجے بلند ہوں ان کی طرف جلدی کرنی چاہیے اور یہ کہ نماز کے بعد ذکر کرنے کا بڑا ثواب ہے اور یہ کہ کبھی عمل قاصر عمل متعدی کے برابر ہو جاتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں کہ کبھی فنا نہیں ہوں گی ابدالآباد تک ہمیشہ باقی رہیں گی نہ سڑیں گی اور نہ گلیں گی۔

٧٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

٧٩٩۔ حضرت وراد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے منشی سے روایت ہے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مجھ سے خط لکھوایا (اور اس نے اس خط میں معاویہ کی طرف یہ لکھا) کہ بیشک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز فرض کے پیچھے یہ ذکر پڑھا کرتے تھے کہ سوائے اللہ کے کوئی لائق بندگی کے نہیں ہے وہ اکیلا ہے کوئی

كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ بِهٰذَا وَقَالَ الْحَسَنُ الْجَدُّ غِنًى وَعَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ وَرَّادٍ بِهٰذَا.

اس کا شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کو حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے الٰہی! کوئی روکنے والا نہیں تیری دی چیز کو اور تیرے روبرو مالدار اور بادشاہی والے کو اس کی مالداری اور بادشاہی کچھ نفع نہیں کرتی صرف نیک عمل فائدہ دیتا ہے یا دنیا کی کوشش اس کو نفع نہیں دیتی ہے یا بھاگ جانے والے کو اس کا بھاگنا نفع نہیں کرتا کہ تمام زمین اور آسمان کا ملک تیرے قبضے میں ہے (اور اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے "يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ" یعنی اے گروہ جنوں اور آدمیوں کے اگر تم طاقت رکھتے ہو اس کی کہ نکل بھاگو کناروں سے آسمانوں اور زمین کے تو نکل جاؤ نہ نکل سکو گے مگر ساتھ کسی حجت کے لیکن تمہارے پاس کوئی حجت نہیں) اور حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ جد کا معنی مالدار ہونا ہے۔

فائدہ: قسطلانی میں لکھا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں نہ باعتبار عقل کے اور نہ باعتبار نقل کے عقل کی رو سے تو اس واسطے نہیں کہ دو معبودوں کا ہونا محال ہے اس لیے کہ اگر دو معبودوں کا وجود فرض کیا جائے تو دونوں سے ہر ایک تمام مخلوق پر قادر ہوگا سو اگر ایک نے چاہا کہ مثلاً میں زید کو چلاؤں اور دوسرے نے چاہا کہ میں زید کو کھڑا کروں سو یا تو دونوں کی مراد حاصل ہوگی یعنی زید کا چلنا بھی اور کھڑا ہونا بھی اور یہ محال ہے اس لیے کہ دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے اور یا دونوں سے کسی کی مراد بھی حاصل نہیں ہوگی اور یہ بھی محال ہے اس لیے کہ ہر ایک کی مراد کے موجود ہونے سے مانع دوسرے کی مراد کا حاصل ہوتا ہے اور نہیں منع ہے حاصل ہوتا مراد ہر ایک کا مگر وقت حاصل ہونے مراد دوسرے کے وبالعکس سو اگر دونوں کی مراد منع ہوئی تو دونوں کی مراد حاصل ہوگی اور یہ محال ہے دو وجہ سے اول اس وجہ سے کہ جب ہر ایک دونوں سے مالانہایت پر قادر تھا تو یہ بات ممکن نہیں کہ ایک دوسرے سے زیادہ تر قدرت رکھتا ہے بلکہ دونوں قدرت میں برابر مساوی ہوں گے پس یہ محال ہے کہ ایک کی مراد وقوع میں آئے اور دوسرے کی نہ آئے اس لیے کہ اس صورت میں ترجیح احد المتساوبین کی بلا مرجح لازم آتی ہے اور یہ محال ہے اور دوم اس طرح کہ اگر ایک کی مراد حاصل ہو اور دوسرے کی حاصل نہ ہو تو جس کی مراد حاصل ہوگی وہ قادر مطلق ہوگا اور جس کی مراد حاصل نہیں ہوئی وہ عاجز ہوگا پس وہ اللہ نہ ہو سکے گا اور نقل کے رو سے اس واسطے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں کہ اللہ نے

قرآن میں فرمایا ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ ، ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ یعنی اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں انتہی۔ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ خط لکھا تو اس وقت مغیرہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ پر حاکم تھا یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کا صوبہ تھا اور سبب اُس خط کا یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ اگر تو نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہو تو اس کو لکھ کر میرے پاس بھیج دے تب مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث لکھ کر اس کی طرف بھیج دی۔

بَابُ يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ.

جب امام نماز سے سلام پھیرے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔

فائدہ: یہ فقط اسی نماز کے بعد ہے جس کے بعد سنتیں نہیں جیسے کہ فجر اور عصر کی نماز ہے اور جس نماز کے بعد سنتیں ہیں تو اس میں مقدم یہ ہے کہ پہلے سنتوں کو ادا کرے بعد اس کے مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے علماء کہتے ہیں کہ مقتدیوں کے سامنے ہو کر بیٹھنے میں یہ حکمت ہے کہ باہر سے آنے والے کو اطلاع ہو جائے کہ نماز لوگ پڑھ چکے ہیں اس لیے کہ اگر امام اپنی سابق حالت پر بیٹھا رہے تو غیر آدمی کو دیکھ کر وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ التحیات میں ہے اور یا اس میں حکمت یہ ہے کہ مقتدیوں کے سامنے ہو کر ان کو دین کے مسئلے سمجھائے اور بعض نے کہا کہ امام کا مقتدیوں کی طرف پیٹھ کرنا صرف حق امامت کے سبب سے ہے سو جب نماز ادا ہو چکی تو وہ حق نہ رہا پس اب ان کی طرف پیٹھ کرنے میں تکبر اور تعلی کا وہم پیدا ہوتا ہے سو ان کی طرف منہ کر کے بیٹھنے سے یہ وہم بالکل دفع ہو جائے گا۔

٨٠٠ ۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ رَجَآءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ.

٨٠٠۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نماز سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف منہ کر کے بیٹھا کرتے تھے۔

٨٠١ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ أَنَّهٗ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى إِثْرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ

٨٠١۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز حدیبیہ میں پڑھائی بارش کے بعد جو اس رات میں برسی تھی سو جب نماز ادا کر چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے سو فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے سو اصحاب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے

فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

فرمایا کہ میرے بندوں سے صبح کو بعض ایمان لائے اور بعض کافر ہوئے سو جس نے کہا کہ اللہ کی رحمت سے ہم پر بارش برسی تو اس نے مجھ کو مانا اور ستارے سے انکار کیا اور جس نے کہا کہ فلاں ستارے نے بارش برسائی اور فلاں ستارے کے سبب سے ہم پر پانی برسایا گیا تو وہ کافر اللہ کا منکر ہے اور ستارے کو مانتا ہے۔

فائدہ: یعنی مینہ تو اللہ برساتا ہے اور نادان لوگ اس کو ستارے کی تاثیر سے جان کر اللہ کا شکر نہیں کرتے اور مراد کفر سے کفر حقیقی ہے یعنی جو شخص مینہ کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھے اور دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ ستارے مینہ برساتے ہیں اور یہی مدبر مختار ہیں تو وہ حقیقتا کافر ہو جاتا ہے اور اسلام سے نکل جاتا ہے اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا اور یہی معنی ہے ظاہر حدیث کا اور بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے کفران نعمت کا ہے لیکن یہ خاص اسی کے حق میں ہے جو ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور اگر یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ مینہ برساتا ہے اور وہی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ ستارے مینہ کی نشانی ہیں تو اس میں کافر نہیں ہوتا لیکن گناہ سے خالی نہیں اسی واسطے ہر آدمی کو لازم ہے کہ زبان کو اس قول سے اور دل کو اس اعتقاد سے پاک صاف رکھے اگر کوئی شخص کہے کہ مینہ کا حقیقی پیدا کرنے والا تو اللہ ہے لیکن اس نے باعتبار عادت ستاروں کو اس کا سبب ٹھہرایا ہے تو اب ستاروں کی طرف مینہ کی نسبت کرنی جائز ہے جیسا کہ آگ کے جلانے اور دوا کی تاثیر وغیرہ اسباب عادیہ ہیں لوگ اعتقاد رکھتے ہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ دلائل نجومیہ سب ظنی ہیں اور ستاروں کے تمام اوضاع اور حرکات کو ضبط کرنا حوصلہ انسان سے باہر ہے اور نیز نجومیوں کو آپس میں سخت اختلاف ہے کہ ایک کی رائے دوسرے سے نہیں ملتی کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے کوئی ستاروں کی حرکت کسی طور سے بتلاتا ہے اور کوئی کسی طور سے بتلاتا ہے اور بعض ستاروں کی مطلق کچھ تاثیر نہیں ہوتی اس میں عقل نجومیہ بھی حیران ہے چہ جائے کہ اس کو دوسرا کوئی سمجھ سکے پس آگ وغیرہ اسباب عادیہ محسوسہ کی تاثیر پر اس کو قیاس کرنا بالکل غلط ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ شارع علیہ السلام سے اس باب میں سخت ممانعت آ چکی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے (**من اتی کاھنا ومنجما فقد کفر برب الکعبة**) یعنی جو شخص کسی کاھن اور نجومی کے پاس جائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور نیز زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی سخت ممانعت پر دلالت کرتی ہے اور اس قسم کی ممانعت اسباب عادیہ آگ وغیرہ کی تاثیر کے باب میں شارع کی طرف سے ثابت نہیں ہوئے پس مینہ کو ستاروں کی طرف نسبت کرنا بالکل جائز نہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اٹھائیس ستارے ہیں جو تمام برس میں دورہ

کرتے ہیں اُن کا چڑھنا لوگوں کو معلوم ہے اور انہیں کو چاند کی اٹھائیس منزلیں کہا جاتا ہے ہر تیرہ دن کے بعد ایک ستارہ ان میں سے مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور اسی دن مشرق کی طرف سے اس کے مقابل ایک ستارہ چڑھ آتا ہے سو جاہلیت کے زمانے میں عرب کے لوگ مینہ کو اس تارے کی تاثیر سے سمجھتے تھے جو پچھم میں ڈوب جاتا ہے۔

٨٠٢ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيْرٍ سَمِعَ يَزِيْدَ بْنَ هَارُوْنَ قَالَ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَخَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَلَمَّا صَلّٰى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوْا وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ.

٨٠٢۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں آدھی رات تک دیر کی یعنی نماز کے واسطے گھر سے تشریف نہ لائے اور لوگ آپ کے منتظر بیٹھے رہے پھر آپ باہر تشریف لائے سو جب نماز ادا کر چکے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بیشک لوگ نماز پڑھ چکے اور سو گئے اور ہمیشہ تم نماز ہی میں ہو جب تک تم نماز کے منتظر رہو گے۔

فائدہ: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جب امام نماز سے سلام پھیرے تو مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے ان کو پیٹھ دے کر نہ بیٹھے اور یہی ہے وجہ مطابقت ان حدیثوں کی باب سے۔

بَابُ مُكْثِ الْإِمَامِ فِيْ مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ.

امام کو سلام کے بعد اپنے مصلے پر ٹھہرنا جائز ہے یعنی اگر امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے مصلے پر ٹھہرنا چاہے تو جائز ہے تو پہلے باب کے مسئلے کا بھی اس میں ضرور لحاظ رکھے۔

فائدہ: مصلے پر ٹھہرنا عام ہے کہ کسی ذکر یا دعا کے واسطے ہو یا لوگوں کو وعظ کرنے کی غرض سے ہو یا وہیں نفل پڑھنے کا ارادہ ہو سب طرح سے جائز ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک مکروہ ہے کما سیاتی۔

وَقَالَ لَنَا اٰدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ مَكَانِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ الْفَرِيْضَةَ وَفَعَلَهُ الْقَاسِمُ وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِيْ مَكَانِهٖ وَلَمْ يَصِحَّ.

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جس جگہ فرض نماز پڑھتے اسی جگہ میں نفل پڑھا کرتے تھے یعنی فرضوں کے بعد اپنے مصلے پر ٹھہرے رہتے اسی جگہ میں نفل ادا کرتے تھے اس جگہ سے آگے پیچھے نہ ہوتے اور قاسم بن محمد نے بھی اس فعل کو کیا یعنی فرضوں کی جگہ میں نفل پڑھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ امام اپنے مصلے پر نفل نہ پڑھے یعنی فرضوں کی جگہ میں

لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہوئی بلکہ ضعیف ہے اس واسطے کہ اس کی اسناد میں ضعف اور اضطراب ہے فقط لیث بن ابی سلیم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ راوی ضعیف ہے۔

فائدہ: اس باب میں مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع روایت مروی ہے کہ امام فرضوں کی جگہ میں نفل نہ پڑھے لیکن یہ حدیث بھی ضعیف اور منقطع ہے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام نفل نہ پڑھے یعنی فرضوں کے بعد یہاں تک کہ اپنے مصلے سے ہٹ جائے اور اسناد اس کی حسن ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اس حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تقویت اور تائید کرتی ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ امام نے جس جگہ فرض پڑھے ہوں اس جگہ میں اس کو نفل پڑھنے مکروہ ہیں اور یہی ہے مذہب اکثر علماء کا اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا اور شاید یہ کراہت اس واسطے ہے کہ نفل فرضوں کے ساتھ نہ مل جائیں اس واسطے کہ صحیح مسلم میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا کہ جب تو جمعہ پڑھ چکے تو بعد اس کے کوئی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ تو کسی سے کلام کرے یا اس جگہ سے ہٹ جائے سو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرضوں کی جگہ نفل نہ پڑھنے سے یہی غرض ہے کہ اُن دونوں کے درمیان فصل ہو جائے اور اُن میں اشتباہ اور التباس پڑنے سے امن ہو جائے اس واسطے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب فرضوں کے بعد کلام کر لے تو اس حالت میں فرضوں کی جگہ نفل پڑھنے جائز ہیں اس لیے کہ کلام کرنا اور اس جگہ سے ہٹ جانا آپس میں ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ کراہت اشتباہ پر محمول ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل اس پر محمول ہے کہ وہ شاید فرض اور نفل کے درمیان کلام کر لیتے تھے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ فرض کی جگہ نفل نہ پڑھے اس لیے کہ کبھی باہر سے آنے والا اس کو فرض میں خیال کر کے اس کے پیچھے اقتدا کرتا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں لیکن یہ قیاس ہے مقابلے نص کے پس قطعا باطل ہوگا اور نیز صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے پس اس کو ناجائز کہنا جائز نہیں، واللہ اعلم۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ فرضوں کے بعد سنتیں ہوں گی یا نہیں ہوں گی سو اگر ان کے بعد سنتیں ہوں تو اوّل سنتوں کو پڑھے یا ذکر کو پڑھے جمہور علماء کہتے ہیں کہ ذکر کو پہلے پڑھے پھر نفل ادا کرے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ پہلے نفل ادا کرے پھر ذکر پڑھے اور اگر فرضوں کے بعد نفل نہ ہوں تو امام اور مقتدی سب مل کر ذکر کو پڑھیں اور اس کے واسطے کوئی جگہ معین نہیں بلکہ اگر چاہیں تو چلے جائیں اور ذکر کریں اور چاہیں تو وہیں بیٹھ کر ذکر کریں اور اگر وہیں ٹھہر کر ذکر کریں تو مستحب ہے کہ امام ان کی طرف منہ کر کے ان کو کچھ وعظ سنائے اور اگر ان کو وعظ نہ سنائے تو اپنے دائیں پہلو کو مقتدیوں کی طرف کرے اور بائیں پہلو کو قبلے کی

طرف کر کے بیٹھے اور دعا کرے اور یہی ہے مذہب اکثر علماء شافعیہ کا اور اگر تھوڑی دیر بیٹھنا ہو تو قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھے کہ اس میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اور اگر دیر تک بیٹھنا ہو تو پہلے طور سے بیٹھے، واللہ اعلم۔

٨٠٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيْرًا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَنُرٰى وَاللَّهُ أَعْلَمُ لِكَيْ يَنْفُذَ مَنْ يَّنْصَرِفُ مِنَ النِّسَآءِ وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ قَالَ أَخْبَرَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ هِنْدٌ بِنْتُ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا قَالَتْ كَانَ يُسَلِّمُ فَيَنْصَرِفُ النِّسَآءُ فَيَدْخُلْنَ بُيُوْتَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّنْصَرِفَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَتْنِيْ هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَتْنِيْ هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْقُرَشِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ وَكَانَتْ تَحْتَ مَعْبَدِ بْنِ الْمِقْدَادِ وَهُوَ حَلِيْفُ بَنِيْ زُهْرَةَ وَكَانَتْ تَدْخُلُ عَلٰى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَتْنِيْ هِنْدُ

٨٠٣۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ میں ٹھہرے رہتے ابن شہاب نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ شاید آپ کا ٹھہرنا اس واسطے تھا کہ عورتیں گھروں کو پہلے پلٹ جائیں یعنی عورتوں اور مردوں کے ملنے کا راہ میں اتفاق نہ ہو۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تھے سو عورتیں بعد اس کے جلدی پلٹ جاتیں اور آپ کے پھرنے سے پہلے گھروں میں جا پہنچتیں۔

الْقُرَشِيَّةُ وَقَالَ ابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ الْفِرَاسِيَّةِ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ حَدَّثَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

فائدہ: ایک روایت میں نسائی سے اس طور سے آیا ہے کہ جب حضرت ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوتیں اور حضرت ﷺ اور تمام مرد بیٹھے رہتے سو جب آپ کھڑے ہوتے تو اس وقت مرد بھی کھڑے ہوتے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کو سلام کے بعد اپنے مصلے پر ٹھہرے رہنا جائز ہے اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے لیکن ابن شہاب کی اس علت بیان کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی صرف مرد ہوں تو اس وقت امام کو مصلے پر ٹھہرنا مستحب نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ﷺ سلام کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر اس قدر کہ جس میں (اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ) پڑھتے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے پیچھے فقط مرد ہوتے تو اسی قدر ٹھہرتے اور جب عورتیں بھی ہوتیں تو اس وقت آپ زیادہ ٹھہرتے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ﷺ جب سلام پھیرتے تو اسی وقت اٹھ کھڑے ہوتے اور اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے فعل سے بھی ثابت ہوتا ہے سو ان حدیثوں میں وہ نماز مراد ہے جس کے بعد سنتیں ہوں اور نیز یہ اسی حالت پر محمول ہے جب کہ امام کے پیچھے عورتیں نہ ہوں فقط مرد ہوں کما مر۔ اور نیز ان حدیثوں سے ذکر ماثور کی نفی ثابت نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ذکر نہایت تھوڑے وقت میں ادا ہو جاتا ہے بلکہ جب سلام کے بعد سنتوں کی طرف کھڑا ہونے لگے تو اتنے عرصے میں بھی وہ وظیفہ ادا ہو سکتا ہے پس سلام کے بعد یہ ذکر کرنا جلدی اٹھ کھڑا ہونے کے منافی نہیں اور نیز حنفیہ فرضوں کے بعد اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وغیرہ کو پڑھنا جائز رکھتے ہیں بلکہ اس زمانے کے حنفی تو بعض فرضوں کے دعا کرنے کو واجب کی طرح جانتے ہیں سو جب فرض اور نفل میں اس دعا اور ذکر وغیرہ کے ساتھ جدائی کرنی جائز رکھتے ہیں تو پھر لا الہ الا اللہ...... الخ وغیرہ ذکر ماثور جو اوپر مذکور ہو چکا ہے بطریق اولیٰ جائز ہو گا پس اس وجہ سے سب حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی وباللہ التوفیق اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام مقتدیوں کے حال کی رعایت کرے اور یہ کہ جس چیز سے گناہ میں پڑنے کا خوف ہو اس سے بچتا رہے اور یہ کہ تہمت کی جگہ سے بچتا رہے اور یہ کہ مردوں کا عورتوں سے ملنا مکروہ ہے چہ جائیکہ کہ گھر ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتیں جماعت میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔

بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَةً — اگر امام سلام کے بعد کسی حاجت کے واسطے جلدی اٹھ کر

فَتَخَطَّاهُمْ. لوگوں کے درمیان سے گزرتا چلا جائے تو جائز ہے۔

فائدہ: یعنی سلام کے بعد مصلے پر ٹھہرے رہنا جیسا کہ پہلے باب میں مذکور ہو چکا ہے فقط اسی وقت ہے جب کوئی حاجت نہ ہو اور جب کوئی حاجت پیش آ جائے تو اس وقت امام کو مصلے سے اٹھ کر چلے جانا جائز ہے لیکن اس باب میں حاجت کی قید لگانی تکلف سے خالی نہیں اس لیے کہ سلام کے بعد مصلے پر ٹھہرنا کوئی واجب امر نہیں بلکہ مستحب ہے بلکہ اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے کما مر۔ پس اگر امام فوراً مصلے سے اٹھ کر چلا جائے تو لامحالہ جائز ہوگا اس لیے کہ جواز استحباب کے مخالف نہیں بلکہ ٹھہرنے کو مکروہ کہنے والوں کے نزدیک اٹھ کر چلے جانا اولیٰ ہوگا مگر شاید اس واسطے یہ قید ہو کہ حاجت کے لیے لوگوں کی گردنوں پر چلے جانا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے، واللہ اعلم۔

٨٠٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَآئِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأٰى أَنَّهُمْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهِ فَقَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ.

٨٠٤۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی سو آپ نے نماز سے سلام پھیرا پھر جلدی اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنوں پر سے قدم مارتے اپنی بیویوں کے حجرے کی طرف چلے گئے پھر آپ گھر سے تشریف لائے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمان کیا کہ لوگوں کو آپ کے جلدی اٹھ کھڑے ہونے سے تعجب ہوا ہے سو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو نماز میں ایک سونے کا ٹکڑا یاد آیا جو ہمارے پاس تھا یعنی میرے دل میں اس کا خیال گزرا سو میں نے مکروہ جانا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے روک رکھے سو میں نے اس کے خیرات کر دینے کا حکم کیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کے بعد مصلے پر ٹھہرنا واجب نہیں بلکہ اٹھ کر چلے جانا جائز ہے کما مر اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حاجت کے واسطے لوگوں کی گردنوں پر سے گزرنا جائز ہے اور یہ کہ نماز میں جائز کام کا قصد اور فکر کرنا نماز کو باطل نہیں کرتا بلکہ اس کے کمال کو بھی نقصان نہیں پہنچاتا اور یہ کہ باوجود قدرت کے صدقے میں دوسرے کو نائب کرنا جائز ہے۔

بَابُ الْإِنْفِتَالِ وَالْإِنْصِرَافِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشِّمَالِ وَكَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَّنْفَتِلُ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَعَنْ يَّسَارِهِ وَيَعِيْبُ عَلٰى مَنْ يَّتَوَخّٰى أَوْ مَنْ يَّعْمِدُ الْإِنْفِتَالَ عَنْ يَّمِيْنِهِ.

نماز کے بعد دائیں اور بائیں طرف پھر کر بیٹھنے کا بیان یعنی سلام کے بعد امام خواہ اپنے دائیں طرف منہ کر کے بیٹھے اور خواہ بائیں طرف منہ کر کے بیٹھے دونوں طرح سے جائز ہے کسی میں کراہت نہیں۔

اور انس رضی اللہ عنہ اپنے دائیں اور اپنے بائیں دونوں طرف پھر کر بیٹھا کرتے تھے یعنی کبھی دائیں طرف پھر کر بیٹھتے اور کبھی بائیں طرف پھر کر بیٹھتے اور عیب کرتے تھے اس شخص پر جو دائیں طرف پھرنے کا قصد کرے

فائدہ: صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات دائیں طرف پھر کر بیٹھا کرتے تھے سو ظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اس لیے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پہلے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں طرف پھر کر بیٹھنے کا قصد کرنا منع ہے سو وجہ تطبیق کی ان دونوں میں اس طور سے ہو کہ مراد قصد کرنے سے پہلے اثر میں یہ ہے کہ دائیں طرف پھرنے کو واجب جانے سو انس رضی اللہ عنہ ایسے آدمی کو برا جانتے تھے پس معلوم ہوا کہ دونوں طرف پھر کر بیٹھنا جائز ہے پس وجہ مناسبت اس اثر کی باب سے ظاہر ہوگئی۔

۸۰۵ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِّنْ صَلَاتِهِ يَرٰى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَّمِيْنِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَّنْصَرِفُ عَنْ يَّسَارِهِ.

۸۰۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی شخص اپنی نماز سے شیطان کا حصہ نہ ٹھہرائے کہ دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنے کو اپنے پر واجب اور لازم جانے (اور بائیں طرف پھرنے کو جائز نہ رکھے) اس لیے کہ بیشک میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بہت بار بائیں طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔

فائدہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول اسی شخص کے حق میں ہے جو دائیں طرف پھرنے کو واجب جانے پس اس قول اور انس رضی اللہ عنہ کے قول مذکور کا ایک ہی مطلب ہے صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اکثر اوقات بائیں طرف سے پھر کر بیٹھتے تھے سو اس حدیث میں اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مسلم سے اوپر منقول ہو چکی ہے ظاہرا تعارض معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ دونوں میں افعل کا صیغہ وارد ہوا ہے سو امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس طرح کرتے تھے اور کبھی اس طرح کرتے تھے سو جو کوئی جس طرف کے اکثر ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا ویسے اس نے خبر دی سو معلوم ہوا کہ دونوں طرف پھرنا جائز ہے اور یا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حضر پر محمول ہے اور حدیث انس رضی اللہ عنہ کی سفر پر محمول ہے یعنی جب آپ مسجد میں نماز پڑھتے تو بائیں طرف پھر کر بیٹھتے اس لیے کہ آپ کی بیویوں کے حجرے بائیں طرف تھے اور جب سفر میں ہوتے تو دائیں طرف پھر کر بیٹھتے پس حاصل اس مسئلے کا یہ ہے کہ نماز سے پھر کر بیٹھنے کے واسطے کوئی طرف خاص معین نہیں خواہ دائیں طرف پھر کر بیٹھے خواہ بائیں طرف پھر

کر بیٹھے دونوں طرح سے جائز ہے اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ جس طرف حاجت ہو اس طرف منہ کر کے بیٹھنا افضل ہے خواہ دائیں طرف ہو خواہ بائیں طرف اور اگر کسی طرف بھی حاجت نہ ہو تو پھر دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا افضل ہے اس لیے کہ بہت حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دائیں طرف کو بائیں طرف پر فضیلت ہے جیسے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو کتاب الطہارت میں گزر چکی ہے اور ترمذی نے کہا کہ اس پر ہے عمل اکثر علماء کا کہ جس طرف چاہے پھر کر بیٹھ جائے کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب امر پر اصرار کرنا اور اس کو واجب جاننا بدعت ہے اس لیے کہ ہر چیز میں اول دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب امر ہے لیکن جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خوف کیا کہ لوگ اس کو واجب سمجھ بیٹھیں گے تو صاف کہہ دیا کہ جو اس کو واجب سمجھے اور اس پر اصرار کرے تو اس نے اپنی نماز سے شیطان کا حصہ کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقلید شخصی اور مذہب معین کا التزام کرنا اور اس کو واجب جاننا بدعت ہے اس لیے کہ جب قرآن وحدیث میں مسئلہ پایا جائے تو اس وقت تقلید شخصی مباح امر ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الثُّوْمِ النِّيِّ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ.

کچی لسن، پیاز اور گندنا (پیاز کی طرح بدبودار ترکاری) کے کھانے کا بیان۔

فائدہ: یہ باب احکام مساجد سے ہے اور پہلے باب احکام نماز میں ہیں لیکن چونکہ پہلے بابوں سے بطریق عموم جماعت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لیے مناسب ہوا کہ جو شخص کسی عذر کے سبب جماعت میں حاضر نہیں ہوسکتا اس کا بیان کیا جائے اور کچا لسن، پیاز کھانے والا بھی جماعت سے منع کیا گیا ہے اس لیے کہ اس کا بیان کرنا مناسب ہوا اور یہی وجہ ہے مناسبت اس باب کی احکام نماز سے اور گندنا کا ذکر اس باب کی حدیثوں میں نہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا لیکن اس میں اشارہ ہے طرف اس بات کی کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعض طریقوں میں اس کا ذکر آ گیا ہے۔

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ الثُّوْمَ أَوِ الْبَصَلَ مِنَ الْجُوْعِ أَوْ غَيْرِهِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا.

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا بیان کہ جو شخص لسن، پیاز کچا کھائے بھوک وغیرہ کے سبب سے سو ہماری مسجد کے نزدیک ہرگز نہ آئے۔

فائدہ: بھوک کی قید اس میں اس واسطے زیادہ کی ہے کہ جب بھوک کے سبب سے کھانا منع ہوا تو بدون اس کے کھانا بطریق اولیٰ منع ہو گا۔

٨٠٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ

٨٠٦۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس درخت یعنی لسن سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ

عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يُرِيْدُ الثُّوْمَ فَلَا يَغْشَانَا فِيْ مَسْجِدِنَا قُلْتُ مَا يَعْنِيْ بِهِ قَالَ مَا أُرَاهُ يَعْنِيْ إِلَّا نِيْئَهٗ وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ إِلَّا نَتْنَهٗ.

آپ کی مراد اس سے کیا ہے کچا یا پکا ہوا یا دونوں سو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ مراد آپ کی کچا لسن' پیاز ہے اور مخلد نے کہا کہ مراد اس کی بو ہے۔

فائدہ: صحیح مسلم میں اس حدیث کے آخر میں اتنا لفظ زیادہ ہے کہ فرشتوں کو اس چیز سے یعنی بدبو سے تکلیف ہوتی ہے جس سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

٨٠٧ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّوْمَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا.

٨٠٧۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے دن فرمایا کہ جو شخص اس درخت سے کھائے یعنی کچا لسن سو ہماری مسجد کے نزدیک ہرگز نہ آئے۔

٨٠٨ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ زَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ ثُوْمًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ قَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِيْ بَيْتِهٖ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيْهِ خَضِرَاتٌ مِّنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيْحًا فَسَأَلَ فَأُخْبِرَ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْبُقُوْلِ فَقَالَ قَرِّبُوْهَا إِلٰى بَعْضِ أَصْحَابِهٖ كَانَ مَعَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ كَرِهَ أَكْلَهَا قَالَ كُلْ فَإِنِّيْ أُنَاجِيْ مَنْ لَّا تُنَاجِيْ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ أُتِيَ بِبَدْرٍ وَّقَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِيْ طَبَقًا فِيْهِ خَضِرَاتٌ وَّلَمْ

٨٠٨۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کچا لسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور چاہیے کہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور بیشک کوئی شخص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کی ہنڈیا لایا جس میں کہ لسن' پیاز وغیرہ سبزیوں کا ساگ پکا ہوا تھا سو آپ کو ان کی بدبو آئی سو آپ نے پوچھا کہ اس میں کیا ہے سو کسی نے آپ کو خبر دی کہ اس میں لسن اور پیاز وغیرہ کا ساگ ہے سو فرمایا کہ اس کھانے کو بعض اصحاب کے نزدیک کردو یعنی ابوایوب رضی اللہ عنہ کے جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھا جب آپ نے دیکھا کہ اس نے کھانے کو مکروہ جانا ہے تو فرمایا کہ تو کھا اس واسطے کہ میں بات چیت کرتا ہوں اُس سے جس سے تو بات چیت نہیں کرتا یعنی جبرائیل سے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس ایک

يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُوْ صَفْوَانَ عَنْ يُوْنُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ فَلَا أَدْرِىْ هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيْثِ.

طشت (یعنی تھال) لایا گیا جس میں کئی قسم کی سبز چیزیں تھیں۔

فائدہ: صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت ﷺ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں اترے تو وہ کھانا تیار کر کے آپ کے پاس بھیج دیا کرتا تھا اور جب باقی بچا کھانا اس کے پاس پلٹ کر لایا جاتا تو پوچھتا حضرت ﷺ نے کس جگہ سے کھایا ہے سو اس جگہ سے وہ کھاتا سو ایک بار اس نے ساگ پکا کر آپ کے پاس بھیجا آپ کو اس سے لسن کی بو آئی سو آپ نے اس کو نہ کھایا اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا کہ تو کھا سو جب اس نے سنا کہ حضرت ﷺ نے نہیں کھایا تو اس نے بھی ہاتھ کھینچا اور پوچھا کہ یا حضرت! کیا یہ حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حرام نہیں حلال ہے میں اس عذر سے نہیں کھاتا کہ مجھ سے جبرائیل علیہ السلام ہم کلام ہوا کرتا ہے اور ان کو اس کی بو سے نفرت ہے۔

٨٠٩ ۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مَا سَمِعْتَ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الثُّوْمِ فَقَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبْنَا أَوْ لَا يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا.

٨٠٩۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا جو اس درخت سے کھائے یعنی لسن سے تو ہمارے نزدیک نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

فائدہ: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص لسن اور پیاز کچا یا گندنا کھائے تو اس کو کسی مسجد میں آنا منع ہے اور یہی مذہب ہے دنیا کے تمام اماموں کا اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ مولی بھی پیاز اور لسن کے برابر ہے کہ اُس کے ڈکار میں بدبو آتی ہے وعلی ہذا القیاس کھانے وغیرہ کی چیزوں سے جس میں بدبو آتی ہے سب کا یہی حکم ہے کہ اس کو کھا کر مسجد میں جانا منع ہے اور اسی طرح ان بودار چیزوں کو کھا کر عید اور جنازے وغیرہ عبادات کی مجلسوں اور مجمعوں میں جانا منع ہے اس لیے کہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ آیا ہے کہ وہ ہمارے نزدیک نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت وغیرہ کے سب مجمعوں کا یہی حکم ہے اور بعضوں نے کہا کہ کچے لسن اور پیاز کو کھا کر فقط مسجد نبوی میں جانا منع ہے اور مسجدوں میں جانا منع نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ دوسری حدیث میں صحیح مسلم وغیرہ کے صریح آ چکا ہے کہ لسن اور پیاز کچا کھا کر مسجدوں میں نہ جائے پس یہ لفظ جمع کا ہے سب مسجدوں کو شامل ہے پس سب کا یہی حکم ہے لیکن کچے لسن پیاز وغیرہ کا کھانا اسی وقت منع ہے جب کہ کھا کر مسجد وغیرہ میں جائے اور اگر مسجد میں نہ جائے تو ان کا کھانا منع نہیں بلکہ حلال ہے جیسے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کھا کر گھر میں بیٹھا رہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سب علماء معتبرین کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ لسن اور پیاز وغیرہ کا کچا کھانا حلال ہے اور یہ نہی تنزیہی ہے اور بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ حرام ہے اور جمہور کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صریح موجود ہے کہ تو کھا اس واسطے کہ میں بات چیت کرتا ہوں اُس سے جس سے تو بات چیت نہیں کرتا اور دوسری روایت مسلم کے یہ لفظ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے میں اس کو حرام نہیں کرسکتا ہوں سو ان حدیثوں سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ لسن اور پیاز کا کھانا حلال ہے پس اہل ظاہر کے قول کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر مسجد خالی ہو اس میں کوئی آدمی نہ ہو تو تب بھی کچا لسن اور پیاز کھا کر اس میں جانا منع ہے اس لیے کہ اس میں فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ اگر سب لوگوں نے کھایا ہے تو ان کو مسجد میں جانا منع نہیں اور بعض نے کہا کہ جس کے منہ سے بو آتی ہو یا بغل گند ہو تو اس کو بھی مسجد میں جانا منع ہے اور اسی طرح ماہی فروش اور چمرنگ (کوڑھ ولا) وغیرہ کو بھی مسجد میں آنا منع ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مسجد میں جانا صرف اسی حالت میں منع ہے جب کہ لسن پیاز کچا کھائے اور اگر ان کو پکائے یا سرکہ میں ڈال کر بو دور کرے تو ان کو کھا کر مسجد میں جانا منع نہیں جیسے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے کچا لسن اور پیاز ہے اور ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لسن اور پیاز کا پکا کر کھانا حلال ہے اور ابوداؤد میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچے لسن اور پیاز سے منع کیا اور فرمایا اگر کھانا ہو تو پکا کر کھاؤ سو جب ان سب حدیثوں کو جمع کیا جائے تو سب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ لسن پیاز پکا ہوا کھا کر مسجد میں جانا منع نہیں اور آپ نے اس کو کراہت کے واسطے نہ کھایا اس لیے کہ آپ اور لوگوں کی طرح نہیں تھے نہ یہ کہ اس کا کھانا آپ پر حرام تھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں کما مر اور بعض نے کہا کہ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض نہیں اس لیے کہ لسن، پیاز سب علماء معتبرین کے نزدیک حلال ہے اور حلال چیز کا کھانا جائز ہے اور جو اس کو کھائے اس کا جماعت میں آنا منع ہے پس معلوم ہوا کہ جماعت فرض نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ممانعت جو ان حدیثوں میں آئی ہے تو یہ زجر اور جھڑک پر محمول ہے یعنی جو شخص مسجد میں آنا چاہے تو وہ اس کو کچا ہرگز نہ کھائے پس یہ ترک جماعت کے لیے عذر نہیں ہوسکتا ہے بلکہ وہ اس کے اس جرم کی سزا ہے کہ جماعت کے ثواب سے محروم رہا اور جس جگہ آپ نے اس کے کھانے کا اذن دیا تو وہاں مسجد نہیں تھی یا وہ لسن کچا نہیں تھا پس اس سے معلوم ہوا کہ عذر وہی ہے جس میں آدمی کا کچھ دخل اور اختیار نہ ہو جیسے مینہ اور مرض وغیرہ ہے اور جو اپنے اختیار میں ہے وہ عذر نہیں اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص مسجد کے نزدیک نہ آئے تو اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے صحن اور قرب وجوار میں بھی نہ آئے چہ جائیکہ مسجد ہو، واللہ اعلم۔

بَابُ وُضُوْءِ الصِّبْيَانِ وَمَتٰى يَجِبُ نابالغ لڑکوں کے وضو کا بیان یعنی ان کا وضو صحیح ہے اور یہ

عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُورُ وَحُضُورِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيدَيْنِ وَالْجَنَآئِزَ وَصُفُوفِهِمْ.

کہ اُن پر غسل اور طہارت کرنا کس وقت فرض ہوتا ہے اور یہ کہ عید اور جماعت اور جنازے میں ان کے حاضر ہونے کا کیا حکم ہے اور یہ کہ وہ صفوں میں کس جگہ کھڑے ہوں لوگوں کے درمیان یا پیچھے؟۔

فائدہ: یہ کل چھ مسئلے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لڑکوں کے وضو کا کچھ حکم بیان نہیں کیا کہ واجب ہے یا مستحب اس لیے کہ اگر اس کو مستحب کہتا تو اس سے لازم آتا کہ لڑکے کی نماز بغیر وضو کے صحیح ہے اور اگر اس کو واجب کہتا تو اس سے لازم آتا کہ وضو کے ترک پر اس کو عذاب ہو حالانکہ ایسا نہیں سو اسی واسطے اس نے ایسا لفظ بولا جس میں کوئی اعتراض نہ آئے لیکن اعتراض اب بھی باقی ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ اگر وضو کو مستحب کہا جائے تو لازم آئے گا کہ لڑکے کی نماز بغیر وضو کے صحیح ہو اور بغیر وضو کے اس کی نماز صحیح ہے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اس لیے کہ وہ مکلف نہیں پس اس شرط کی رعایت کرنی اس پر واجب نہیں تا کہ اس کے ترک کرنے سے گنہگار ہو اور اس باب کی حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ لڑکوں پر غسل کس وقت واجب ہوتا ہے لیکن ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا نابالغ لڑکے پر واجب نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احتلام شرط ہے واسطے واجب ہونے غسل کے تو معلوم ہوا کہ جب احتلام ہونے لگے تو اس وقت غسل فرض ہو جاتا ہے اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن خزیمہ اور حاکم نے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جب لڑکا سات برس کا ہو تو اس کو نماز سکھلاؤ اور جب دس برس کا ہو تو اس کو مار کر نماز پڑھاؤ سو اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے بعض اہل علم نے اس پر کہ دس برس کے لڑکے پر نماز واجب ہے اس لیے کہ اس کو اس پر مارنے کا حکم آیا ہے اور یہ صفت وجوب کی ہے اور نماز وضو پر موقوف ہے پس معلوم ہوا کہ دس برس کے لڑکے پر وضو کرنا فرض ہے اور یہی ہے مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور ایک روایت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قول بیان کیا گیا ہے لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ جب تک لڑکا بالغ یعنی سولہ برس کا ہو جائے تب تک اس پر نماز فرض نہیں ان کے نزدیک یہ حدیث ابوداؤد وغیرہ کی ظاہر پر محمول نہیں کہتے ہیں مارنے کا حکم صرف تادیب اور عادت ڈالنے کے واسطے وارد ہوا ہے اور بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ناسخ اس کی وہ حدیث ہے کہ لڑکے سے قلم اٹھائی گئی ہے یہاں تک کہ اس کو احتلام ہو یعنی بالغ ہونے سے پہلے اس کے حق میں کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔

٨١٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنِيْ غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيَّ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ مَنْ مَّرَّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى

٨١٠ـ حضرت شعبی سے روایت ہے کہ مجھ کو خبر دی اس شخص نے جو حضرت ﷺ کے ساتھ ایک اکیلی قبر پر گزرا تھا سو آپ ان کے امام بنے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے قبر پر صف باندھی (اور جنازے کی نماز پڑھی) سو میں نے کہا کہ اے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرٍ مَّنْبُوْذٍ فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوْا عَلَيْهِ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

ابوعمر! کس نے تجھ سے یہ حدیث سنائی؟ اس نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکوں کا جماعت اور جنازے وغیرہ میں حاضر ہونا اور صف باندھنا اور وضو کرنا جائز ہے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس صف میں موجود ہوں گے اور وضو بھی کیا ہوگا حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت بہت کم عمر تھے بالغ نہیں تھے۔

٨١١ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِيْ صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

٨١١۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک بالغ جوان پر واجب ہے۔

فائدہ: وجہ مناسبت اس حدیث کی باب سے اوپر گزر چکی ہے اور بیان اس کا آئندہ بھی آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

٨١٢ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ أَخْبَرَنِيْ كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ فِيْ بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُّعَلَّقٍ وُضُوْءًا خَفِيْفًا يُّخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ جِدًّا ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِّمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ ثُمَّ صَلّٰى مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ فَأَتَاهُ الْمُنَادِيْ يُؤْذِنُهٗ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ مَعَهٗ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلّٰى وَلَمْ

٨١٢۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات رہا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوئے جب کچھ رات رہی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ بیٹھے یعنی تہجد کو پس آپ نے ایک مشک لٹکی ہوئی سے ہلکا وضو کیا جس کو عمرو (راوی) بہت ہلکا اور خفیف بتلاتا تھا پھر نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ سو میں نے وضو کیا جیسا کہ آپ نے کیا تھا یعنی ہلکا پھر میں آ کر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہوا سو آپ نے مجھ کو بائیں طرف سے پھیرا اور اپنے دائیں طرف کیا پھر آپ نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ نے چاہا پھر آپ لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے سو موذن نماز کی اطلاع کرنے کو آپ کے پاس آیا یعنی جماعت کا وقت ہو گیا ہے سو آپ اس کے ساتھ نماز کے واسطے کھڑے ہوئے سو آپ نے نماز پڑھی اور نیا وضو نہ کیا (سفیان کہتا ہے) کہ ہم نے عمرو سے

يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو إِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ إِنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَآءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ﴾.

پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کی آنکھ سو جاتی تھی اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا عمرو نے کہا کہ میں نے عبید سے سنا ہے کہتے تھے کہ نبیوں کی خواب وحی ہے یعنی وحی کی مانند ہے اثبات احکام میں پھر عبید نے اس کی تصدیق کے واسطے یہ آیت ﴿إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا تحقیق میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں یعنی عبید نے اس آیت سے دلیل پکڑی اس بات پر کہ پیغمبروں کی خواب وحی ہوتی ہے اس لیے کہ اگر وحی نہ ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کا ذبح کرنا جائز نہ ہوتا۔

فائدہ: اور حرام کام پر جرأت نہ کرتے اور اسماعیل علیہ السلام یہ نہ کہتے کہ جو تم کو حکم ہوا ہے۔

فائدہ ثانیہ: یہ حدیث کتاب الطہارت میں گزر چکی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکے کی نماز اور وضو صحیح ہے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وضو کر کے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت ﷺ نے اس کی نماز اور وضو کو جائز اور برقرار رکھا کہ اس کو اپنے بائیں سے دائیں کیا پس یہ حدیث اول مسئلہ باب سے مطابق ہے۔

٨١٣ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ قُوْمُوْا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيْرٍ لَّنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِثَ فَنَضَحْتُهُ بِمَآءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْيَتِيْمُ مَعِيَ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَآئِنَا فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ.

٨١٣۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی دادی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے کھانا تیار کر کے حضرت ﷺ کی دعوت کی سو آپ نے اس سے کھایا پھر فرمایا کہ کھڑے ہوتا کہ میں تم کو نماز پڑھاؤں سو میں اپنی ایک چٹائی کی طرف کھڑا ہوا جو زمانہ دراز مستعمل ہونے کے سبب سے بہت پرانی اور سیاہ ہو گئی تھی سو میں نے اس پر پانی چھڑکا یعنی تا کہ مٹی وغیرہ آلائش سے صاف ہو جائے یا نرم ہو جائے سو حضرت ﷺ نماز کے واسطے کھڑے ہوئے اور ایک یتیم لڑکا میرے ساتھ کھڑا ہوا اور ایک بڑھیا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی سو آپ نے ہم کو دو رکعت نفل نماز پڑھائی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے نابالغ کا جماعت میں حاضر ہونا جائز ہے اس لیے کہ یتیم اُس لڑکے کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو اور حضرت ﷺ نے اس پر انکار نہ کیا پس یہ حدیث باب کے اخیر مسئلے سے مطابق ہے اور اس حدیث

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلوں کی جماعت جائز ہے کما مر اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چٹائی پر نماز پڑھنی جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت مردوں کے ساتھ نہ کھڑی ہو ان کے پیچھے کھڑی ہو اس لیے کہ اس میں فتنے کا خوف ہے اور اگر مردوں کے ساتھ کھڑی ہو جائے تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی نماز درست ہو جاتی ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت مرد کے برابر کھڑی ہو تو اس کی نماز درست ہو جاتی ہے لیکن مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عورت تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے لیکن اگر مرد صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہے لیکن مکروہ ہے پس مناسب یہ ہے کہ اگر صف میں جگہ پائے تو وہاں کھڑا ہو جائے ورنہ ایک آدمی کو صف سے پیچھے کھینچ لے اور دونوں مل کر کھڑے ہوں اور سنن بیہقی میں ہے کہ ایک شخص نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھی سو حضرت ﷺ نے اس کو فرمایا کہ نماز کو دوہرا کر پڑھ سو یہ حدیث ضعیف ہے بر تقدیر صحت یہ امر استحباب کے واسطے ہے وجوب کے واسطے نہیں یعنی ایسی نماز کو دہرانا مستحب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکے کو مردوں کی صف میں کھڑا ہونا جائز ہے اور یہ کہ عورت لڑکے سے بھی پیچھے کھڑی ہو۔

٨١٤ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ أَتَانٍ وَّأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ.

٨١٤۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں گدھے پر سوار ہو کر آیا اور میں اُس دن بالغ ہونے کے نزدیک پہنچا تھا یعنی ابھی بالغ نہیں ہوا تھا اور حضرت ﷺ لوگوں کو منیٰ میں نماز پڑھا رہے تھے بغیر دیوار کے یعنی آپ کے آگے کوئی آڑ وغیرہ نہ تھی سو میں بعض صف کے آگے سے چلا گیا یعنی پوری صف کے آگے سے نہ گیا بلکہ نصف یا تہائی صف کے آگے تک گیا سو میں اترا اور گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور صف میں داخل ہوا اور مجھ پر کسی نے انکار نہ کیا نہ حضرت ﷺ نہ اصحاب نے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالغ لڑکے کا صف کے آگے سے گزرنا اور جماعت میں داخل ہونا بھی جائز ہے کہ حضرت ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس سے منع نہ کیا بلکہ اس کو برقرار رکھا پس یہ حدیث باب کے تیسرے مسئلے کے مطابق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکے کو مردوں کی صف میں کھڑے ہونا جائز ہے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت کم عمر تھے سو چھٹا مسئلہ باب کا بھی اس سے ثابت ہوا کہ اس نے وضو بھی کیا ہوگا اور پہلا مسئلہ بھی ثابت ہوا سو اس حدیث اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہوا

اور اس کے ساتھ کوئی لڑکا آ کر کر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اس کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا جس کی حدیث میں ممانعت آ چکی ہے مگر بعض حنبلی لوگ اس کو مطلق منع کرتے ہیں اور یہ حدیث حجت ہے ان پر۔

٨١٥ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَقَالَ عَيَّاشٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعِشَآءِ حَتّٰى نَادَاهُ عُمَرُ قَدْ نَامَ النِّسَآءُ وَالصِّبْيَانُ قَالَتْ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَّوْمَئِذٍ يُصَلِّيْ غَيْرَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ.

٨١٥۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ﷺ نے عشاء کی نماز میں بہت دیر کی یعنی آدھی یا تہائی رات گزر گئی یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو پکارا کہ عورتیں اور بچے سو گئے سو آپ ﷺ گھر سے تشریف لائے اور فرمایا کہ نہیں پڑھتا اس نماز کو زمین والوں سے تمہارے سوا کوئی اور اس دن سوائے مدینہ والوں کے کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا یعنی ابھی اسلام ملک میں پھیلا نہیں تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لڑکوں کا نماز اور جماعت میں شامل ہونا جائز ہے اس لیے کہ ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکے نماز کے لیے مسجد میں آئے ہوئے تھے ورنہ ان کے سونے اور نہ سونے سے کیا حرج تھا بلکہ اُن کے سونے میں فائدہ ہے اور جاگنے میں حرج ہے کہ ماں کا دل اس کی طرف لگا رہتا ہے اور رونے وغیرہ سے لوگوں کی نماز میں خلل آتا ہے پس اس صورت میں ان کے سونے کی شکایت کی کوئی وجہ نہیں اور پھر حضرت ﷺ نے بھی اس کو برقرار رکھا کسی کو منع نہیں کیا۔

٨١٦ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَهُ رَجُلٌ شَهِدْتَّ الْخُرُوْجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

٨١٦۔ حضرت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا اور ایک شخص نے اس کو سوال کیا کہ کیا تو عید گاہ کی طرف نکلنے کے وقت حضرت ﷺ کے ساتھ حاضر تھا یعنی جب کہ عورتیں حضرت ﷺ کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلیں تو کیا تو بھی اس وقت آپ کے ساتھ تھا ابن عباس رضی اللہ عنہما

وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَّتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تَهْوِي بِيَدِهَا إِلَى حَلْقِهَا تُلْقِي فِي ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ أَتَى هُوَ وَبِلَالٌ الْبَيْتَ.

نے کہا ہاں میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ حاضر تھا اور اگر میری جگہ لڑکپن سے نہ ہوتی تو میں حاضر نہ ہوتا یعنی اگر میں کم عمر نہ ہوتا تو حضرت ﷺ کے ساتھ عورتوں میں نہ جاتا کہ جوان کو عورتوں میں جانا منع ہے یا یہ معنی ہے کہ اگر میرا قرب اور قدر حضرت ﷺ کے پاس نہ ہوتا تو میں کم عمری سے حاضر نہ ہوتا یعنی آپ مجھ کو بہت عزیز جانتے تھے سو اس واسطے میں آپ کے ساتھ حاضر ہوا سو حضرت ﷺ اس نشان یا منارے کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے نزدیک تھا پھر آپ ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر عورتوں کے پاس آئے اور ان کو وعظ سنایا اور نصیحت کی اور خیرات کرنے کا حکم دیا سو عورتیں ہاتھوں سے انگوٹھیاں یا بالیاں اتار کر بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں پھینکنے لگیں پھر حضرت ﷺ اور بلال رضی اللہ عنہ گھر کو چلے آئے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکوں کو عید گاہ وغیرہ جماعت میں حاضر ہونا جائز ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ﷺ کے ساتھ عید گاہ میں حاضر ہوئے اور آپ نے اس پر انکار نہ کیا حالانکہ وہ اس وقت بالغ نہیں تھے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جب حضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما تیرہ یا چودہ برس کے تھے پس ان کل حدیثوں سے کل مسئلے باب کے ثابت ہوئے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ ہر ایک ایک حدیث سے کل مسئلے باب کے ثابت ہوں بلکہ اگر ایک حدیث سے ایک مسئلہ ثابت ہو اور دوسری حدیث سے دوسرا مسئلہ ثابت ہو یہاں تک کہ کل حدیثوں سے کل مسئلے ثابت ہو جائیں تو جب بھی مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ.

رات کے وقت اور صبح کے اندھیرے میں عورتوں کو نماز کے لیے مسجد میں جانا جائز ہے۔

٨١٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

٨١٧۔ ترجمہ اس حدیث عائشہ کا اوپر گزر چکا ہے۔ اس میں اتنا زیادہ ہے کہ مدینہ کے سوا اور کسی جگہ نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اور لوگ سورج کی سرخی ڈوبنے سے لے کر تہائی رات تک عشاء پڑھا کرتے تھے۔

بِالْعَتَمَةِ حَتّٰی نَادَاہُ عُمَرُ نَامَ النِّسَآءُ وَالصِّبْیَانُ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا یَنْتَظِرُھَا اَحَدٌ غَیْرُکُمْ مِّنْ اَھْلِ الْاَرْضِ وَلَا یُصَلّٰی یَوْمَئِذٍ اِلَّا بِالْمَدِیْنَةِ وَکَانُوْا یُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِیْمَا بَیْنَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّفَقُ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ الْاَوَّلِ.

فائدہ: تہائی رات تک عشاء کو تاخیر کر کے پڑھنا مختار ہے اور طلوع صبح صادق تک دیر کرنی جائز ہے۔

۸۱۸ ۔ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ مُوْسٰی عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَأْذَنَکُمْ نِسَاؤُکُمْ بِاللَّیْلِ اِلَی الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوْا لَھُنَّ تَابَعَهٗ شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

۸۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں نماز کے واسطے جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو اذن دے دو۔

فائدہ: اس حدیث میں رات کی قید اس واسطے لگائی ہے کہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو بغیر اذن خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ورنہ ان کو اذن دینے کا حکم کرنا بے فائدہ ہے اور نیز مردوں کا عورتوں کو منع کرنا امر ثابت ہے پس مسجدوں کے سوا اور جگہ جانا جائز نہیں ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو مسجد میں نماز کے لیے جانے کا اذن دینا واجب نہیں اس لیے کہ اگر واجب ہوتا تو پھر اذن لینے کے کوئی معنی نہ تھے کیونکہ اذن چاہنا اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب کہ اذن دینے والا قبول اور رد کا اختیار رکھتا ہو لیکن یہ اسی وقت جائز ہے جب کہ کسی فتنے کا خوف نہ ہو نہ وہ خود فتنہ انگیزی کریں اور نہ ان کو فتنے میں ڈالیں۔

۸۱۹ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ عَنِ الزُّھْرِیِّ قَالَ حَدَّثَتْنِیْ ھِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْھَا اَنَّ النِّسَآءَ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

۸۱۹۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب عورتیں فرضوں سے سلام پھیرتیں تو اسی وقت اٹھ کھڑی ہوتیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مرد بیٹھے رہتے جتنا کہ اللہ چاہتا سو جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو مرد بھی اٹھ کھڑے ہوتے۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَآءَ اللّٰهُ فَإِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ.

فائدہ: یہ حدیث صفۃ الصلوۃ کے آخر میں پہلے گزر چکی ہے۔

٨٢٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَآءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ.

٨٢٠۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے سو عورتیں گھروں کو پلٹ جاتیں اس حالت میں کہ اپنی چادروں سے بدن کو لپیٹنے والی ہوتیں اندھیرے کے سبب سے ان کو کوئی نہ پہچانتا۔

فائدہ: یہ حدیث مواقیت الصلوۃ میں پہلے گزر چکی ہے۔

٨٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَأَقُوْمُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا فَأَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهِ.

٨٢١۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں پھر سنتا ہوں لڑکے کا رونا تو اپنی نماز میں تخفیف کرتا ہوں واسطے ناگوار جاننے اس بات کو کہ اس کی ماں پر مشکل ڈالوں یعنی اس واسطے کہ بچے کا رونا ماں پر شاق گزرے اور اس کو رنج ہو۔

فائدہ: یہ حدیث ابواب الامامۃ میں پہلے گزر چکی ہے۔

٨٢٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ

٨٢٢۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو پاتے جس کو عورتوں نے اب پیدا کیا ہے یعنی زینت

عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَوْ أَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ قُلْتُ لِعَمْرَةَ أَوَمُنِعْنَ قَالَتْ نَعَمْ.

وغیرہ کر کے مسجد میں آنا یا کوئی اور خرابی غیر معتد بہ تو البتہ ان کو مسجد میں آنے سے منع کرتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنا منع ہوا میں نے عمرہ کو کہا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنا منع ہو گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو رات کے وقت نماز کے لیے مسجد میں جانا جائز ہے اور یہ کہ اگر عورت رات کو نماز کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو خاوند کو مناسب ہے کہ اس کو اجازت دے دے اور یہی مذہب ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجدوں میں جاتی تھیں ویسے ہی اب بھی ان کو مسجدوں میں آنا جائز ہے بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عورتوں کو اجازت دینے کی حدیث بیان کی تو ان کے بیٹے نے کہا کہ البتہ ہم تو ان کو منع کریں گے تاکہ کوئی فساد پیدا نہ کریں تب عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے پر نہایت غصے ہوئے اور کہا کہ میں تجھ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں اپنی رائے پیش کرتا ہے ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس غصے کے سبب سے اپنے بیٹے کے ساتھ کلام کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گئے یعنی اخیر دم تک اس سے کلام نہ کی اور یہی ہے مذہب امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا کہ عورتیں نماز کے لیے مسجد میں جائیں مگر کہتے ہیں کہ جوان عورتیں نہ جائیں بڑھیا عورتیں جائیں اور امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ عیدوں میں عورتوں کا باہر نکالنا مستحب ہے مگر خوبصورت ہوں تو نہ نکلیں اور بعض کہتے ہیں کہ عورتوں کو عیدگاہ وغیرہ میں نکلنا مطلق منع ہے یعنی خواہ عورت جوان ہو خواہ بوڑھی ہو اور یہی ہے مذہب ابن مسعود اور عروہ اور قاسم وغیرہ تابعین اور حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جوان عورتوں کو مسجد میں آنا منع ہے اور بوڑھی عورتوں کو آنا جائز ہے لیکن صرف مغرب اور عشاء اور فجر میں یعنی ظہر اور عصر میں بوڑھی عورت کو بھی مسجد میں آنا منع ہے اور یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ علیہ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بوڑھی عورتوں کو ہر نماز کے لیے مسجد میں جانا جائز ہے کہ اس کو مرد سے رغبت کم ہوتی ہے پس اس میں فتنے کا خوف نہیں اور متاخرین حنفیہ کا فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانا مطلق منع ہے خواہ جوان ہوں خواہ بوڑھی ہوں اور خواہ رات کی نماز ہو خواہ دن کی نماز نہ ہو سو جو لوگ مطلق منع کرتے ہیں ان کی سند عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے جو اس باب میں مذکور ہو چکا ہے کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب عورتوں کا حال دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے منع کر دیتے سو جواب اس کا یہ ہے جو کہ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے فتح الباری میں دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے پہلا حکم بدل نہیں سکتا ہے اس لیے کہ اُس نے اس کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جو پائی نہیں گئی اس

بنا پر جو اُس نے اپنے ظن سے کہا کہ اگر حضرت ﷺ اس معاملے کو دیکھتے تو منع کرتے سو کہا جائے گا کہ نہ آپ نے اس کو دیکھا اور نہ منع کیا اور جب شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی نہ پایا گیا پس سابق حکم بحال رہے گا اور عورتوں کا نکلنا ہر حال میں جائز ہوگا اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا نے صریحاً منع نہیں کیا اگر چہ ان کی کلام سے اشارۃً ممانعت سمجھی جاتی ہے اور نیز اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عورتیں بعد آپ کے یہ فتنے پیدا کریں گی پھر باوجود اس کے اللہ نے اپنے نبی پر عورتوں کے منع کرنے کا حکم نہ بھیجا اور نہ اس باب میں آپ کو وحی ہوئی اور نیز جو کچھ انہوں نے پیدا کیا تھا اگر وہ ان کے منع کرنے کو مستلزم ہوتا تو بازار وغیرہ میں ان کو جانا بطریق اولیٰ منع ہو جاتا اور نیز یہ خرابی بعض عورتوں سے پیدا ہوئی تھی نہ کل سے سو اگر فرضاً منع کیا جائے تو صرف اسی کو منع کیا جائے گا جس نے یہ خرابی پیدا کی نہ سب عورتوں کو انتہی۔ اور نیز احتمال ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس چیز کو سبب منع کا سمجھا ہو وہ درحقیقت سبب منع کا نہ ہو یا حضرت ﷺ اس کو سبب منع کا نہ ٹھہراتے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے سمجھا لیکن یہ سبب اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں احداث سے کوئی خرابی ادنیٰ مراد ہو جو منع کا سبب نہ بن سکے اور اگر احداث سے مراد زینت وغیرہ رکھی جائے تو پھر ان جوانوں کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ اس وقت یہ منع اس حدیث کے تحت میں داخل ہوگی جس میں خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ممانعت آئی ہے پس معلوم ہوا کہ عورتوں کا مسجد میں آنا جائز ہے اور جو لوگ جوان اور بوڑھی عورت میں فرق کرتے ہیں تو ان کا جواب یہ ہے کہ فتنے کا خوف صرف اسی کی طرف سے ہے سو اگر وہ خوب پردہ کر کے آئے اور زینت وغیرہ سے خالی ہو تو جوان عورت پر بھی کوئی خوف نہیں خاص کر رات کو تو بالکل اس بات سے امن ہوتا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ظاہر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع نہ کیا جائے لیکن اس واسطے کئی شرطیں ہیں جو اور حدیثوں سے سمجھی جاتی ہیں وہ یہ ہیں کہ خوشبو نہ لگائے اور زینت نہ کرے اور پاؤں میں پازیب نہ ڈالے جس کی آواز سنی جائے اور عمدہ کپڑا نہ پہنے اور نہ مردوں کے ساتھ ملے اور نہ جوان ہو کہ اس میں فتنے کا خوف ہے اور راہ میں کوئی مفسد بدمعاش نہ رہتا ہو سو اگر یہ سب شرطیں پائی جائیں اور عورتوں کا کوئی خاوند یا مالک بھی ہو تو اس کو منع کرنا مکروہ ہے اور اگر اس کا کوئی خاوند یا مالک نہ ہو تو اس کو منع کرنا حرام ہے انتہی۔ سو خلاصہ کلام اس مقام میں یہ ہے کہ بنا اس مسئلے کی خوف فتنے اور عدم خوف پر ہے جیسا کہ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے جن میں حضرت ﷺ نے عورتوں کو خوشبو مل کے اور زینت کر کے مسجد میں جانے سے منع کیا ہے کہ اس میں فتنے کا خوف ہے اور اسی طرح ان کے نکلنے کو رات کے ساتھ قید کرنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں یہ سب حدیثیں موجود ہیں اور ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ جو زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو عورت مسجد میں آنا چاہے وہ خوشبو کو نہ چھوئے سو جس چیز سے فتنے کا خوف ہو اس سے پرہیز کیا جائے اور جس عورت سے فتنے کا خوف ہو یعنی زینت وغیرہ اسباب منع کی مرتکب ہو یا راہ میں کوئی

ایسی چیز ہو جو خواہ مخواہ جبرا اس کو فتنے میں ڈالے تو اس کو مسجد میں آنا ہرگز جائز نہیں اور جس پر کسی وجہ سے فتنے کا خوف نہ ہو اس کو مسجد میں جانا جائز ہے اور بعض نے کہا کہ ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت عمدہ نفیس کپڑے اور زیور وغیرہ پہن کر مسجد میں جانا منع ہے اس لیے کہ سبب منع کا تحریک اس چیز کی ہے جو شہوت انگیزی کا باعث ہو سو وہ سبب ان سب میں پایا جاتا ہے لیکن ابوداؤد وغیرہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو اور گھر میں نماز پڑھنی ان کے واسطے بہتر ہے اور احمد اور طبرانی نے ام حمید رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو اچھا سمجھتی ہوں آپ نے فرمایا گھر میں نماز پڑھنی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے پس اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں فتنے کا بالکل خوف نہیں مگر یہ افضلیت اس جواز کے مخالف نہیں اور یہ جو فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں میں جانا منع ہو گیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے لکڑیوں کی کھڑائیں (جوتیاں) بنا رکھی تھیں جب مسجدوں میں آتی تو ان کو پاؤں میں پہن لیتیں تاکہ مردوں سے لمبی نظر آئیں اللہ نے ان پر حیض ڈال دیا اور مسجدوں میں آنا ان پر حرام کر دیا **کذا اخرجه عبدالرزاق عن عائشه وابن مسعود موقوفا** لیکن یہ حدیث مرفوع ہے کہ ایسے امر میں قیاس کو کچھ دخل نہیں انتہی ملخصا (فتح الباری) اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عورتوں کو رات میں نکلنا جائز ہے دن میں جائز نہیں ان کے نزدیک مطلق حدیثیں اس بات کی مقید پر محمول ہیں یعنی ان سے بھی رات ہی مراد ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ صَلَاةِ النِّسَآءِ خَلْفَ الرِّجَالِ.

جماعت میں عورتیں مردوں سے پیچھے کھڑی ہوں۔

۸۲۳ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَآءُ حِيْنَ يَقْضِيْ تَسْلِيْمَهٗ وَيَمْكُثُ هُوَ فِيْ مَقَامِهٖ يَسِيْرًا قَبْلَ أَنْ يَّقُوْمَ قَالَ نَرٰى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَآءُ قَبْلَ أَنْ يُّدْرِكَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الرِّجَالِ.

۸۲۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیر کر تمام کرتے تو عورتیں اس وقت اٹھ کھڑی ہوتیں اور آپ اپنے مصلے پر تھوڑی دیر ٹھہرے رہتے کھڑے نہ ہوتے۔ زہری نے کہا میں گمان کرتا ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ کا ٹھہرنا اس واسطے تھا کہ عورتیں پہلے پلٹ جائیں کوئی مردان کو نہ پا سکے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت میں عورتیں مردوں سے پیچھے کھڑی ہوں اس لیے کہ ظاہر اس حدیث

سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مردوں کے پیچھے صف باندھتی تھیں اور مردوں کو ان کے پلٹ جانے سے اطلاع نہ ہوتی تھی اور اگر ان کی صف مردوں کے آگے ہوتی تو پلٹنے کے وقت ان کو مردوں کی گردنوں پر سے گزرنا پڑتا اور یہ منع ہے اور نیز اس صورت میں مردوں کا عورتوں کو پانا اور ملنا لازم آتا ہے جس کا راہ میں خوف تھا حالانکہ اس حدیث میں صاف موجود ہے کہ مرد عورتوں کو نہیں پا سکتے تھے، هٰذَا خَلَفٌ۔ پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی۔

٨٢٤ ۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ فَقُمْتُ وَيَتِيْمٌ خَلْفَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا.

۸۲۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کے گھر میں نماز پڑھی سو میں اور ایک یتیم لڑکا آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے اس لیے کہ ام سلیم ان دونوں سے پیچھے کھڑی ہوئی اور بیان اس حدیث کا اوپر گزر چکا ہے۔

بَابُ سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَآءِ مِنَ الصُّبْحِ وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ.

فجر کی نماز کے بعد عورتوں کے جلدی پلٹ جانے اور مسجد میں نہ ٹھہرنے کا بیان یعنی عورتوں کو چاہیے کہ نماز فجر کے بعد گھروں کو جلدی پلٹ جائیں اور مسجد میں نہ ٹھہریں کہ مرد ان کو پہچان لیں۔

فائدہ: فجر کی نماز کو اس واسطے خاص کیا کہ اس میں طول قرأت کے سبب سے بہت روشنی ہو جاتی تھی کہ ایک دوسرے کو پہچان لیتا تھا اس واسطے مناسب ہوا کہ اس میں جلدی پلٹ جائیں اور عشاء میں یہ حکم نہیں کہ اس میں ٹھہرنے سے زیادہ اندھیرا ہوتا ہے پس اس وقت مسجد میں ٹھہرنا کچھ نقصان نہیں دیتا۔

٨٢٥ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ بِغَلَسٍ فَيَنْصَرِفْنَ نِسَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُعْرَفْنَ مِنَ

۸۲۵۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے سو مسلمان عورتیں گھروں کو پلٹ جاتیں اندھیرے کے سبب سے ان کو کوئی نہ پہچانتا یا وہ خود ایک دوسری کو نہ پہچانتیں۔

الْغَلَسِ أَوْ لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کو عورتیں گھروں کی طرف جلدی پلٹ جاتی تھیں بعد سلام کے مطلق کچھ دیر نہ کرتیں ورنہ باوجود طول قرأت کے ایسا اندھیرا باقی نہ رہتا بلکہ بہت روشنی ہو جاتی کہ ان کو ہر کوئی پہچانتا پس یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ اِسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوْجِ إِلَى الْمَسْجِدِ.

عورت کا اپنے خاوند سے مسجد میں جانے کے لیے اجازت طلب کرنا۔

فائدہ: مراد اس باب سے یہ ہے کہ عورت کو نماز کے لیے مسجد میں جانا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اسی وقت جائز ہے جب کہ خاوند اس کو اجازت دے اور اگر خاوند اس کو اجازت نہ دے تو اس کو مسجد میں جانا جائز نہیں۔

٨٢٦ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَتْ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا.

٨٢٦۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی سے اس کی بیوی مسجد میں نماز کے واسطے جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع نہ کرے۔

فائدہ: اس حدیث میں مطلق نکلنے کا ذکر ہے لیکن دوسرے طریق میں اس حدیث کے یہ لفظ آ گیا ہے کہ جب مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو منع نہ کرے اور وجہ استدلال کی اس حدیث سے اس مسئلے پر اوپر گزر چکی ہے کہ خاوند کا عورت کو باہر نکلنے سے منع کرنا امر ثابت ہو چکا ہے اور اس حدیث میں نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے پس مسجد میں جانا اس کی اجازت پر موقوف ہے اور اسی طرح عیدین اور جنازے اور بیمار پرسی اور زیارۃ ابوین (یعنی والدین) وغیرہ کے واسطے بھی اس کو اجازت لے کر جانا جائز ہے۔

❀......❀......❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كِتَابُ الْجُمُعَةِ یہ کتاب ہے جمعہ کی نماز کے بیان میں اور جو اس کو لازم ہے۔

فائدہ: جمعہ کے میم پر پیش اور جزم دونوں جائز ہیں اور بعض قاریوں کے نزدیک ان پر زیر اور زبر پڑھنی بھی جائز ہے اور کرمانی نے لکھا ہے کہ جزم میم کے ساتھ اس کا معنی مفعول کا ہے کہ اس دن میں جمع کیا گیا ہے اور پیش اور زبر کے ساتھ معنی فاعل ہے یعنی یہ دن لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اور ت اس میں مبالغہ کی ہے اور جاہلیت کے زمانے میں یعنی حضرت ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے جمعہ کا نام عروبہ تھا بلکہ ہفتے کے تمام دنوں کے اور نام تھے چنانچہ سنیچر کا نام شبار تھا اور اتوار کا نام اول تھا اور پیر کا نام ہون تھا اور منگل کا نام جبار تھا اور بدھ کا نام دبار تھا اور جمعرات کا نام مونس تھا اور جمعہ کا نام عروبہ تھا پھر بعد اس کے اسلام میں سب دنوں کے نام بدل کر رکھے گئے اور جمعہ کا نام جمعہ اس واسطے رکھا گیا کہ آدم علیہ السلام کی خاک اس دن میں جمع کی گئی یا اس واسطے کہ آدم علیہ السلام کا زمین پر گرنا اور قیامت کا قائم ہونا وغیرہ بڑے بڑے کام اس میں جمع ہوئے ہیں اور یا اس واسطے کہ کعب بن لوئی جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کو اس دن میں جمع کیا کرتا تھا اور ان کو خانہ کعبہ کی تعظیم کا حکم کرتا اور خبر دیتا کہ کعبے سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے یا اس واسطے کہ اس دن میں لوگ نماز کے واسطے جمع ہوتے ہیں اور یا اس واسطے کہ اسلام میں جو سب سے پہلے جمعہ پڑھا گیا سو مدینہ میں پڑھا گیا کہ حضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار ایک بار اس دن میں جمع ہوئے اور اسعد بن زرارہ نے ان کو جمعہ پڑھایا سو لوگوں نے اس کا نام جمعہ رکھ دیا کہ اس دن میں جمع ہوئے تھے لیکن صحیح بات پہلی ہے کذا ذکرہ الشیخ فی الفتح اور ابن قیم نے ہدیٰ میں جمعہ کی بتیس خاصیتیں بیان کی ہیں بعض اُن میں سے یہ ہیں کہ جمعہ کے دن کا عید ہونا اور اس میں تنہا روزے کا منع ہونا اور یہ کہ اس دن صبح کی نماز میں سورۂ الم تنزیل اور هل اتی علی الانسان پڑھنا اور جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور منافقون کا پڑھنا اور اس دن غسل کرنا اور مسواک کرنا اور خوشبو لگانا اور عمدہ کپڑے پہننا اور مسجد میں خوشبو کا پھیلانا اور اس کی نماز کے واسطے اول وقت جانا اور خطیب کے آنے تک عبادت میں مشغول رہنا اور خطبے کا پڑھنا اور اس کو خاموش ہو کر سننا اور اس میں سورہ کہف پڑھنا اور اس دن میں عین دوپہر کے وقت نفلوں کا منع نہ ہونا اور جمعہ کی نماز سے پہلے سفر کا منع ہونا اور جو آدمی جمعہ کے واسطے چل کر جائے اس کو ایک ایک قدم کے بدلے برس برس کی عبادت کا ثواب ہونا اور دوزخ کا اس دن میں نہ

بھڑکایا جانا اور اس میں ایک گھڑی قبولیت کا ہونا کہ اس میں جو دعا کرے قبول ہو جاتی ہے سوائے حرام کے اور اس کا گناہوں کے واسطے کفارہ ہونا اور اس کا یوم المزید والشاھد والمؤخر اس امت کے واسطے ہونا اور ہفتے کے سب دنوں میں اس کا بہتر ہونا اور اس میں روحوں کا جمع ہونا بشرطیکہ اس کی حدیث صحت کو پہنچے اور اس کے سوا اور بھی اس کی خاصیتیں ہیں جو تلاش کرنے پر موقوف ہیں۔

بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾.

جمعہ کی نماز کے فرض ہونے کا بیان واسطے دلیل اس آیت کے جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو چلو یاد کو اور چھوڑ دو بیچنا یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے کہ آخرت کا نفع بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ فاسعوا کا معنی فامضوا ہے یعنی چلو طرف جمعہ کی یعنی سعی کا معنی یہاں دوڑنے اور جلدی چلنے کا نہیں بلکہ مطلق چلنے کا معنی ہے بخلاف اس حدیث کے جو پہلے گزر چکی ہے فلا تاتوھا تسعون یعنی نماز کی طرف دوڑ کر نہ آؤ اس میں سعی کا معنی دوڑنے کا ہے پس یہ حدیث اس آیت کی معارض نہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اس پر کہ جمعہ کی نماز فرض ہے اس لیے کہ اس میں نماز جمعہ کی طرف چلنے کا حکم ہوا ہے پس جمعہ کی طرف چلنا فرض ہوا اور چلنا اسی چیز کی طرف فرض ہوتا ہے جو خود فرض ہو پس جمعہ کا فرض ہونا اس سے ثابت ہوا اور بعض نے کہا کہ اس کے واسطے اذان دینے کا حکم وارد ہوا ہے اور اذان دینا فرضوں کا خاصہ ہے اور اسی طرح خرید وفروخت سے منع کرنا بھی اس کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ مباح چیزوں سے نہی تحریمی کا واقع ہونا ممکن نہیں مگر جب کہ فرض کا ترک لازم آئے پس جمعہ کا فرض ہونا اس آیت سے ثابت ہوا اور بخاری سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے جمعہ کے فرض ہونے پر دلیل پکڑی ہے اور اسی طرح حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو ابھی آتی ہے پھر کہا کہ کتاب اور سنت دونوں دلالت کرتے ہیں اس پر کہ جمعہ کی نماز فرض ہے اور نیز کہا کہ اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ جمعہ اس دن کو کہتے ہیں جو سنیچر اور جمعرات کے درمیان ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ مکے میں فرض ہوا یا مدینہ میں فرض ہوا سو اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ مدینے میں فرض ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ مکے میں فرض ہوا لیکن صحیح بات پہلی ہے کہ مدینے میں فرض ہوا اس لیے کہ فرضیت اس کی اس آیت مذکورہ سے ثابت ہوئی ہے کما مر اور یہ آیت بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے اور مراد اللہ کے ذکر سے اس آیت میں امام کی وعظ ہے اور خطبہ یا نماز یا دونوں مراد ہیں پس چلو طرف نماز اور خطبے کی اور اذان سے مراد دوسری اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے کہ اصل اذان یہی ہے اور پہلی اذان عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت سے شروع ہوئی۔

٨٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا

٨٢٧۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ مَوْلٰى رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ الْيَهُوْدُ غَدًا وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ.

نے فرمایا کہ ہم دنیا میں سب امتوں سے پیچھے پیدا ہوئے اور قیامت میں سب سے آگے ہوں گے یعنی ہمارا حشر سب سے پہلے ہوگا اور حساب بھی سب سے پہلے ہوگا اور فیصلہ بھی پہلے ہوگا اور بہشت میں بھی ہم پہلے جائیں گے صرف اتنا فرق ہے کہ اگلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے ملی یعنی تورات انجیل پھر یہ دن جمعہ کا وہ دن ہے جس کو اللہ نے ان پر فرض کیا یعنی اس کی تعظیم ان پر فرض ہوئی سو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ سو وہ لوگ اس دن میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن یعنی سنیچر کا دن اختیار کیا اور نصاریٰ نے اس دن سے پچھلا دن یعنی اتوار اختیار کیا۔

فائدہ: یعنی جب ان کو حکم ہوا کہ ہفتے سے کوئی دن عبادت کے واسطے مقرر کرلو تو کسی نے کوئی دن معین کرنے کو کہا اور کسی نے کوئی دن مقرر کرنے کا مشورہ دیا اور جمعہ کے دن کا کسی کو خیال نہ آیا یا یہ کہ خاص جمعہ کا دن مقرر کرنے کا ان کو حکم ہوا تھا لیکن انہوں نے اختلاف کیا اس بات میں کہ جمعہ کا دن خاص کر کے لازم کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کو سنیچر وغیرہ کے دن سے بدلنا جائز ہے سو انہوں نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کی پس اس کو سنیچر سے بدل دیا کہنے لگے کہ اس میں اللہ تعالیٰ دنیا کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا سو ہم کو بھی مناسب ہے کہ اس دن میں ہم دنیا کے کاروبار سے فارغ ہوکر اللہ کی عبادت کریں اور اس دن کی تعظیم کریں اور نصاریٰ نے کہا کہ اتوار کے دن اللہ نے دنیا کی پیدائش کی ابتدا کی پس یہ دن مبدأ کمال کا ہے کہ سب نعمتوں کو شامل ہے پس اس دن کی تعظیم کرنی چاہیے اور اس میں اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔ یا اختلاف کا معنی انکار کا ہے یعنی انہوں نے جمعہ کے دن سے انکار کیا اور امر الٰہی کی مخالفت کی کہ اس کو اتوار یا سنیچر سے بدل دیا جیسا کہ حطة کو حنطة سے بدل دیا تھا بہر حال انہوں نے جمعہ کو سنیچر یا اتوار کے دن سے بدل دیا اور حق بات سے گمراہ ہوئے سو اللہ نے ہم کو اس کی طرف راہ دکھلائی یعنی ہمارے واسطے جمعہ کا دن نص سے مقرر کیا یا اجتہاد سے ہم کو اس کی طرف ہدایت کی جیسا کہ عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ مدینے کے لوگ جمعہ فرض ہونے اور ہجرت سے پہلے ایک بار جمع ہوئے سو انصار نے کہا کہ یہود کے واسطے ایک دن مقرر ہے کہ وہ ہر ہفتہ اس میں جمع ہوتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ کے واسطے بھی ایک دن مقرر ہے کہ وہ ہر ہفتہ اس میں جمع ہوکر عبادت کرتے ہیں سو ہم کو بھی کوئی دن مقرر کرنا چاہیے کہ جس میں ہم جمع ہوکر اللہ کی عبادت کیا کریں اور اس کا شکر کیا کریں سو انہوں نے اس جمعہ کے دن کو مقرر کیا سو اللہ نے ان کے اجتہاد کے موافق

یہ آیت اتاری ﴿اذا نودی للصلوۃ﴾ الخ اور جمعہ کی نماز کو فرض کیا پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ نے جمعہ کے دن کو اپنے اجتہاد سے مقرر کیا تھا پھر اسی کی ہدایت ہوئی کہ اس کے موافق حکم اترا تو وہ یہی لوگ اس دن میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن یعنی سنیچر کا دن اختیار کیا اور نصاریٰ نے اس سے پچھلا دن اختیار کیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز فرض ہے اس لیے کہ اصل کلام اس طور سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو ان پر فرض کیا اور ہم پر بھی فرض کیا سو وہ اس سے بہکے اور ہم نے اس کی طرف راہ پائی اور فرض کا معنی اگرچہ مقدر کرنے کا بھی آتا ہے لیکن یہاں مراد لازم کر دینا ہے اس لیے کہ یہ مشتمل ہے اس پر کہ اہل کتاب نے اس کی تعیین سے منہ پھیرا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ فرض عین ہے ہر شخص پر لازم ہے فرض کفایہ نہیں اس لیے کہ اس حدیث میں مطلق فرض ہونے کا ذکر ہے اور نیز فهدانا الله له کا عموم بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ حکمت جمعہ کے دن کے اختیار کرنے میں یہ ہے کہ اللہ نے اس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انسان صرف عبادت ہی کے واسطے پیدا ہوا ہے سو مناسب ہوا کہ اس دن عبادت میں مشغول ہو اور یہ جو فرمایا کہ وہ لوگ اس دن میں ہمارے تابع ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو اللہ نے ہدایت کی سو ہم نے اس فرض کو اپنے وقت میں ادا کیا یعنی جمعہ کے دن میں بخلاف یہود و نصاریٰ کے کہ انہوں نے اس فرض کو غیر وقت میں ادا کیا یعنی جمعہ کی عبادت کو شنبے اور یک شنبے میں ادا کیا سو ہم ان سے مقدم ہو گئے سو ان کا ہمارے تابع ہونا باعتبار بزرگی اور قبول عبادت سے ہے کہ ہماری عبادت قبول ہوئی اور وہ اس سے محروم رہے اور بعض نے کہا کہ اگر ان تین دنوں یعنی جمعہ اور شنبے اور یک شنبے کا علی سبیل التوالی اور پے در پے آنے کے جمع ہونا فرض کیا جائے تو ہر حال میں جمعہ پہلے آئے گا پس یہی معنی ہے ان کے تابع ہونے کا کہ ان کی عبادت کے دن ہم سے پیچھے ہیں اور یا اس کا یہ معنی ہے کہ شرع میں جمعہ سب دنوں سے مقدم ہے یعنی تمام ہفتے کے دنوں کی گنتی اس دن سے شروع کرنی چاہیے اگرچہ لوگوں میں اس کے برخلاف مروج ہے کہ وہ ہر ہفتے کی گنتی سنیچر سے شروع کرتے ہیں پس اس شرعی حساب سے شنبہ اور یک شنبہ جمعہ سے پیچھے آئیں گے پس یہی معنی ہے ان کے تابع ہونے کا اور بعض طریقوں میں اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ لفظ زیادہ ہے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے اور ہم کو ان سے پیچھے ملی سو یہ کلام اگرچہ بحسب ظاہر مدح کے مقام میں معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت ذم کے مقام میں واقع ہوئی ہے اس لیے کہ جو کتاب پیچھے آئے وہ پہلی کتاب کی ناسخ ہوتی ہے اور اس حدیث سے اور بھی کوئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ امت محمدی کو اگلی سب امتوں پر فضیلت ہے زادها الله شرفا اور ایک یہ کہ ہدایت اور گمراہی سب اللہ کی طرف سے ہے اور یہی ہے مذہب تمام اہل سنت کا اور یہ کہ اجماع کا خطا سے سلامت رہنا اسی امت کے ساتھ خاص ہے اور یہ کہ نص کے موجود ہونے کے وقت قیاس کرنا باطل ہے اور یہ کہ جمعہ شرعا سب دنوں سے اول ہے پس ابتدا گنتی ہفتے کی اس سے کرنی چاہیے۔

بَابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُوْدُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَآءِ.

جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت کا بیان اور نابالغ لڑکے اور عورتوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں۔

فائدہ: ظاہر اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت اور مستحب ہے لیکن علماء کو اس مسئلے میں اختلاف ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل ظواہر وغیرہ ایک جماعت سلف کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء پہلوں اور پچھلوں اور فقہاء تمام شہروں کا یہ مذہب ہے کہ جمعہ کے دن نہانا مستحب ہے واجب نہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مشہور قول یہی ہے اور خطابی وغیرہ نے کہا کہ اجماع ہو چکا ہے کہ جمعہ کی نماز بغیر غسل کے جائز ہے سو جو لوگ اس کو واجب کہتے ہیں ان کی دلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو سعید رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیثیں ہیں جو ابھی اس باب میں آتی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اس لیے کہ ان میں غسل کرنے کے ساتھ امر وارد ہوا ہے اور امر واسطے وجوب کے ہوتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک امر علیحدہ واجب ہے نماز کی شرط نہیں کہ بغیر اس کے صحیح نہ ہو اور جمہور کی دلیل کئی حدیثیں ہیں پہلی حدیث عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے جو ابھی اس باب میں آئے گی اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے غسل کو ترک کیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حاضرین جمعہ نے اس پر انکار نہ کیا بلکہ اس کو برقرار رکھا سو اگر واجب ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو ترک نہ کرتے اور اگر واجب ہوتا تو حاضرین اصحاب اس پر انکار کرتے اور اس کو الزام دیتے اور ایک دلیل جمہور کی یہ حدیث ہے کہ جو ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن جس نے وضو کیا تو اس نے خصلت طہارت کے ساتھ عمل کیا اور خوب کیا اور اگر کوئی غسل کرے تو غسل افضل ہے اور ایک دلیل ان کی یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم جمعہ کے دن غسل کرتے تو افضل ہوتا اور ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ ابوداؤد اور طحاوی وغیرہ میں روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے یا نہیں اس نے کہا واجب نہیں لیکن میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ ابتدا غسل جمعہ کی کس وجہ سے ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ تمام دن لوگ محنت مزدوری کرتے تھے اور پشم کے موٹے کمبل پہنے ہوتے اور مسجد اس وقت نہایت تنگ تھی سو جب گرمی میں جمعہ کے واسطے مسجد میں جمع ہوتے اور پسینہ چھوٹتا تو کمبلوں سے بدبو نکلتی اور لوگوں کو اس بدبو سے نہایت تکلیف پہنچتی اس واسطے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ جان کر اس دن غسل کرنے کا حکم دیا سو جب بعد اس کے اللہ نے لوگوں کو بہت مال دیا اور لوگ غنی ہو گئے تو بہت عمدہ عمدہ کپڑے پہننے لگے اور مسجدیں بھی بہت فراخ اور وسیع ہو گئیں انتہیٰ۔ پس یہ حدیث صریح ہے اس بات میں کہ مقصود

غسل کرنے سے یہ ہے کہ پسینے وغیرہ کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے پس معلوم ہوا کہ وجوب شرعی مراد نہیں اور ان کے سوا جمہور علماء کی اور بھی کئی دلیلیں ہیں جو فتح الباری میں مذکور ہیں پس ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں مستحب ہے اور جن حدیثوں سے اس کا واجب ہونا نکلتا ہے سو جمہور علماء ان کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان میں غسل کرنے کا امر جو واقع ہوا ہے تو وہ امر استحباب پر محمول ہے وجوب کے واسطے وہ امر نہیں یعنی مراد اس سے غسل کا مستحب ہونا ہے واسطے دلیل ان حدیثوں کے جو مذکورہ ہو چکی ہیں پس اس سے سب حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ ہر بالغ جوان پر غسل واجب ہے تو وجوب سے مراد وہ وجوب نہیں جس کے ترک پر عذاب ہو بلکہ مراد اس سے تاکید ہے یعنی ثابت ہے یا نہایت بہتر ہے جیسے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے یعنی مؤکد ہے لیکن شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں جمہور کی سب دلیلوں کو نقل کر کے سب کا جواب دے دیا ہے سو پہلی حدیث عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبے کو ترک کرنا اور عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل الشان کو اتنی خلقت میں جھڑکنا اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اس واسطے کہ اگر غسل مستحب ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کر جو غسل نہ کیا تو شاید اس واسطے نہ کیا کہ وقت تنگ تھا یا صبح کو غسل کر لیا ہوا تھا پس یہ وجوب پر دلالت کرے گا نہ استحباب پر اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیا کہ اس کے سب طریقے ضعیف ہیں پس صحیح متفق علیہ حدیثوں کے معارض نہ ہو سکے گی پس امر کو مستحب پر محمول کرنا جائز نہ ہوگا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا یہ جواب دیا کہ اس سے وجوب غسل کی نفی نہیں نکلتی اور نیز یہ حدیث غسل کے حکم سے پہلے کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا یہ جواب دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا برخلاف ثابت ہو چکا ہے اور نیز وجوب کا حکم مرفوع حدیث سے ثابت ہے اور نفی وجوب کی موقوف حدیث سے ہے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے پس اس کے معارض نہیں ہوگا اور نیز زوال علت سے زوال معلول کا لازم نہیں آتا جیسا کہ رمل اور قصر وغیرہ میں ہے اور باقی سب کا یہی جواب دیا پھر آخر میں فرمایا کہ اگر تسلیم کیا جائے کہ یہ حدیثیں عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں تو اس سے فقط اتنا ثابت ہوگا کہ نماز کے لیے غسل شرط نہیں یہ ثابت نہیں ہوگا کہ غسل واجب نہیں پس محض وجوب کی نفی ان سے ثابت نہیں ہوگی پس حاصل یہ ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کرے اس سے سب جھگڑا طے ہو جاتا ہے لیکن نماز کی صحت اس پر موقوف نہیں بلکہ وہ ایک مستقل واجب ہے کہ نماز بغیر اس کے صحیح ہے اور اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ اگر کوئی جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد غسل کر لے تو وہ اس کو کافی ہو جاتا ہے یا نہیں سو جمہور علماء کہتے ہیں کہ وہی غسل کافی ہو جاتا ہے جمعہ کے وقت اور تازہ غسل کرنے کی حاجت نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ بعض علماء کہتے ہیں کہ غسل وہی معتبر ہے جو کہ جمعہ کے وقت کرے لیکن اصل بات یہ ہے کہ غسل سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو پسینے وغیرہ کی بدبو سے ایذا نہ پہنچے سو جس شخص کو امید ہو کہ فجر

کے وقت غسل کر کے جمعہ کے وقت تک پاک صاف رہے گا تو اس کے واسطے وہ غسل کافی ہو جاتا ہے اور جس کو خوف ہو کہ جمعہ کے وقت تک پاک صاف نہیں رہ سکے گا تو اس کے واسطے مستحب یہی ہے کہ جمعہ کے وقت غسل کرے فجر کے وقت نہ کرے۔

٨٢٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَآءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

٨٢٨۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جمعہ کی نماز کے واسطے آئے تو چاہیے کہ غسل کرے۔

فائدہ: یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے واجب نہیں کما مر اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ غسل جمعہ کی نماز کے واسطے ہے جمعہ کے دن کی فضیلت کے واسطے نہیں پس جو شخص جمعہ میں نہ آئے اور اس کو ترک کرے تو اس کے واسطے غسل مشروع نہیں اور یہی ہے مذہب جمہور کا اور ساتھ اسی کے قائل ہیں شافعیہ اس لیے کہ غسل تابع حاضر ہونے کے ہے وجوب کے تابع نہیں لیکن اکثر حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر جمعہ میں حاضر نہ ہو اور غسل کر لے تو جب بھی اس کو اس غسل کا ثواب ملے گا اور اس حدیث سے دوسرا مسئلہ باب کا ثابت نہیں ہوتا کہ نابالغ لڑکے اور عورت پر جمعہ فرض ہے یا نہیں لیکن اس حدیث نافع کے بعض طریقوں میں یہ حکم آ چکا ہے کہ نابالغ لڑکے اور عورت پر جمعہ فرض نہیں جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ **لا جمعة على امرأة ولا صبى** سو شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت قدیمہ کے موافق اس ترجمہ سے اشارہ کیا ہے اس طرف کہ اس حدیث کے بعض طرق میں لڑکے اور عورت پر جمعہ واجب نہ ہونے کا حکم آ چکا ہے لیکن چونکہ یہ حدیث اس کی شرط پر نہیں ہے اس واسطے اس کو اس کتاب صحیح میں نہیں لایا گو فی نفسہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے واسطے جائے اس کو مستحب ہے کہ غسل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بالغ ہے یا نابالغ لیکن مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ تاکید ہے اور بالغوں کے حق میں نابالغوں سے زیادہ تاکید ہے، واللہ اعلم۔

٨٢٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَآءَ قَالَ أَخْبَرَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَآءَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي

٨٢٩۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس حالت میں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن کھڑے خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک صحابی پہلے مہاجرین میں سے مسجد میں آیا (اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے) سو فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو پکارا (یعنی تنبیہ کی وجہ سے کہ آنے کا یہ کون سا وقت ہے یعنی اتنی

الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ عُمَرُ أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ قَالَ إِنِّيْ شُغِلْتُ فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلٰى أَهْلِيْ حَتّٰى سَمِعْتُ التَّأْذِيْنَ فَلَمْ أَزِدْ أَنْ تَوَضَّأْتُ فَقَالَ وَالْوُضُوْءُ أَيْضًا وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ.

دیر کیوں لگائی کہ اول وقت آنے کی فضیلت فوت ہوئی) اس نے کہا کہ مجھ کو ایک کام نے روک رکھا سو میں اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ کر نہ گیا یہاں تک کہ میں نے اذان سنی اور صرف وضو کیا یعنی فقط وضو کرنے کی فرصت ملی زیادہ نہیں ملی سو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تو نے صرف وضو ہی پر اکتفا کیا ہے یعنی کیا اول وقت کو تاخیر کرنا اور فضیلت سے محروم رہنا تجھ کو کافی نہیں تھا یہاں تک کہ تو نے غسل کو بھی ترک کر دیا اور دونوں فضیلتوں سے محروم رہا حالانکہ تو جان چکا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

فائدہ: پہلے مہاجرین ان اصحاب کو کہتے ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور بعض نے کہا کہ پہلے مہاجرین وہ ہیں جو جنگ بدر میں حاضر ہوئے لیکن پہلی بات بہت صحیح ہے اور اس حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ پر دو وجہ سے انکار کیا ایک انکار اول وقت کے ترک کرنے سے اور دوسرا انکار غسل کے ترک کرنے سے سو معلوم ہوتا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے اول وقت ترک کرنے کا عذر کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کر لیا اور غسل کے ترک سے ان کو الزام دیا لیکن اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لیے غسل کرنا شرط نہیں کہ بدون اس کے نماز صحیح نہ ہو ورنہ عمر رضی اللہ عنہ اور حاضرین جمعہ اس کو برقرار نہ رکھتے اور ان کی نماز کو صحیح نہ جانتے کما مر بلکہ سنت اور مستحب ہے پس یہی وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار اس واسطے کیا کہ بڑے بزرگ اور معتقد آدمی سے ادنیٰ مسنون امر کا ترک کرنا بھی معیوب ہے اور جمعہ کے وجوب پر اس حدیث سے استدلال کرنا جیسا کہ اوپر گزرا ہے ٹھیک معلوم نہیں ہوتا اول اس طرح کہ خطبے میں دینی کلام کرنی جائز ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خطبے میں کہا اٹھ اور دو رکعت نماز پڑھ بلکہ خطبہ سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو وعظ کیا جائے اور دین کے مسئلے سکھلائے جائیں پس یہ انکار کرنا وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ دوم اس طرح کہ اول وقت جمعہ کی طرف جانا بالاتفاق واجب نہیں پس عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبے کو ترک کر کے اتنی مخلوق میں اس پر انکار کیوں کیا پس اس سے لازم آئے گا کہ اول وقت جانا بھی واجب ہو حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ سوم اس طرح کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا اس دن غسل کرنا ثابت نہیں بلکہ یہی صحیح بات ہے کہ اس نے غسل نہیں کیا تھا جیسے کہ ان کی اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو ایک کام نے روک رکھا اور تنگی وقت کا عذر بھی معقول نہیں اس لیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ خطبے کی ابتدا میں آ پہنچے تھے سو اس وقت غسل کر کے جمعہ میں شریک ہونا ممکن ہے، واللہ اعلم اور اس حدیث سے اور کئی مسئلے بھی ثابت ہوتے

ہیں ایک کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے اور یہ کہ منبر پر پڑھنا چاہیے اور یہ کہ امام رعیت کے حال کی نگہبانی رکھے اور ان کو دین کی بہتری کے کام کا حکم کرے اور جو شخص کسی سنت امر کو چھوڑے اس پر انکار کرے اگرچہ کوئی بڑا آدمی ہوتا کہ اور چھوٹے لوگوں کو اس سے نصیحت اور عبرت حاصل ہو اور یہ کہ نیک بات بتلانا اور برے کام سے روکنا خطبے کو نقصان نہیں پہنچاتا اور مخاطب کو بھی کلام کرنی جائز ہے اور یہ کہ جمعہ کی اذان سے پہلے دنیا کے کاروبار میں مشغول ہونا جائز ہے اگرچہ اول وقت کی فضیلت فوت ہو جائے اور یہ کہ جمعہ کے دن اذان سے پہلے بازاروں کا کھلا رہنا جائز ہے اس لیے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کھلے رہے اور عثمان رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ اس میں گئے اور یہ کہ بڑے آدمی کا بازار میں جانا جائز ہے اور یہ کہ جمعہ کی طرف جانے کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ مسجد میں اذان سے پہلے جائے۔

٨٣٠ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

٨٣٠۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک جوان بالغ پر واجب ہے۔

فائدہ: وجوب سے مراد یہاں زیادہ تاکید ہے یعنی نہایت بہتر ہے یا عین وجوب ہے کما مر یا باب میں مراد فضل سے اس کی ترغیب دینا ہے عام ہے کہ واجب ہو یا مستحب ہو پس اس وجہ سے یہ حدیث باب کے مطابق ہو جائے گی اس واسطے کہ وجوب کے ضمن میں ترغیب بھی موجود ہے واللہ اعلم

بَابُ الطِّيْبِ لِلْجُمُعَةِ.

نماز جمعہ کے واسطے خوشبو لگانے کا بیان یعنی اس میں بڑا ثواب ہے۔

٨٣١ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَشْهَدُ عَلٰى أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ أَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

٨٣١۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک بالغ جوان پر واجب ہے اور مسواک کرنا اور خوشبو لگانا اگر میسر ہو تو عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ غسل کرنا تو واجب ہے اور مسواک کرنا اور خوشبو لگانا سو اللہ جانتا ہے کہ واجب ہے یا نہیں مگر حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔

الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَأَنْ يَسْتَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيْبًا إِنْ وَجَدَ قَالَ عَمْرٌو أَمَّا الْغُسْلُ فَأَشْهَدُ أَنَّهُ وَاجِبٌ وَأَمَّا الْإِسْتِنَانُ وَالطِّيْبُ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ أَوَاجِبٌ هُوَ أَمْ لَا وَلٰكِنْ هٰكَذَا فِي الْحَدِيْثِ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ أَخُوْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَلَمْ يُسَمَّ أَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا رَوَاهُ عَنْهُ بُكَيْرُ بْنُ الْأَشَجِّ وَسَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ هِلَالٍ وَعِدَّةٌ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يُكْنٰى بِأَبِيْ بَكْرٍ وَأَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ.

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا غسل کرنا واجب نہیں اس لیے کہ اگر غسل کو واجب کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ مسواک اور خوشبو لگانی بھی واجب ہو حالانکہ مسواک اور خوشبو لگانی بالا تفاق واجب نہیں پس اس سے لازم آیا کہ غسل بھی واجب نہیں اس لیے کہ واجب اور غیر واجب کو ایک لفظ میں شریک کرنا جائز نہیں اور غیر واجب کا واجب پر عطف ڈالنا درست نہیں پس معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن عمدہ لباس پہننا مستحب ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ. نمازِ جمعہ کی فضیلت کا بیان۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ جمعہ سے مراد یہاں جمعہ کا دن بھی ہوسکتا ہے اس لیے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ سب دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے کہ اس دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن بہشت میں داخل ہوئے اور اسی دن بہشت سے نکالے گئے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی لیکن اس باب کی حدیث ظاہر اس احتمال کے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ اس میں صرف نماز جمعہ کی فضیلت کا بیان ہے مگر یہ کہا جائے کہ فضیلت نماز کو فضیلت دن کی لازم ہے تو ممکن ہے، واللہ اعلم۔

٨٣٢ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

٨٣٢۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نہایا جمعہ کے دن جیسے جماع کی ناپاکی کے واسطے نہاتے ہیں یعنی خوب اچھی طرح غسل کیا اور ہر جگہ پانی پہنچایا پھر دوپہر ڈھلتے اول وقت مسجد میں آیا تو جیسے اس نے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَّمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَّمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَّمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ.

اونٹ قربانی کیا اور جو دوسری گھڑی آیا تو اس نے جیسے گائے' بیل قربانی کیا اور جو تیسری گھڑی آیا اس نے جیسے سینگ والا دُنبہ قربانی کیا اور جو چوتھی گھڑی آیا تو اس نے جیسے مرغی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی آیا تو اس نے جیسے ایک انڈا اللہ کی راہ میں دیا پھر جب امام خطبہ پڑھنے کے واسطے نکلا تو فرشتے خطبہ اور وعظ کو سننے کے لیے دروازہ چھوڑ کر مسجد میں آ جاتے ہیں۔

فائدہ: اور ایک روایت میں نسائی کی چھٹی گھڑی کا ذکر بھی آیا ہے پس مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر لکھتے جاتے ہیں کہ کون آگے آیا اور کون پیچھے اور خطبے کے وقت مسجد میں آ جاتے ہیں اور ذکر اور وعظ وغیرہ سنتے رہتے ہیں اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں جلد حاضر ہوا کرے جتنا پہلے جائے گا اتنا ثواب زیادہ پائے گا پس مطابقت حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ جماع کی ناپاکی کی طرح غسل کرے تو بعض کہتے ہیں کہ مراد اس حدیث سے خاص جماع کر کے نہانا ہے یعنی جمعہ کے دن اپنی بیوی سے جماع کر کے غسل کرے جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے یعنی تا کہ فارغ البال ہو کر جمعہ کی طرف جائے اور کسی چیز پر اس کی آنکھ نہ پڑے اور یہی ہے قول ہر ایک جماعت صحابہ اور تابعین کا اور یہی بیان کیا گیا ہے امام احمد رحمہ اللہ سے اور یہ جو پہلی دوسری وغیرہ گھڑیوں کا ذکر فرمایا تو اس کا بیان یہ ہے کہ رات اور دن کی بارہ بارہ گھڑیں ہوتی ہیں اور وہ دو قسم کی ہیں ایک قسم آفاقیہ ہیں اور وہ رات اور دن میں برابر ہوتی ہیں یعنی دن کی بھی بارہ ہی گھڑیں ہوتی ہیں اور رات کی بھی بارہ گھڑیاں ہوتی ہیں لیکن گرمی سردی کے موسم میں ان کا مقدار کم وبیش ہو جاتا ہے یعنی سردی میں کم اور گرمی میں زیادہ اور یہ اہل نجوم کی اصطلاح پر ہے اور اہل حساب اس کو معوجہ کہتے ہیں اور دوسرے قسم تعدیلیہ ہیں اور وہ مقدار میں ہمیشہ برابر رہتی ہیں لیکن گرمی سردی کے موسم میں ان کی گنتی کم وبیش ہو جاتی ہے یعنی سردی میں دن کی دس گھڑیاں رہ جاتی ہیں اور گرمی میں دن کی چودہ گھڑیاں ہو جاتی ہیں اور اس کو اہل حساب مستقیمہ کہتے ہیں سو بعض کہتے ہیں کہ مراد یہاں ان گھڑیوں سے آفاقیہ گھڑیاں ہیں جو تعداد میں کم وبیش نہیں ہوتی ہیں مقدار میں ہو جاتی ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ اور ابن حبیب مالکی اور جمہور علماء کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے واسطے اول ساعت میں جائے اور وہ کہتے ہیں کہ پہلی گھڑی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ سورج نکلے اور

چھٹی گھڑی وہ ہے جس کی انتہا آفتاب ڈھلنے کے ساتھ متصل ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص سورج ڈھلنے کے بعد آئے اس کو قربانیوں سے کسی چیز کا ثواب نہیں نہ انڈے کا نہ چڑیا کا گو زوال کے اول لحظہ میں آ جائے اور نیز گھڑیوں کا ذکر آپ نے اس واسطے فرمایا ہے کہ لوگوں کو اول وقت جانے کی ترغیب اور محبت ہو کہ اس کی فضیلت کو حاصل کریں اور پہلی صف میں جگہ پکڑیں اور نفل پڑھیں اور نماز کا انتظار کریں اور ذکر وغیرہ کریں اور زوال کے بعد ان سب چیزوں سے کوئی بھی حاصل نہیں ہوتی ہے اور ثواب سے آدمی محروم رہتا ہے کہ اذان کے بعد ٹھہرنا حرام ہے پس معلوم ہوا کہ زوال کے بعد ثواب نہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جتنے آدمی اول گھڑی میں آئیں دو چار یا پچاس یا سو مثلاً سب کو ایک برابر ثواب ملے گا یعنی اونٹ کی قربانی کا خواہ کوئی اول گھڑی کے ابتدا میں آئے یا اس کے انتہا میں آئے لیکن اتنا فرق ضرور ہوگا کہ پہلے اونٹ دوسرے کے اونٹ سے کامل اور موٹا تازہ ہوگا اور اسی طرح دوسری ساعت میں جتنے آدمی آئیں سب کو برابر ثواب ملے گا یعنی گائے کی قربانی کا وعلی ہذا القیاس سب گھڑیوں کو اسی طرح سمجھنا چاہیے اور ظاہر اس اونٹ وغیرہ کی قربانی ذکر کرنے سے یہی مراد معلوم ہوتی ہے کہ اگر مثلاً پہلی ساعت میں آنے والے کے ثواب کو ایک جسم دار چیز فرض کیا جائے تو وہ ثواب اونٹ کے جسم کے برابر ہوگا اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جتنا ثواب اونٹ کی قربانی کرنے والے کو ملتا ہے سو اول ساعت جمعہ میں جانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ مثلاً جتنا کہ اونٹ اور گائے کی قیمت میں فرق ہے اتنا ہی اول ساعت اور دوسری ساعت وغیرہ میں جانے والے کے درمیان فرق ہے یعنی پہلے کا ثواب زیادہ ہے اور دوسرے کا کم ہے اور بعض نے کہا کہ مراد گھڑیوں سے لحظات لطیفہ ہیں جو ایک ایک ساعت کے درمیان بہت موجود ہو سکتے ہیں اور مراد اونٹ وغیرہ سے کمی بیشی ثواب کی ہے پس اب معنی اس حدیث کا یہ ہوگا کہ جمعہ کے دن پہلے اور پیچھے آنے والوں کے درجوں اور مرتبوں میں فرق ہے پانچ چھ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں اور اس تخصیص پر کوئی دلیل بھی نہیں اور اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں آتا لیکن ایک حدیث میں ابوداؤد وغیرہ سے آیا ہے کہ جمعہ کے دن کی بارہ گھڑیاں ہیں سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ شاید مقصود اس سے اس ساعت کے لحظوں کو بیان کرنا ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے واللہ اعلم۔ اور اکثر مالکیہ اور بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ مراد ان گھڑیوں سے وہ لحظے ہیں جو سورج ڈھلنے کے بعد واقع ہوتے ہیں ابتدا ان کی زوال سے ہے اور انتہا ان کی امام کا منبر پر بیٹھنا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اول وقت جمعہ کی طرف جانا مکروہ ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبیب مالکی نے اس پر سخت انکار کیا ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت ہے یعنی اس لیے کہ حدیث عام ہے کہ زوال سے پہلے آئے یا پیچھے آئے سو اس واسطے کہ لفظ راح کا معنی مطلق جانے کا ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں پس زوال سے پہلے جانے کو مکروہ کہنا اس حدیث کے بے شک مخالف ہے اور بعض نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے

اس پر کہ زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ فجر سے لے کر دوپہر تک چھ گھڑیاں ہوتی ہیں اور اس حدیث میں پانچ ساعتوں کو بیان کر کے بعد اس کے امام کا نکلنا بیان فرمایا اور امام کا نکلنا جمعہ کے اول وقت میں ہوتا ہے تو اس صورت میں اس کا نکلنا چھٹی ساعت کی ابتدا میں واقع ہوگا اور وہ قطعا زوال سے پہلے ہے پس جمعہ زوال سے پہلے جائز ہوا سو جواب اس کا یہ ہے کہ پہلی ساعت تو غسل وغیرہ میں چلی جاتی ہے تو اب شروع جانے دوسری ساعت کے ابتدا سے ہوگا اور دوسری جانے کا شروع تیسری کے ابتدا سے ہوگا اور ان دونوں کے درمیان نسبت پہلی دوسری کے ہے وعلی ہذا القیاس پانچویں کا جانا چھٹی ساعت کے اول سے شروع ہوگا اور اس کے انتہا میں ختم ہوگا پس اس بنا پر پانچویں ساعت کا انتہا زوال کا ابتدا ہوگا پس اعتراض دفع ہو گیا اور نیز ممکن ہے کہ یہ حدیث باعتبار موسم سردی کے ہو کہ اس میں دن کی دس گھڑیاں رہ جاتی ہیں پس اس صورت میں پانچویں کا انتہا اول زوال ہوگا اور نیز چھٹی ساعت کا ذکر بھی دوسری حدیث میں آ چکا ہے جیسے کہ اوپر گزرا پس اس صورت میں یہ استدلال بالکل باطل ہو جاتا ہے وباللہ التوفیق۔ اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ جمعہ کے دن غسل کرنے اور اس کی طرف اول وقت جانے کی بڑی فضیلت ہے اور یہ کہ لوگوں کے درجوں میں فرق ہے باعتبار عملوں کے اور یہ کہ تھوڑا صدقہ دینا شرع میں معیوب نہیں یعنی گو انڈا ہو یا اس سے کم ہو اور یہ کہ اونٹ کی قربانی کرنی گائے، بیل کی قربانی سے افضل ہے چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ ہدی میں یعنی اس قربانی میں جو حاجی لوگ (مکے میں گھر سے لے جاتے ہیں) اونٹ گائے سے افضل ہے اور عید کی قربانی میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس میں اونٹ افضل ہے بعد اس کے گائے بعد اس کے بکری اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو اس باب میں گزری ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عید میں بکری سب سے افضل ہے پھر گائے پھر اونٹ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی قربانی کی سو جواب اس کا یہ ہے کہ احتمال ہے کہ آپ کو اس وقت صرف بکری ملی ہو اور کوئی جانور ہاتھ نہ آیا ہو یا واسطے بیانِ جواز کے کیا ہو یہ بھی جائز ہے اور دوسری حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے قربانی کی اور یہ جو فرمایا کہ فرشتے لکھتے جاتے ہیں تو یہ فرشتے کراما کاتبین کے سوا اور فرشتے ہیں ان کا کام صرف یہی ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں آنے والوں کو لکھتے جاتے ہیں پھر کاغذوں کو لپیٹ کر چلے جاتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب خطبہ شروع ہو جائے تو اس وقت آنے والے کا نام فرشتے اپنے دفتر میں نہیں لکھتے۔

بَابٌ .

یہ باب ہے۔

٨٣٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

٨٣٣۔ ترجمہ اس کا اوپر گزر چکا ہے عثمان رضی اللہ عنہ اول وقت سے دیر کر کے جمعہ میں آئے سو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِمَ تَحْتَبِسُوْنَ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ الرَّجُلُ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَآءَ تَوَضَّأْتُ فَقَالَ أَلَمْ تَسْمَعُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.

اس میں اتنا زیادہ یہ کہ جب کوئی جمعہ کی نماز کو جانا چاہے تو چاہیے کہ غسل کرے کہ سنت ہے۔

فائدہ: اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی مسئلہ بیان نہیں کیا اس لیے کہ اس کو پہلے باب سے تعلق ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے اول وقت ترک کرنے پر انکار کیا حالانکہ اس وقت بہت اصحاب بیٹھے تھے سو اگر اول وقت کی زیادہ فضیلت ہوتی تو اس پر انکار نہ کرتے اور نیز اس میں اشارہ ہے طرف رد کرنے اس شخص کے جو اول وقت ترک کرنے پر مدینے والوں کے اجماع کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے صحابہ اور تابعین وغیرہ اہل مدینے کے درمیان اول وقت ترک کرنے پر انکار کیا سو اگر اہل مدینہ کا اس پر اجماع ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ اس سے انکار نہ کرتے یا باقی صحابہ وغیرہ اس کا اقرار کرتے۔ واللہ اعلم

بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ.

جمعہ کی نماز میں جانے کے واسطے تیل لگانا۔

٨٢٤ ـ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ وَدِيْعَةَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى.

٨٢٤۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جہاں تک اس سے ہو سکے طہارت اور پاکی حاصل کرے اور تیل ملے یا اپنے گھر سے خوشبو لگائے پھر جمعہ کی طرف جائے اور جب مسجد میں آئے تو دو ملے بیٹھوں میں فرق نہ ڈالے یعنی ان کی گردن پر سے گزر کر آگے نہ جائے پھر نماز پڑھے جتنی اس کی قسمت میں ہے پھر جب امام خطبہ پڑھے تو چپ رہ کر سنتا رہے تو اس کے وہ گناہ بخشے جائیں گے جو اس جمعہ اور گزرے جمعہ کے درمیان ہیں۔

فائدہ: مراد اچھی طرح پاکی حاصل کرنے سے یہ ہے کہ ناخن کٹوائے اور لبوں کو کتروائے اور بغلوں اور زیر ناف

وغیرہ کے بال منڈائے اور یا مراد نہانے سے بدن پر پانی ڈالنا ہے اور طہارت سے مراد سر کا دھونا ہے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن تیل ملنے میں بڑی فضیلت ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کی گردن پر سے چل کر آگے بڑھنا مکروہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ لوگوں کے آگے سے بڑھنا اسی شخص کو منع ہے جو بلا ضرورت آگے بڑھے اور جس کو ضرورت ہو اور بغیر اس کے اپنی جگہ میں نہ پہنچ سکے تو اس کے لیے نمازیوں کے آگے بڑھنا جائز ہے مثلاً اگر امام بغیر اس کے اپنی جگہ میں نہ پہنچ سکے تو اس کو لوگوں کی گردنوں سے چل کر جانا جائز ہے اور ایسے ہی جو کمی صف کو پورا کرنا چاہے اس کو بھی آگے بڑھنا جائز ہے لیکن اگر پیچھے خالی جگہ پائے تو مستحب ہے کہ وہیں بیٹھ جائے اور ایسے ہی جو شخص کسی ضرورت کے واسطے اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر جائے تو اس کو بھی اپنی جگہ میں پھر آنے کے واسطے تخطی کرنا جائز ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تخطی اسی وقت منع ہے جب کہ امام منبر پر کھڑا ہوا اور پہلے اس سے جائز ہے لیکن یہ قول ظاہر حدیث کے مخالف ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے جائز ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت نفل پڑھنے جائز ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی حدیث میں جو گھڑیوں کا ذکر آیا ہے تو وہ گھڑیاں زوال سے پہلے ہیں پیچھے نہیں جیسے امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں اس لیے کہ امام کا خطبے کے واسطے نکلنا عین زوال کے متصل ہوتا ہے اور اس وقت اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس میں نفل وغیرہ پڑھے جائیں پس معلوم ہوا کہ جمہور کا مذہب ٹھیک ہے سو اس سب بیان سے معلوم ہوا کہ گناہوں کا معاف ہونا اسی وقت ہے جب کہ یہ سب شرطیں مذکورہ پائی جائیں گی یعنی غسل اور پاکی حاصل کرنا اور خوشبو یا تیل لگانا اور عمدہ کپڑے پہننا اور خطبے کے وقت چپ رہنا اور جمعہ کی طرف آرام سے چلنا اور لوگوں کی گردنوں سے آگے نہ بڑھنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا اور جمعہ سے پہلے نفل پڑھنا اور خطبے کے وقت چپ رہنا اور لغو بات نہ کرنا سو جو شخص ان سب شرطوں کو بجا لائے اس کے گناہ بخشے جائیں گے جو اس جمعہ اور گزرے ہوئے جمعہ کے درمیان ہوئے ہیں لیکن ان گناہوں سے مراد صغیرہ ہیں اس سے کبیرہ نہیں بخشے جائیں گے ان کے واسطے استغفار کرے اور سچی توبہ کرے اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ غسل مستحب ہے واجب نہیں دوم یہ کہ جمعہ کے دن امام کے آنے سے پہلے نفل پڑھنے مستحب ہیں اور یہی مذہب ہے شافعیہ اور جمہور علماء کا سوم یہ کہ مطلق نفلوں کی کوئی حد مقرر نہیں جتنے چاہے پڑھے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا جو مقدر ہو پڑھے اور یہ کہ خطبے کے بعد تکبیر تحریمہ سے کلام کرنی جائز ہے۔ کذا قالہ النووی.

٨٣٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ طَاوُسٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ذَكَرُوْا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

٨٣٥۔ حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن نہاؤ اور اپنے سر کو دھو ڈالو اگرچہ تم کو غسل

وَسَلَّمَ قَالَ اغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوْا رُؤُوْسَكُمْ وَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا جُنُبًا وَّأَصِيْبُوْا مِنَ الطِّيْبِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ وَأَمَّا الطِّيْبُ فَلَا أَدْرِيْ.

جنابت کی حاجت نہ ہو اور خوشبو لگاؤ جو میسر ہو سو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نہانا تو آپ نے فرمایا ہے اور خوشبو لگانے کو میں نہیں جانتا کہ آپ نے فرمایا ہے یا نہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کا غسل جمعہ کے غسل سے کافی ہو جاتا ہے خواہ اس کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور یہی مذہب ہے اکثر صحابہ اور تابعین وغیرہ اہل علم کا اور اس حدیث میں تیل لگانے کا ذکر نہیں لیکن اس کے دوسرے طریق میں تیل لگانے کا ذکر آ گیا ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٨٣٦ ۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَيَمَسُّ طِيْبًا أَوْ دُهْنًا إِنْ كَانَ عِنْدَ أَهْلِهِ فَقَالَ لَا أَعْلَمُهُ.

٨٣٦ ۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جمعہ کے دن غسل کرنے میں بیان کی سو میں نے اس سے کہا کہ کیا خوشبو یا تیل بھی لگائے اگر اس کے گھر والوں کے پاس ہو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں اس کو نہیں جانتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا نہیں۔

فائدہ: شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اشارہ کرنا ہے اس طرف کہ غسل کے سوا مسواک کرنا اور خوشبو وغیرہ لگانا واجب نہیں اگرچہ اس کی ترغیب آ چکی ہے اور وجہ مناسبت اس حدیث کی باب سے پہلے گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ.

جمعہ کے دن عمدہ کپڑے پہننے کا بیان۔

٨٣٧ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأٰى حُلَّةً سِيَرَآءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هٰذِهٖ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوْا عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

٨٣٧ ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے ایک ریشمی جوڑا مسجد کے دروازے پر بکتا دیکھا سو عرض کی کہ یا حضرت! اگر آپ اس کو خرید لیں اور جمعہ کے دن اور بادشاہوں کے ایلچی آنے کے وقت اس کو پہنا کریں تو یہ خوب ہے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریشمی کپڑا تو وہ پہنتا ہے جو آخرت میں بے نصیب ہو پھر اس کے بعد اسی قسم کے کئی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهٖ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ فِي الْأٰخِرَةِ ثُمَّ جَآءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حُلَلٌ فَأَعْطٰى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَسَوْتَنِيْهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيْ حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَخًا لَّهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا.

جوڑے حضرت ﷺ کے پاس آئے سو آپ نے ایک جوڑا ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ نے مجھ کو یہ ریشمی جوڑا پہنایا ہے اور حالانکہ آپ نے عطارد کے جوڑوں میں کیا کچھ کہا تھا یعنی اس کو پہننا حرام فرمایا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے ریشمی جوڑا تجھ کو اس واسطے نہیں دیا کہ تو اس کو پہنے یعنی بلکہ میں نے تجھ کو صرف اس واسطے دیا ہے کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے سو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اپنے ایک بھائی مشرک کو دے دیا جو مکے میں رہتا تھا۔

فائدہ: حلہ کہتے ہیں دو کپڑوں کو یعنی چادر اور تہ بند اور یہ بھائی ان کا ماں کی طرف سے تھا یعنی دونوں کی ماں ایک تھی اور باپ دو تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے بیچنا درست ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن عمدہ کپڑے پہننے اور زینت کرنی مستحب ہے اس لیے کہ حضرت ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں اصل زینت اور تجمل کو برقرار رکھا صرف اس کپڑے سے منع کیا کہ وہ ریشمی تھا اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. جمعہ کے دن مسواک کرنے کا بیان۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ مسواک کرنا سنت ہے واجب نہیں نہ نماز میں اور نہ نماز سے باہر اور اس پر سب علماء معتبرین محققین کا اجماع ہو چکا ہے صرف داؤد ظاہری سے اس کا وجوب منقول ہے لیکن وہ نقل صحیح نہیں بلکہ وہ بھی سنت کا قائل ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مسواک کرنا ہر حال میں سنت ہے خصوصاً نماز پنجگانہ میں تو اس کی زیادہ تاکید ہے اور وضو اور قرأت قرآن اور نیند اور سکوت اور بھوک کے وقت زیادہ تر مستحب ہے اور مسواک کڑوی لکڑی کی چاہیے پیلو کی مسواک سب سے بہتر ہے چھوٹی انگلی برابر موٹی اور بالشت برابر لمبی ہو اور وجہ اس کی یہ ہے اس سے منہ کی بدبو دفع ہو جاتی ہے اور چونکہ جمعہ کے دن غسل کرنا اور ظاہر بدن کا پاک صاف کرنا مطلوب تھا جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا تو اس واسطے مناسب ہوا کہ اس کے ساتھ منہ کو بھی صاف کیا جائے کہ وہ اصل جگہ ذکر اور مناجات کی ہے اس واسطے بعد اس کے مسواک کرنا بیان کرنا مناسب ہوا، واللہ اعلم۔

وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

اور ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ.

آپ مسواک کرتے تھے اور اس سے دانتوں کو ملتے تھے اور یہ پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں کسی خاص وقت کا ذکر نہیں عام ہے پس جمعہ کو بھی شامل ہوگئی پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی۔

٨٣٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ.

٨٣٨۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت یا لوگوں پر مشکل نہ جانتا تو میں ان کو واجب کر کے مسواک کا حکم کرتا ہر نماز میں۔

فائدہ: یہ حدیث بھی عام ہے پس جمعہ کی نماز کو بھی شامل ہوگئی پس جمعہ میں مسواک کرنا ثابت ہوگیا۔

٨٣٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ الْحَبْحَابِ حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ.

٨٣٩۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے مسواک کرنے کی خوبی بارہا کہی۔

فائدہ: یعنی مسواک میں غفلت اور سستی نہ کرو مسواک کی عادت ڈالو اور جب آپ نے اس کی خوبی بارہا بیان فرمائی تو اس کو ہر نماز میں کرنا چاہیے اور ہمیشہ کو مسواک کے واجب کرنے میں مشکل ہے لیکن خاص ایک دن مسواک کے معین کرنے میں مشکل نہیں یعنی جمعہ کے دن پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٨٤٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَّحُصَيْنٍ عَنْ أَبِيْ وَآئِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ.

٨٤٠۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات سے اٹھتے یعنی تہجد کو تو اپنے منہ کو مسواک کرتے اور اس سے دانتوں کو ملتے۔

فائدہ: جب رات کے وقت آپ نے باوجود تنہا ہونے کے مسواک کی تو جمعہ کے دن مسواک کرنا بطریق اولیٰ چاہیے کہ اس دن زینت کرنی اور خوشبو ملنے کا حکم ہوا ہے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی۔

بَابُ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهٖ.

دوسرے کی مسواک کرنے کا کیا حکم ہے؟۔

٨٤١ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَّمَعَهُ سِوَاكٌ يَّسْتَنُّ بِهٖ فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ أَعْطِنِيْ هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَأَعْطَانِيْهِ فَقَصَمْتُهُ ثُمَّ مَضَغْتُهُ فَأَعْطَيْتُهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنَّ بِهٖ وَهُوَ مُسْتَسْنِدٌ إِلٰى صَدْرِيْ.

٨٤١۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں) میرے حجرے میں آئے اوران کے پاس مسواک تھی جس سے وہ اپنے دانتوں کو ملتے تھے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف نظر کی سو میں نے اس کو کہا (عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے) کہ اے عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھ کو دے سو اس نے مجھ کو مسواک دی سو میں نے اسکو دانتوں سے توڑا اوراس کے پہلے ریشوں کو دور کیا پھر میں نے وہ مسواک دانتوں میں چبا کر آپ کو دی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر کی مسواک کرنی جائز ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مسواک لے کر اس سے دانتوں کو ملا لیکن یہ اسی وقت لائق ہے جب کہ دوسرے کے منہ کی بو کو مکروہ نہ جانتا ہو اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک کے پہلے ریشوں کو کاٹ ڈالا اور اس کو چبا کر آپ کو دی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسواک کرنے کی نہایت تاکید ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری میں بھی اس کو نہ چھوڑا۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

ان سورتوں کا بیان جو جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔

٨٤٢ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هُوَ ابْنُ هُرْمُزَ الْأَعْرَجُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ﴿آلٓمٓ تَنْزِيْلُ﴾ السَّجْدَةَ وَ ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾.

٨٤٢۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل وهل اتى على الانسان پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان دو سورتوں کو پڑھنا مستحب ہے اس لیے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر اوقات پڑھا کرتے تھے بلکہ طبرانی وغیرہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہمیشہ پڑھا کرتے اور کان کا لفظ اگرچہ ہمیشگی پر دلالت نہیں

کرتا لیکن یہ حدیث نص ہے ہمیشگی میں اور یہی مذہب ہے اکثر اہل علم کا صحابہ اور تابعین وغیرہ سے کہتے ہیں کہ جمعہ کی فجر میں ان کو پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ ابن منذر وغیرہ نے نقل کیا ہے یہاں تک کہ ابراہیم بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ اُس نے مدینے میں جمعہ کے دن لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی سو دونوں رکعت میں ان دونوں کو پڑھا اور یہی مذہب ہے شافعیہ وغیرہ علماء کا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدے کی آیت نماز میں پڑھنی مکروہ نہیں اور سجدہ کرنا بھی نماز میں مکروہ نہیں اور حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی خاص سورت کو کسی خاص نماز کے واسطے معین کر رکھنا مکروہ ہے سو جمعہ کے دن ان دو سورتوں کا پڑھنا اس شرط سے مستحب ہے کہ کبھی کبھی ان کو چھوڑ دے اور دوسری سورت کو پڑھ لے تاکہ عوام لوگ یہ اعتقاد نہ کر بیٹھیں کہ ان کے سوا اور سورتوں کا پڑھنا کافی نہیں یا اور سورتوں کا پڑھنا مکروہ ہے اور بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے باقی قرآن کا بالکل چھوڑ دینا لازم آتا ہے یا تعیین کا وہم پڑتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر عوام کے اعتقاد پر موقوف رکھا جائے تو ہر مستحب کام پر ہمیشگی کرنی مکروہ ہوگی حالانکہ یہ بات بالاجماع باطل ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی مستحب کام کو مستحب جان کر اس پر ہمیشگی کرے تو وہ بے شک ثواب پائے گا اور نیز اس صورت میں نفلوں وغیرہ مستحبات کا بالکل چھوڑ دینا بھی مکروہ ہوگا اس لیے کہ اگر ایک کام مستحب کو ہمیشہ ترک کیا جائے اور تمام عمر میں ایک بار بھی اس کے ساتھ عمل نہ کیا جائے تو بیشک یہ خوف ہے کہ عوام اعتقاد کر بیٹھیں کہ یہ کام جائز نہیں پس لازم آئے گا کہ مستحب کا ہمیشہ ترک کرنا بھی مکروہ ہوگا حالانکہ یہ بات بھی بالاجماع باطل ہے **فما هو جوابكم فهو جوابنا** اور نیز عوام کے اعتقاد کا خوف تو جب ہو جب کہ تمام جہان میں عالم کوئی نہ رہے اور وعظ نصیحت کرنے والے جہاں سے بالکل ناپید ہو جائیں اس لیے کہ اگر فرضًا عوام کے اعتقاد کا خوف بھی تسلیم کیا جائے تو علماء ان کو زبانی بھی یہ مسئلہ سمجھا سکتے ہیں کہ یہ امر واجب نہیں مستحب ہے اس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں کچھ عذاب نہیں اور اس وہم کو وعظ و نصیحت میں دفع کر سکتے ہیں اور وعظ و نصیحت میں اکثر ایسا موقع ہو جاتا ہے پھر کیا علماء کا عوام کو زبانی سمجھانا کافی نہیں ہو سکتا کہ اس کو کبھی ترک کریں بلکہ بتلانے سے تو دونوں امر حاصل ہو جاتے ہیں حدیث پر عمل بھی اور عوام کا اعتقاد دفع کرنا بھی اور نیز سب عوام کا یہ حال نہیں بلکہ جو لوگ فہمیدہ اور سمجھ دار ہیں وہ ہرگز ایسا اعتقاد نہیں رکھ سکتے اور نیز بہت بار تجربہ کیا گیا اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ پنجگانہ نماز کے ساتھ جو نفل پڑھے جاتے ہیں یہ فرض واجب نہیں اور صدہا بار عوام کے سامنے ان نفلوں کو ترک بھی کیا گیا لیکن وہ ان کو ویسے ہی فرضوں کے برابر سمجھتے ہیں ان کو چھوڑنے کے کبھی روادار نہیں ہوتے بلکہ جو چھوڑے اس پر سخت انکار کرتے ہیں پس اس صورت میں عوام کے اعتقاد کا کیا علاج کیا جائے گا **بینوا توجروا** ۔ اور نیز اس سے باقی قرآن کا ترک کرنا بھی لازم نہیں آتا ہے اس لیے کہ جب دوسری نمازوں میں اور سورتیں پڑھ لے گا تو یہ بات لازم نہیں آئے گی اور نیز اگر کسی خاص سورت کو کسی خاص نماز میں پڑھنے سے تعیین کا وہم پڑتا ہے تو ایسے ہی تمام قرآن سے دو چار یا دس

سورتیں مثلاً یاد کر رکھنے اور انہی کو ہمیشہ بار بار نمازوں میں پڑھنا بھی وہم تعیین کو مستلزم ہوگا پس لازم آئے گا کہ ہر ہر آدمی تمام قرآن کو یاد کرے اور باری باری سے تمام قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرے تا کہ وہم تعیین کا لازم نہ آئے حالانکہ یہ تکلیف بمالا یطاق ہے اور آیت ﴿فاقرء وا ما تیسر من القرآن﴾ کے صریح خلاف ہے اور نیز بخاری کے تیسرے پارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ ایک شخص سورۂ ﴿قل هو الله احد﴾ کو صبح کی نماز میں ہمیشہ پڑھا کرتا تھا سو مقتدیوں نے حضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی تب حضرت ﷺ نے اس کو بلا کر پوچھا تو نے اس سورہ کو کیوں مقرر کر رکھا ہے اس نے عرض کی کہ میں اس سے بہت محبت رکھتا ہوں تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کی محبت تجھ کو بہشت میں داخل کرے گی پس یہ حدیث صریح ہے اس باب میں کہ کسی سورہ کو کسی نماز کے واسطے خاص کر لینا مکروہ نہیں بلکہ بہشت میں داخل ہونے کا سبب ہے اگر اس سے محبت رکھتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ سجدہ کی آیت نماز میں پڑھنی مکروہ ہے اور وجہ اس کراہیت کی بعض مالکیہ تو وہی بیان کرتے ہیں کہ اس میں خوف ہے کہ عوام اس کو فرض نہ سمجھ لیں سو اس وجہ کا جواب تو گزر چکا ہے اور بعض وجہ کراہیت کی یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے فرضوں میں ایک سجدے کا زیادہ ہونا لازم آتا ہے سو یہ حدیث صریح ہے اس کے رد میں اسی واسطے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ پر حجت ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مدینے والوں نے اس پر عمل نہیں کیا سو جواب اس کا یہ ہے جو فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے اس لیے کہ اکثر صحابہ اور تابعین وغیرہ اہل علم کا عمل اس پر ثابت ہو چکا ہے کما مر۔

فائدہ ثانیہ: فتح الباری میں لکھا ہے کہ میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں نہیں دیکھا کہ حضرت ﷺ نے سورۂ الم تنزیل میں سجدہ کیا ہو لیکن ابن ابی داؤد اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۂ الم تنزیل پڑھی اور اس میں سجدہ کیا لیکن اسناد ان دونوں حدیثوں کی ضعیف ہیں فلا یصح بهما الاحتجاج.

فائدہ ثالثہ: بعض نے کہا کہ سورہ سجدہ کو جمعہ کے ساتھ خاص کرنے میں یہ حکمت ہے کہ نماز میں ایک سجدہ زیادہ ہو جائے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر جمعہ کے دن اس سورہ کو خاص کر نہ پڑھے تو مستحب ہے کہ کسی اور سجدے والی سورہ کو پڑھے اور یہی روایت ہے ابراہیم اور ابن سیرین سے لیکن بہت علماء نے اس بات پر عیب پکڑا ہے اور اس کے قائل کو بے علمی کی طرف نسبت کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اگر وقت تنگ ہو اور الم تنزیل السجدہ کے پڑھنے کی فرصت نہ ملے تو جتنی ہو سکے اتنی ہی پڑھ لے اور وجہ مطابقت اس باب کی پہلے بابوں سے یہ ہے کہ اس باب میں جمعہ کو ان دو سورتوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے پس یہ بھی من جملہ فضائل جمعہ کے ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرٰى وَالْمُدُنِ.

شہروں اور گاؤں میں جمعہ پڑھنے کا بیان۔

٨٤٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهٗ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثٰى مِنَ الْبَحْرَيْنِ.

۸۴۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک پہلا جمعہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کے بعد پڑھا گیا جو عبدالقیس کی مسجد میں تھا جواثی میں جو ایک گاؤں ہے بحرین کے گاؤں میں سے۔

فائدہ: ایک روایت میں آیا ہے قرية من قرى البحرين یعنی جواثی ایک گاؤں ہے بحرین کے گاؤں میں سے اور ایک روایت میں ہے کہ جواثی عبدالقیس کے گاؤں میں سے ہے اور حاصل دونوں کا ایک ہے اس لیے کہ بحرین کے گاؤں کو عبدالقیس کے گاؤں بھی کہتے ہیں تو مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو آپ نے اپنی مسجد میں لوگوں کو جمعہ پڑھانا شروع کیا پھر بعد اس کے سب سے پہلے عبدالقیس کے گاؤں میں جمعہ پڑھنا شروع ہوا پھر بعد اس کے رفتہ رفتہ اور جگہوں میں بھی شروع ہو گیا سو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز اور صحیح ہے اس لیے کہ ظاہر یہی بات ہے کہ عبدالقیس نے جمعہ پڑھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے شروع کیا تھا اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ وحی کے زمانے میں اصحاب بے اطلاع حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر شرعی کی طرف مبادرت نہیں کرتے تھے اور نیز اگر جمعہ پڑھنا ناجائز ہوتا تو اس کے منع کے واسطے قرآن میں حکم اترتا جیسے کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ نے عزل کے جائز ہونے پر یہی دلیل پکڑی ہے کہ ہم لوگ قرآن نازل ہونے کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے سو اس کے منع کے واسطے قرآن میں حکم نہ اترا سو اگر عزل ناجائز ہوتا تو قرآن میں اس کا حکم اترتا پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٨٤٤ ـ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَزَادَ اللَّيْثُ قَالَ يُوْنُسُ كَتَبَ رُزَيْقُ

۸۴۴۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ تم لوگوں میں ہر ایک شخص حاکم ہے اور لیث (راوی) نے اس حدیث میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ یونس نے کہا کہ رزیق نے ابن شہاب کو خط لکھا اور میں

18714

بْنُ حُكَيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِوَادِي الْقُرٰى هَلْ تَرٰى أَنْ أُجَمِّعَ وَرُزَيْقٌ عَامِلٌ عَلٰى أَرْضٍ يَّعْمَلُهَا وَفِيْهَا جَمَاعَةٌ مِّنَ السُّوْدَانِ وَغَيْرِهِمْ وَرُزَيْقٌ يَّوْمَئِذٍ عَلٰى أَيْلَةَ فَكَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَنَا أَسْمَعُ يَأْمُرُهُ أَنْ يُّجَمِّعَ يُخْبِرُهُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ أَبِيْهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

اس دن ابن شہاب کے ساتھ وادی قریٰ میں تھا کہ مدینے کے علاقے میں ایک جگہ کا نام ہے اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ کیا تو دیکھتا ہے کہ میں یہاں کے لوگوں کو جمعہ پڑھاؤں اور رزیق ایک زمین پر عامل تھا جس میں وہ کاشتکاری کرتا تھا اور رزیق اس دن ایلہ شہر کا حاکم تھا عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے یعنی رزیق دراصل حاکم تو ایلہ کا تھا لیکن وہ خود اس شہر میں نہیں رہتا تھا بلکہ اس کے علاقے میں ایک گاؤں تھا وہاں رہتا تھا اور اس میں کاشتکاری کرواتا تھا اور اس میں حبشی وغیرہ لوگوں کی ایک جماعت رہتی تھی (یونس نے کہا) کہ ابن شہاب نے میرے روبرو اس کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ جمعہ پڑھا کر کہ بیشک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں میں ہر ایک شخص حاکم ہے اور ہر ایک اپنی رعیت اور زیردست سے پوچھا جائے گا کہ انصاف کیا یا ظلم اور بادشاہ سب ملک پر حاکم ہے تو اپنی رعیت سے پوچھا جائے گا اور مرد اپنی بیوی بال بچوں پر حاکم ہے تو وہ بھی اپنی رعیت سے پوچھا جائے گا کہ اُس نے ان کو نیک کام سکھلایا اور گناہ سے روکا یا نہیں اور بیوی اپنے خاوند کے مال اور گھر کی حاکم ہے تو وہ بھی اپنی رعیت سے پوچھی جائے گی کہ اس نے اس کی خیر خواہی اور مال کی حفاظت کی یا نہیں اور اسی طرح غلام اور نوکر اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے تو وہ بھی اپنی رعیت سے پوچھا جائے گا کہ اُس نے اپنے آقا کی خیر خواہی اور اس کے مال کی حفاظت کی یا نہیں اور مرد اپنے باپ کے مال پر حاکم ہے تو وہ بھی اپنی رعیت سے پوچھا جائے گا اور ہر ایک شخص حاکم ہے اور ہر ایک اپنی زیردست اور قابو والی چیز سے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ تو نے باوجود قدرت اور قابو کے اس کا حق

کیوں نہ ادا کیا یعنی یہ سوال صرف بادشاہ پر موقوف نہیں ہر
ایک شخص سے اس طرح کا سوال ہوگا۔

فائدہ: ایلہ ایک شہر کا نام ہے مدینے اور مصر کے درمیان شام کی راہ میں قلزم کے کنارے پر عمر بن عبدالعزیز نے رزیق کو حاکم کر کے وہاں بھیجا ہوا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ جب ہر ایک شخص اپنی رعیت کے حقوق سے قیامت میں پوچھا جائے گا تو اب رعیت کے حقوق کو ادا کرنا اور احکام شریعت کو ان میں جاری کرنا حاکم پر واجب ہوا اور چونکہ رزیق بھی اس حبشی وغیرہ لوگوں کی جماعت پر حاکم تھا تو اب ان کے حقوق کا ادا کرنا اور ان میں احکام شریعت کا جاری کرنا واجب ہوا اور احکام شریعت کا ایک اعظم رکن جمعہ ہے تو اب اس کو قائم کرنا بھی واجب ہے اور اسی زمین میں اُس نے جمعہ پڑھنے کا حکم پوچھا تھا جس میں وہ کاشتکاری کرواتا تھا ایلہ شہر سے وہ جگہ بہت فاصلہ پر تھی فنا مصر کا اس کو حکم دینا صحیح نہیں تھا اس لیے کہ فنا کی تعریف اس پر صادق آنی ممکن نہیں کما سیاتی بیانه انشاء الله تعالٰی ۔ اور ظاہر اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شاید رزیق کو گاؤں میں جمعہ پڑھنے میں تردد تھا اس واسطے اس نے ابن شہاب سے یہ مسئلہ پوچھا پس اس سے ثابت ہوگیا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صرف اپنے غلام اور نوکر ہی دو چار آدمی ہوں اور وہاں کوئی نہ ہو تو جب بھی جمعہ پڑھنا صحیح ہے اور اس قسم کی اور بھی کئی حدیثیں اور آثار آچکے ہیں جو گاؤں میں جمعہ کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ ایک یہ حدیث ہے جو کہ طبرانی اور ابن عدی نے ام عبداللہ دوسیہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جمعہ ہر گاؤں پر واجب ہے جس میں امام ہو اگر چہ اس میں فقط چار آدمی ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ اگر چہ تین ہی مرد ہوں چوتھا امام ہو اور ایک یہ ہے جو ابن ابی شیبہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس نے بحرین والوں کی طرف لکھا کہ تم جس جگہ میں ہو وہیں جمعہ پڑھا کرو اور صحیح کہا ہے اس کو ابن خزیمہ نے اور یہ شامل ہے شہروں کو بھی اور گاؤں کو بھی یعنی خواہ گاؤں میں ہو یا شہر میں ہو ہر جگہ میں جمعہ پڑھتے رہا کرو اور ایک یہ ہے جو کہ بیہقی نے سعد بن سعد سے روایت کی ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں آدمیوں کی جماعت ہو ان کو جمعہ پڑھنے کا حکم ہے کہ مصر کے لوگ اور اس کے اطراف میں رہنے والے عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ پڑھا کرتے تھے ان کے حکم سے اور ان لوگوں میں اس وقت کئی اصحاب بھی موجود تھے اور ایک یہ ہے جو کہ عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی کے چشموں پر رہنے والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تھے اور ان کو اس سے منع نہیں کرتے تھے اور ایک یہ حدیث ہے جو کہ ابن ماجہ وغیرہ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے ہم کو جمعہ پڑھایا پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز اور صحیح ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کہتے ہیں کہ جس گاؤں میں چالیس

مرد بالغ ہوں اور گرمی سردی میں ہمیشہ وہیں رہتے ہوں ان کو جمعہ پڑھنا صحیح ہے خواہ ان کے گھر پکے ہوں یا کچے ہوں لیکن حنفیہ کہتے ہیں گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز اور صحیح نہیں اگر بغیر وجود شرائط یعنی شہر اور بادشاہ مسلمان وغیرہ کے پڑھے تو جمعہ صحیح نہیں اور شرطیں ادا کی ان کے نزدیک کئی ہیں اول شرط ان کی یہ ہے کہ شہر ہو یعنی گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور اس شرط کی دلیل یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ اور تشریق شہر کے سوا کسی اور جگہ میں صحیح نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہو چکا ہے اور امام شوکانی نے نیل میں کہا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اور اس میں قیاس کو دخل ہے پس اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور تخریج ہدایہ میں لکھا ہے کہ بیہقی نے کہا کہ گاؤں میں جمعہ کے ناجائز ہونے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مروی نہیں اور بعض روایتوں میں یہ لفظ زیادہ ہے کہ عیدوں کی نماز بھی گاؤں میں درست نہیں اور اسناد اس کی ضعیف ہے انتہی۔ اور نیز یہ قول صحابی کا ہے اور قول صحابی کا اصح مذہب میں حجت نہیں خاص کر جس مسئلے میں اختلاف ہو اس وقت تو بالاتفاق حجت نہیں ہے اور نیز جب صحیح حدیث موجود ہو تو اس کے مقابل میں بھی بالاتفاق حجت نہیں اور یہاں حدیث کلکم راع الخ وغیرہ موجود ہے کما مر پس قول علی رضی اللہ عنہ کا بالاتفاق حجت نہیں اور نیز عمر اور عثمان اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سب صحابہ سے گاؤں میں جمعہ پڑھنا ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ اسعد نے چالیس اصحاب کے ساتھ جمعہ پڑھا اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما وغیرہ کے حکم کرنے پر کسی نے انکار نہیں کیا پس یہ اجماع سکوتی ہوگا پس اتنے اصحاب کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرنا کس طرح صحیح ہوگا اور نیز اس سے لازم آتا ہے کہ عید کی نماز بھی گاؤں میں صحیح نہ ہو حالانکہ تمام جہان شرفاء و غرباء ہر چھوٹے بڑے گاؤں میں عید کی نماز پڑھتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس قول علی رضی اللہ عنہ کے متروک العمل ہونے پر تمام جہان کا اجماع ہو چکا ہے خاص کر علماء کا پس اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور نیز احتمال ہے کہ اس میں لفظ لا کا نفی کمال کے واسطے ہو پس عدم صحت جمعہ پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے شرطیت ثابت ہو سکے اور نیز آیت فاسعوا الی ذکر اللہ مطلق ہے گاؤں وغیرہ سب کو شامل ہے جیسا کہ ابن ہمام نے تصریح کر دی ہے اور عام قرآن باعتبار اصول حنفیہ کے قطعی ہوتا ہے جب تک کسی قطعی کے ساتھ پہلے اس کے تخصیص نہ ہو جائے تب تک تخصیص اس کی خبر واحد کے ساتھ جائز نہیں ہوتی ہے اور جب کہ عام قطعی تخصیص خبر واحد سے جائز نہ ہوئی تو علی رضی اللہ عنہ کے قول سے تخصیص اس کی بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ اور دوسری دلیل شہر کے شرط ہونے پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو کہ مؤطا محمد میں ابو عبید سے روایت ہے کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا اور وہ دن جمعہ کا تھا سو جب وہ نماز ادا کر چکے تو خطبہ پڑھا اور لوگوں سے کہا کہ آج دو عیدیں جمع ہوئی ہیں یعنی جمعہ اور عید سو جو شخص جمعہ پڑھنا چاہے تو اس کا انتظار کرے اور جو گھر کو

پلٹ جانا چاہے تو پلٹ جائے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم خاص کسی دن کے واسطے ہے جس میں جمعہ اور عید جمع ہو جائے ہر جمعہ میں یہ حکم نہیں اسی واسطے صرف جمعہ میں ایسا کہنا کسی سے ثابت نہیں ہوا اور نیز بخاری کی روایت میں مطلق من کا لفظ آیا ہے عوالی وغیرہ کی اس میں کوئی قید نہیں اس صورت میں یہ حکم سب کو شامل ہوگا اور نیز اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس واسطے رخصت دی تھی کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں بلکہ احتمال ہے کہ اُن کے گھر دور ہونے کے واسطے یا کسی اور عذر کے واسطے ان کو اجازت دی ہو بلکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے اسی واسطے ان کو رخصت دی کہ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کو اجازت نہ دی گئی تو جمعہ کے منتظر بیٹھے رہیں گے سو اگر جمعہ فرض نہ ہوتا تو ان کو اجازت دینے کے کوئی معنی نہ تھے پس یہ اجازت ان کی بالکل لغو ہو جاتی پس یہ اجازت صریح ہے اس میں کہ وہ لوگ جمعہ کو واجب جانتے اور ہمیشہ سے جمعہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اسی واسطے ان کو اجازت دی گئی اور نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے لوگ عید کے دن بھی مدینے میں حاضر ہوا کرتے تھے پس جمعہ میں ان کا حاضر ہونا بطریقِ اولیٰ ہوگا کہ وہ فرض ہے اور نیز حنفیہ کے نزدیک جو گاؤں کہ شہر کے آس پاس ہو ان پر جمعہ کے واسطے شہر میں آنا واجب ہے پس مدینے کے آس پاس رہنے والوں کو اجازت کیوں دی گئی **فما هو جوابكم فهو جوابنا** اور جب کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ترک جمعہ کی اجازت دے دی تو معلوم ہوا کہ شہر کے آس پاس والوں کو شہر کا حکم نہیں پس اس سے شرطیت مصر اور فنا مصر کی جڑ اکھڑ گئی اور نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں میں رہنے والوں کا جمعہ صحیح اور منعقد ہو جاتا ہے اور یہ حنفیہ کے مذہب کے بالکل مخالف ہے اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ بغیر شرائط ادا کی جمعہ صحیح اور منعقد نہیں ہوتا **فبطل الاستدلال بهذا الحديث على اشتراط المصر وبالله التوفيق** اور تیسری دلیل شہر کے شرط ہونے پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مدینے کے آس پاس کے گاؤں سے لوگ جمعہ میں باری باری کے ساتھ آیا کرتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث میں دو لفظ واقع ہوئے ہیں ایک روایت میں **ينتابون** کا لفظ آیا ہے اور ایک روایت میں **يتناوبون** کا لفظ آیا ہے سو پہلے لفظ کا معنی صرف آنے کا ہے اور دوسرے لفظ کا معنی باری باری سے آنے کا ہے سو مراد اس دوسرے لفظ سے وہی پہلا معنی ہے یعنی لوگ جمعہ میں آیا کرتے تھے جیسے کہ نسائی وغیرہ کی روایت میں اس لفظ کے بدلے لفظ **يحضرون** کا آیا ہے یعنی حاضر ہوا کرتے تھے پس **يحضرون** کا لفظ اس کی تفسیر واقع ہوا ہے تا کہ ان لفظوں میں تطبیق ہو جائے اور نیز شہر کے آس پاس گاؤں والوں پر حنفیہ کے نزدیک جمعہ واجب ہے تو اب بقول ان کے بعض کے حاضر نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ فنا مصر کو مصر کا حکم نہیں ورنہ سب لوگ جمعہ میں حاضر ہوا کرتے **فما هو جوابكم فهو جوابنا** اور نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والوں کا جمعہ صحیح اور منعقد ہو جاتا ہے اور یہ حنفیہ کے مذہب کے مخالف ہے کہ اُن کے نزدیک بغیر وجود شرائط کے جمعہ منعقد نہیں ہوتا پس اگر اس حدیث سے

دلیل پکڑیں تو ان کا مذہب خود باطل ہو جائے گا اور نیز حنفیہ کے نزدیک فرضیت اور شرطیت خبر واحد سے ثابت نہیں ہو سکتی ۔ کہ کما تقرر فی الاصول اس لیے کہ زیادۃ علی الکتاب لازم آتی ہے پس اس حدیث سے شہر کی شرطیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں اور دوسری شرط ادا جمعہ کی ان کے نزدیک یہ ہے کہ بادشاہ مسلمان ہو بغیر اس کے جمعہ صحیح نہیں اور وہ اس شرط کی دلیل یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو فرض کیا ہے سو جو شخص اس کو چھوڑے اہانت کی رو سے یا انکار کی وجہ سے تو اس کا نماز اور روزہ اور حج زکوٰۃ وغیرہ کچھ قبول نہیں، الحدیث سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث نہایت ضعیف ہے بلکہ منکر اور موضوع ہے اس لیے کہ اس کے اسناد میں عبداللہ بن محمد عدوی ہے اور اس کو لوگ بلوی بھی کہتے ہیں سو امام وکیع نے کہا کہ یہ شخص موضوع حدیثیں بناتا تھا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کی حدیث منکر ہے اور ابن حبان نے کہا کہ اس کی حدیث سے دلیل پکڑنی جائز نہیں اور بیہقی نے اس کو دوسرے طریق سے روایت کیا ہے اور اس طریق میں ذکر وقار کا واقع ہوا ہے اور صالح بن جزرہ نے کہا کہ وہ جھوٹا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ وہ موضوع حدیثیں بناتا ہے اور مغنی میں کہا کہ اس کو جھوٹ کی تہمت لگاتے ہیں اور اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے سو اس کی سند میں موسیٰ بن عطیہ باہلی واقع ہوا ہے اور صاحب الزوائد نے کہا کہ اس کا حال کسی نے بیان نہیں کیا یعنی مجہول ہے اور یہ حدیث اس طور سے معروف نہیں اور اس حدیث کے تمام طرق کا مدار علی بن زید بن جدعان پر ہے سو امام احمد رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ علی بن زید ضعیف ہے اور ابن خزیمہ نے کہا کہ میں اس کے ساتھ دلیل نہیں پکڑتا ہوں کہ اس کا حافظہ خراب ہے اور سعید نے کہا کہ اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور بعض نے کہا کہ وہ سندوں کو بدل ڈالتا تھا اور دارقطنی نے اس حدیث کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ دونوں ثابت نہیں اور امام ابن عبدالبر نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد واہی ہے انتہی ۔ کذا ذکرہ النواب مع فی دلیل الطالب پس اب اس حدیث سے استدلال کرنا قطعا باطل ہوا چہ جائیکہ فرضیت یا شرطیت پر دلالت کرے اور نیز حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی ہے پس شرطیت بھی اس سے ثابت نہیں ہو گی اور نیز یہ حدیث بہت صحیح حدیثوں کی معارض ہے جو بغیر بادشاہ کے جمعہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں پس لامحالہ ان کو مقدم کیا جائے گا کہ تعارض کے وقت قوی کو ترجیح دی جاتی ہے اور ضعیف کو ترک کر دیا جاتا ہے اور نیز جمعہ کا مطلقا جائز ہونا یعنی بغیر بادشاہ کے عبارۃ النص سے ثابت ہے اور اصول میں مقرر ہو چکا ہے کہ جو حکم دلالۃ النص سے ثابت ہے وہ خبر واحد اور قیاس سے مقدم ہوتا ہے سو جو حکم عبارۃ النص سے ثابت ہو وہ بطریق اولیٰ خبر واحد سے مقدم ہو گا اس لیے کہ تعارض کے وقت عبارت مقدم ہوتی ہے دلالت پر کما تقرر فی الاصول پس اس حدیث سے استدلال یا استشہاد کرنا بالکل باطل ہے کہ ایسی ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے تائید لینی بھی جائز نہیں اور نیز یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ امام کے ہوتے جمعہ کا ترک کرنا جائز

نہیں تو معلوم ہوا کہ جب امام نہ ہو تو جمعہ کو ترک کرنا جائز ہے اور جب اس کا ترک کرنا جائز ہوا تو اس کا پڑھنا بھی جائز ہوگا پس ثابت ہوا کہ بدون بادشاہ کے جمعہ صحیح اور منعقد ہو جاتا ہے اور یہ حنفیہ کے مذہب کے مخالف ہے کما مر اور نیز اس حدیث میں حقارت اور انکار کی قید موجود ہے پس اس سے لازم آیا کہ اگر امام کے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے جمعہ کو ترک کرے حقارت یا انکار مراد نہ ہو تو اس صورت میں اس پر کچھ گناہ نہیں جمعہ کو ترک کرنا جائز ہے ورنہ یہ قید بالکل لغو ہو جائے گی جو اس حدیث کے باطل کرنے کو مستلزم ہے اور نیز اس صورت میں امام کے موجود ہونے کی قید بھی بالکل باطل ہو جائے گی پس نماز جمعہ کی صحت کے واسطے اس حدیث سے بادشاہ مسلمان کی شرط ہونے پر استدلال کرنا قطعا باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ نماز جمعہ کے واسطے بادشاہ کا ہونا شرط نہیں وباللہ التوفیق اور دوسری دلیل حنفیہ حاکم کے شرط ہونے پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ چار چیزیں حاکموں کی سپرد ہیں ایک ان میں سے جمعہ ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ عینی حنفی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ تو حنفیوں کے اس قصور کو دیکھ کر اس حدیث کے حال بیان کرنے سے کس طرح سکوت کر گئے ہیں جس کو صاحب ہدایہ نے بے اصل بیان کیا ہے اور جب مخالف کے پاس اپنے مذہب کے واسطے صحیح حدیثیں موجود ہیں تو پھر وہ اس حدیث بے اصل کو کیونکر مان لے گا انتہی۔ عینی کی اس کلام سے معلوم ہوا کہ صحیح حدیثوں سے کہ صحت جمعہ کے واسطے بادشاہ مسلمان کا ہونا شرط نہیں اور نواب والا جاہ رحمۃ اللہ علیہ کے موعظ حسنہ میں لکھا ہے کہ حدیث کے اماموں نے تصریح کی ہے ساتھ اس بات کے کہ یہ کلام نہ پیغمبر کی ہے اور نہ اصحاب کی ہے تاکہ اس کے معنی اور تاویل کی حاجت ہو بلکہ وہ حسن بصری کی کلام ہے اور بعض حنفیہ نے اس باب میں بہت طویل کلام کی ہے لیکن وہ محض لغو اور لا طائل ہے پس سب کا جواب یہی کافی ہے کہ یہ کلام شریعت کی نہیں اور جو کلام شریعت کی نہ ہو وہ مردود ہے پس یہ کلام مردود ہوئی انتہی۔ پس جب معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے تو اس سے استدلال کرنا جائز نہیں خاص کر صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں اس سے استدلال کرنا تو بالاتفاق جائز نہیں اور نیز جن اصحاب کی طرف یہ قول منسوب ہے اُن سے ان کے برخلاف بھی ثابت ہو چکا ہے پس اس کے ساتھ استدلال کرنا صحیح نہیں خاص کر ایسی حالت میں کہ حنفیہ کے نزدیک جب راوی اپنے مروی کے برخلاف عمل کرے تو وہ دلیل ہی ہوتی ہے اس کے منسوخ ہونے کی بنا علیہ یہ قول منسوخ ہوگا اور نیز جب حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی تو اس قول حسن بصری سے امام کی شرطیت کیسے ثابت ہو سکے گی اور باقی بحث اس حدیث کی ہماری کتاب کلام المتین میں موجود ہے شائق اس کا مطالعہ کرے اور تیسری دلیل حنفیہ شہر اور حاکم کی شرط ہونے پر یہ آیت پیش کرتے ہیں ﴿اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع﴾ الآیۃ یعنی جب اذان دی جائے واسطے نماز کے دن جمعہ کے تو دوڑو طرف ذکر اللہ کی اور چھوڑ دو بیچنا۔ کہتے ہیں کہ ذکر کے لیے

کوئی ذکر کرنے والا ضرور چاہیے سو وہ امام اعظم یعنی بادشاہ ہوگا اور بیچنا چاہتا ہے اس بات کو کہ کوئی شہر ہو اس لیے کہ بیچنا خریدنا شہر ہی میں ہوتا ہے تو اس آیت سے بطریق اشارۃ النص اور اقتضاء کے دونوں شرطیں ثابت ہوگئیں۔ سو جواب اس کا کئی وجہ سے ہے وجہ اول یہ ہے کہ اقتضائی معنی اس کا مطلق ذاکر ہے بادشاہ کی قید اس کے مفہوم میں داخل نہیں بلکہ یہ قید خارجی ہے جو اپنی رائے سے لگائی گئی ہے پس شرط سلطان کی اس آیت سے اقتضاء پر ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی ہے اور مطلق ذاکر کو سلطان کے ساتھ قید کرنا مردود ہے اس لیے کہ ذکر اور وعظ ونصیحت کرنے کے لیے یہ شرط نہیں یہ کہ اس کے واسطے خاص کوئی بادشاہ ہو بلکہ ہر عالم اور ہر فاضل کو وعظ اور ذکر کرنا جائز ہے بلکہ ہر ایک شخص کو حکم ہے کہ لوگوں کو وعظ سنائے اور جو کلمہ کلام کسی عالم سے سنے وہ اور لوگوں کو پہنچائے جیسے کہ بہت آیات اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں سو ان میں سے ایک آیت یہ ہے ﴿ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر﴾ یعنی چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور نیک بات بتلائے اور برے کام سے ہٹا دے اور ایک آیت یہ ہے ﴿فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة﴾ اور ایک حدیث یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا پہنچاؤ مجھ سے اگرچہ ایک ہی آیت ہو اور آپ نے حجۃ الوداع کے دن فرمایا کہ حاضر آدمی غائب کو پہنچا دے اور فرمایا اللہ تروتازہ کرے منہ اس شخص کا جو میری حدیث سن کر یاد رکھے اور پھر اس کو اسی طرح پہنچا دے پس ان آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوا کہ خطبے اور ذکر کے واسطے بادشاہ کا ہونا لازم نہیں بلکہ اور لوگوں کو بھی وعظ اور ذکر کرنا جائز ہے پس یہ شرط اس آیت سے ثابت نہ ہوئی وجہ دوم یہ ہے کہ اگر خطبے اور ذکر کے واسطے بادشاہ کا ہونا لازم ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس زیادتی میں کسی عالم کو وعظ ونصیحت کرنا جائز نہ ہو پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس زمانے میں بالکل جائز نہ ہوگی اور اس بنا پر نہ کسی عالم کو مسئلہ بتلانا جائز ہوگا اور نہ کسی مفتی کو فتویٰ دینا جائز ہوگا تو اس صورت میں عجب نہیں کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں حلال ہو جائیں اور حلال کی ہوئی حرام ہو جائیں اور یہ سخت الحاد اور پرلے درجے کا زندقہ ہے پس لازم آیا کہ ہر عالم کو وعظ اور ذکر کرنا جائز ہے پس نماز جمعہ کی صحت کے واسطے اس آیت سے بطریق اقتضاء کے بادشاہ کا شرط ہونا ثابت نہ ہوا اس لیے کہ دلالت اقتضاء اس کو کہتے ہیں کہ دلیل ایسے معنی پر دلالت کرے کہ جو موضوع لہ کو پہلے سے لازم پڑا ہوا ہو اور یہاں بادشاہ کا ہونا موضوع لہ کو پہلے سے لازم نہیں اس لیے کہ ذکر مطلق ذکر کو مستلزم ہے خاص کسی ذاکر کو مستلزم نہیں اور مطلق ذاکر میں عالم وغیرہ بھی شامل ہیں کما مر پس اس آیت سے استدلال کرنا باطل ہے اور یہ فرق کرنا کہ نماز جمعہ میں فتنے وفساد کا خوف ہے پس حاکم ہونا ضروری ہے بخلاف پنجگانہ نماز کے کہ اس میں فتنے کا خوف نہیں سو مخالف اس خیال کو گوزشتر کے برابر سمجھتا ہے اس لیے کہ فتنے کا خوف ہر جگہ موجود ہے اور نیز اب اس ملک ہند میں تو سرکار انگریزی کا ایسا انتظام ہے کہ خواہ لاکھوں آدمی جمع ہوں کوئی دم نہیں مار سکتا اور یوں تو کشت خون

ناحق عرب میں سب ملکوں سے زیادہ ہے خاص کر کے ومدینے میں بھی موجود ہے پس عرب میں بھی جمعہ جائز نہ ہوگا۔ سوم اس وجہ سے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک ذکر سے مراد فقط نماز ہے اور جب ذکر سے مراد فقط نماز ہوئی تو اس صورت میں موضوع لہ کا پہلا لازمی معنی مطلق نماز ہی ہوگا پس بادشاہ کا شرط ہونا اس آیت سے اقتضاء ثابت نہیں ہو گا۔ چہارم اس وجہ سے کہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ غلام اور مسافرین اس آیت کے عموم سے مخصوص ہیں پس دوسری ظنی کے ساتھ اس کی تخصیص جائز ہوگی اور نیز کہا کہ یہ آیت عموم امکنہ پر دلالت کرتی ہے پس یہ کلام ابن ہمام کی دلالت کرتی ہے اس پر کہ اس آیت سے بطریق عبارۃ النص کے عموم ثابت ہے اطلاق نہیں پس یہ آیت عبارۃ اس بات پر دلالت کرے گی کہ جمعہ مطلق جائز ہے خواہ بادشاہ ہو یا نہ ہو سو اس وقت عبارۃ اور اقتضاء میں تعارض واقع ہو گا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تعارض کے وقت عبارۃ مقدم ہوتی ہے اقتضاء اور اشارت پر پس عبارت کو ترجیح دی جائے گی اشارت پر پس اس آیت کو مطلق ٹھہرانا اور پھر مطلق کو مقید پر حمل کرنا بنا فاسد علی الفاسد ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ایک آیت میں تعارض کا واقع ہونا ممکن نہیں ورنہ ناسخ اور منسوخ کا اکٹھا ہونا لازم آئے گا تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ خیال وہی شخص فرض کرسکتا ہے جو علم سے بے نصیب اور عقل سے بے بہرہ ہو اس لیے کہ دو دلیلوں میں محض تعارض کا واقع ہونا نسخ کو مستلزم نہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواہ مخواہ ایک ناسخ ہو اور دوسرا منسوخ ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ ایک کا دوسرے سے مقدم یا مؤخر ہونا ثابت ہو جائے اور نیز اس کی یہ بھی شرط ہے کہ دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو **كما صرح به الشيخ بن حجر في النخبة وشرحه وغيره في غيره** پس محض تعارض کو نسخ لازم ٹھہرانا بڑی سخت کج فہمی ہے اور تلویح میں لکھا ہے کہ جب دو دلیلیں آپس میں معارض ہوں تو خالی نہیں کہ یا تو دونوں قوت میں مساوی ہوں گی یا نہیں ہوں گی بر شق ثانی ایک کی زیادتی یا تو بمنزلہ تابع کے ہوگی یا نہیں سو پہلی صورت میں تعارض باقی ہے اور ترجیح نہیں اور دوسری میں تعارض ہے لیکن ایک کو ترجیح ہے اور تیسری میں حقیقتاً تعارض نہیں صورۃً ہے اس لیے کہ تعارض میں مساواۃ شرط ہے سو ہر دونوں اخیر صورتوں کا یہ حکم ہے کہ اقوی کے ساتھ عمل کیا جائے اور اضعف کو ترک کیا جائے یہاں تک کہا کہ اگر تطبیق ممکن ہو باعتبار حکم کے یا محل کے یا زمانے کے تو تطبیق ہی دینی ضروری ہوگی اور دونوں کے ساتھ عمل کیا جائے گا انتہیٰ ملخصا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مجرد تعارض کا واقع ہونا نسخ کو مستلزم نہیں بلکہ اول مساوات شرط ہے پھر تقدم تاخر ثابت ہونا شرط ہے پھر عدم امکان تطبیق شرط ہے اور اگر مساوات نہ ہو تو پھر لامحالہ ترجیح ہے اور چونکہ مانحن فیہ میں عبارت اور اشارت میں تعارض واقع ہوا ہے تو اب لامحالہ عبارت کو اشارت پر ترجیح دی جائے گی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تعارض کی کئی صورتیں ہیں اور حکم ہر ایک کا مختلف ہے بلکہ اصول میں یہ بھی لکھا ہے کہ **اذا تعارضا تساقطا** اور نیز مطلق اور مقید کا ایک آیت میں جمع ہونا بھی ممکن نہیں **فما هو جوابكم فهو جوابنا** اور اسی طرح اس آیت سے بطریق اقتضاء کے شرط شہر کا نکالنا بھی باطل ہے اولا اس

طرح کہ اس آیت میں مطلق بیع کا ذکر ہے خواہ بہت ہو خواہ تھوڑی ہو پس گاؤں کو بھی یہ آیت شامل ہو گی اس لیے کہ تھوڑی خرید وفروخت سے تو کوئی گاؤں بھی خالی نہیں ہے پس شرطیت مصر پر اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ ثانیا اس طرح کہ اگر بیچنا فقط شہر پر ہی منحصر رکھا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ جو خرید وفروخت دیہات اور اطراف میں ہوتی ہے وہ بیع شرعا جائز نہ ہو حالانکہ یہ بات بالا جماع باطل ہے پس ثابت ہوا کہ پہلا معنی لازم موضوع لہ کا وہ ہے جس جگہ بیع واقع ہو خواہ شہر ہو خواہ گاؤں پس شرط مصر کی اس سے ثابت نہیں ہو سکے گی۔ ثالثا اس طرح کہ لازم متقدم معنی موضوع لہ یعنی بیع کا مکان بیع ہونا مسلم نہیں بلکہ لازم متقدم معنی اس کا بائع ہے یعنی خرید وفروخت کرنے والا اس لیے کہ بیع کے واسطے ضروری ہے کہ کوئی اس کا موجد ہو کہ فعل کا موجود ہونا فاعل پر موقوف ہے کسی مکان پر موقوف نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ بیع بغیر بائع کے موجود ہو جائے حالانکہ یہ بات سرے سے ہی باطل ہے اور نیز مکان کا لازم ہونا تو دنیا کے تمام کاموں میں موجود ہے پھر اس سے لازم آئے گا کہ ہر لفظ میں مدلول اقتضائے مکان ہی ہے حالانکہ یہ بات بھی قطعا باطل ہے اور نیز مکان مراد لینے سے لازم آئے گا کہ ذکر میں بھی مدلول اقتضائے مکان ہی ذکر ہو حالانکہ وہ خصم کو سخت مضر ہے پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں بیع کا مدلول اقتضائے مکان بیع کو ٹھہرانا قطعا باطل ہے۔ رابعا اس طرح کہ یہاں بیع سے مراد عام کاروبار ہے خواہ بیع ہو یا دنیا کا کوئی اور کام ہو ورنہ مزدور پیشہ لوگوں کو جمعہ کا حکم شامل نہیں ہو گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ گاؤں میں بہ نسبت بیع کے اور کام دنیاوی زیادہ ہوتے ہیں بلکہ شہر سے بھی زیادہ ہوتے ہیں اس لیے کہ اس میں سوائے بیع کے اور کام بہت کم ہوتے ہیں پس اس صورت میں دیہات میں جمعہ پڑھنا بطریق اولی جائز ہو گا۔ خامسا بایں طور کہ اگر امام کے سوا تین آدمی اور ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے اور جب تین آدمی کے ساتھ امام کے نزدیک جمعہ پڑھنا صحیح ہوا تو شہر اور بادشاہ کی شرط کو اس آیت سے اقتضاء کا نکالنا باطل ہوا اس لیے کہ جس جگہ میں فقط چار ہی نمازی ہوں وہاں بیع کیونکر ثابت ہو گی اور نیز جس شہر میں فقط چار ہی نمازی ہوں تو ان کو شہر کا ہونا یا نہ ہونا اور بیع کا ہونا یا نہ ہونا مضر یا کیا مفید ہے اور اسی طرح بادشاہ کا ثابت ہونا بھی ممکن نہیں اس لیے کہ وہ مخالف کے نزدیک خوف فتنے کے واسطے شرط ٹھہرایا گیا ہے اور تین آدمی بلکہ دس، بیس، پچاس آدمی میں بھی مثلا فتنے کا خوف نہیں اور نیز اگر تین یا زیادہ آدمی کے واسطے بھی بادشاہ کا ہونا شرط ہے تو پھر شہروں کی اکثر مسجدوں میں تو نماز پنجگانہ میں بھی دو دو تین تین سو بلکہ ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں پس اس میں بھی بادشاہ کا ہونا شرط ہو گا اور بغیر اس کے کسی کی نماز صحیح نہیں ہو گی اور یہ بالا جماع باطل ہے اور یہ دلیل ایسی ہے کہ اگر مخبر دوبارہ زندہ ہو تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا جواب نہ دے سکے گا اور بعض حنفی حدیث جواثی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جواثی قلعہ تھا اور گاؤں کا اطلاق شہر پر بھی آیا ہے جیسا کہ قرآن میں مکے کو گاؤں کہا گیا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ خود نفس حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ جواثی گاؤں ہے اور یہ

نص ہے محل نزاع میں اور جب نفس حدیث میں اس کا گاؤں ہونا ثابت ہو چکا تو اس کی طرف رجوع کرنا اولی ہے بکری وغیرہ کے قول سے کما قالہ القسطلانی تو پھر اس کو شہر کہنا ہرگز صحیح نہیں اور اگر شہر تسلیم بھی کیا جائے تو کہا جائے گا کہ قلعہ ہونا گاؤں کے منافی نہیں اور نیز یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے گاؤں ہو پھر شہر ہو گیا ہو **كذا قاله الحافظ في الفتح** پس اب اس کو شہر کہنا مخالف کو کچھ مفید نہیں اور نیز اس حدیث میں صریح موجود ہے کہ **جواثى قرية من قرى البحرين** یعنی جواثی گاؤں ہے بحرین کے گاؤں سے پس اس صورت میں اگر جواثی کو شہر فرض کر کے گاؤں کا اطلاق اس پر تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ بحرین کے ہر ہر گاؤں کو شہر کہا جائے اس لیے کہ اس کو بحرین کے گاؤں میں سے شمار کیا گیا ہے سو اگر وہ شہر ہو گا تو بحرین کے سب گاؤں شہر ہو جائیں گے تو اب معنی اس کلام کا یہ ہو گا کہ جواثا شہر ہے بحرین کے شہروں میں سے ورنہ اس کو ان گاؤں میں سے شمار کرنا بالکل صحیح نہیں ہو گا حالانکہ بحرین کے سب گاؤں کا شہر ہونا واقعہ کے بالکل مخالف ہے اور اس کا کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ جواثا گاؤں ہے بحرین کے گاؤں سے اور نیز اگر جواثا شہر ہوتا تو پھر راوی کا اس واقعہ کو بیان کرنا بالکل لغو تھا کہ شہروں میں جمعہ پڑھنا تو بالاجماع جائز ہے اور نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوداؤد رحمہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمہ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ اور محمد بن طہمان وغیرہ محدثین کے نزدیک جواثی گاؤں ہے اور یہ لوگ بڑی لغت جاننے والے ہیں پس ان کے قول پر اعتماد کرنا زیادہ لائق ہے اور نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے جو مصر کی تعریف کی ہے وہ اس پر صادق نہیں آتی ہے یعنی بازاروں، ریاستوں وغیرہ کا ہونا **ومن ادعى خلافا فعليه البيان بالبرهان** اور بعض حنفی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے اور آپ کو ان کا جمعہ پڑھنا معلوم نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک بار مدینے کے لوگ حج کو آئے تھے سو ان کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تب آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے اور دوسرے سال مدینے کے بہت لوگ جمع ہو کر حج کو آئے اور آپ سے ملاقات کی اور مسلمان ہو گئے اور آپ نے ان کو اسلام کے احکام سکھلائے سو اب احتمال ہے کہ اس وقت آپ نے ان کو جمعہ پڑھنے کا حکم بھی دے دیا ہو **وعلى هذا القياس بناء على ان الجمعة فرضت بمكة كما قاله البعض** اور نیز بعد ہجرت کے تو ضرور ہے کہ آپ کو ان کے جمعہ سے اطلاع ہوئی ہو کہ اس وقت مسلمان فقط سو آدمی یا زیادہ تھے اور اسلام کی ابتدا تھی ہر وقت نماز وغیرہ کا فکر تھا اور یہی ہر وقت ذکر تھا پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان کے جمعہ پڑھنے کی خبر نہ ہوئی ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خبر ہو گئی ہو جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی پورے بالغ نہیں ہوئے تھے یہ عجب بات ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کو ان کے حال سے اطلاع ہو گئی ہو گی سو بعد اطلاع کے آپ نے ان کو منع نہ کیا بلکہ اس کو برقرار رکھا اور نیز اگر ان کا جمعہ پڑھنا اجتہاد سے فرض کیا جائے تو کیا چالیس اصحاب کا اجتہاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے اجتہاد سے کم ہے کہ اس کا اعتبار نہ

کیا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شہر کا میدان تھا اور شہر کے میدان کا حکم شہر کا ہوتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فنا مصر اس جگہ کو کہتے ہیں جو گھوڑے دوڑانے اور تیر اندازی اور جنازہ وغیرہ کے واسطے تیار کی گئی ہو سو اس تعریف سے اس جگہ کا فنا مصر ہونا بالکل ثابت نہیں ہوسکتا اور یہ تعریف فنا کی اس پر ہرگز صادق نہیں آسکتی ہے خاص کر اس وقت میں تو وہ لوگ ان باتوں کا نام ونشان بھی نہیں جانتے تھے اور نیز یہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے وہاں اس لحاظ سے جمعہ پڑھا تھا کہ یہ فنا مصر ہے اور بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ہند کا ملک دار الحرب ہے پس اس ملک میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں سو جواب اس کا کئی وجہ سے ہے اول وجہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دار الحرب ہونے کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ اس میں کوئی اسلام کا حکم جاری نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ دار الحرب کے متصل ہو اس طرح کہ اسلام کا کوئی شہر ان کے درمیان نہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان اور ذمی اپنی امان سابق پر باقی نہ رہا ہو کذا فی الزیادات اور عمادی میں لکھا ہے کہ اگر ایک نشانی بھی اسلام کی باقی ہو تو جب بھی وہ ملک دار الحرب نہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتہی۔ سو اس ملک ہند میں یہ تینوں شرطیں موجود ہیں کہ اسلام کے احکام بھی اس میں جاری ہیں اور کسی دار الحرب کے ساتھ بھی متصل نہیں کہ ان کے درمیان کوئی اسلام کا شہر نہ ہو اور مسلمان وغیرہ سب لوگ اپنی امان سابق پر باقی ہیں اور اپنی جائیداد اور ریاستوں اور املاک اور اموال پر قابض ہیں اور کل اختیار رکھتے ہیں جس کو چاہیں بیچ ڈالیں اور جس کو چاہیں ہبہ کر دیں ہر طرح سے ان کو اختیار ہے کوئی ان کو مانع نہیں اور کوئی ان پر جبر نہیں کر سکتا پس ثابت ہوا کہ ملک ہند دار الحرب نہیں خاص کر عمادی کے قول سے اس ملک کا دار الاسلام ہونا تو اظہر من الشمس ہے کہ کوئی دشمن بے عقل بھی اس میں شک نہیں کر سکتا ہے۔ وجہ دوم یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کافر بادشاہ کی طرف سے کسی شہر پر مسلمان حاکم مقرر ہو تو اس میں عیدین اور جمعہ پڑھنا جائز ہے اور جو ملک کہ بادشاہ کافر کے ماتحت ہو وہ بے شک دار الحرب ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ وجہ سوم یہ کہ درمختار میں لکھا ہے کہ دار الحرب میں اگر اسلام کے بعض احکام مثل جمعہ اور عیدین وغیرہ کے جاری ہو جائیں تو وہ ملک دار الاسلام ہو جاتا ہے اس بنا پر ملک ہند دار الاسلام ہوا۔ وجہ چہارم یہ کہ امام ناصری نے منشور میں لکھا ہے کہ دار الحرب اسلام کے احکام جاری ہونے سے دار الاسلام ہو جاتا ہے سو جب تک کہ ایک علامت اسلام کی بھی باقی رہے تو جانب اسلام ہی کو ترجیح ہو گی پس معلوم ہوا کہ ہند دار الاسلام ہے کہ اکثر احکام اسلام کے اس میں جاری ہیں۔ وجہ پنجم یہ کہ بڑے احکام اسلام کے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ہیں کہ اصل بناء اسلام کی ان پر موقوف ہے سو جب یہ احکام اس ملک میں ادا کرنے جائز ہیں تو پھر جمعہ بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا اور اگر جمعہ جائز نہیں تو پھر ان احکام کے اس ملک میں جائز ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ وجہ ششم یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ دار الحرب ہونا جمعہ اور عیدین وغیرہ کے پڑھنے کے منافی ہے جیسا کہ یربوع وغیرہ

کے ملک میں جاری تھا اور اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز وغیرہ کا اعتبار نہ کر کے ان کو قتل کیا تھا تو اس سے لازم آئے گا کہ اب اس ملک ہند میں بھی نماز وغیرہ کا اعتبار نہ کیا جائے پس نماز روزہ وغیرہ کا ادا کرنا اس ملک میں بھی جائز نہ ہوگا ومن ادعى خلاف ذلك فعليه البيان بالبرهان اور اگر کوئی کہے کہ ان فقہ کہ عبارتوں میں مراد احکام اسلام سے احکام سیاست کے ہیں یعنی حدود شرعیہ کا قائم کرنا ہے احکام عبادت کے یعنی نماز روزہ وغیرہ اُن سے مراد نہیں پس نماز روزے وغیرہ عبادات کے باقی رہنے سے یہ ملک دارالاسلام نہیں ہوسکتا کہ اس میں احکام سیاست یعنی حدود شرعیہ جاری نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ اول زیادات کی عبارت میں حکم کا لفظ آیا ہے اور وہ نکرہ ہے جو تحت نفی کے واقع ہوا ہے اور نکرہ تحت نفی ہمیشہ عام ہوتا ہے پس سب احکام اسلام کو شامل ہوگا خواہ سیاستی ہوں یا عبادتی اور اسی طرح عمادی کی عبارت میں بھی شعیرۃ کا لفظ نکرہ واقع ہے اور اسی طرح منثور اور واقعات کی عبارت میں بھی شئے اور علقه کا لفظ نکرہ واقع ہوا ہے اور شرح اسبیجابی میں بھی حکم کا لفظ آیا ہے پس یہ نکرات سب احکام اسلام کو شامل ہیں خواہ سیاستی ہوں یا عبادتی ہوں پس جب تک کوئی حکم اسلام کا باقی رہے گا تب تک کسی ملک کو دارالحرب نہیں کہا جائے گا خاص کر منثور کی عبارت میں تو بالکل احکام سیاستی مراد نہیں ہوسکتے ہیں کہ اس میں ترجیح کا لفظ بولا گیا ہے اور جب کہ احکام سیاستی پائے جائیں تو پھر قطعا دارالاسلام ہو جاتا ہے پھر ترجیح کا کوئی معنی نہیں کہ اس میں دونوں طرفیں مساوات میں قریب قریب ہوتی ہیں گو ایک راجح ہو اور دوسری مرجوح اور نیز اگر کسی ملک کا دارالاسلام ہونا احکام سیاست کے جاری ہونے پر موقوف ہوتا تو ملک یربوع کو دارالاسلام کا حکم دیا جاتا اس لیے کہ اس میں احکام سیاست وغیرہ کے سب جاری تھے فقط انہوں نے زکوۃ سے انکار کیا تھا جس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے لڑائی کی اور نیز اگر دارالاسلام ہونا احکام سیاست پر موقوف ہے تو پھر اس سے لازم آئے گا کہ مدینہ وغیرہ بھی دارالاسلام نہ ہو اس لیے کہ اس ملک میں بھی حدود شرعیہ جاری نہیں بلکہ حدود شرعیہ کا کوئی نام بھی نہیں جانتا پس اب ملک عرب میں بھی جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا اور نیز احکام ملک داری بھی ملک ہند میں بہت جاری ہیں مدعا اور مدعا علیہ کی رضامندی سے اکثر مقدمات شرع پر فیصلے کیے جاتے ہیں اور اگر اس ملک کے لوگ سرکار برطانیہ سے حدود شرعیہ کے جاری کرنے کی استدعا کریں تو بے شک سرکار حدود شرعیہ کو جاری کر دے اس لیے کہ سرکار کا اصل مقصود یہی ہے کہ ملک کا انتظام ہو اور فتنہ فساد دفع ہو جائے اور خلقت امن سے رہے پس اس میں اہل اسلام کا قصور ہے سرکار کا کچھ قصور نہیں کہ خود مسلمان حدود شرعیہ کو پسند نہیں کرتے نیز کسی کو طاقت نہیں کہ اہل اسلام کے دین کو بدل سکے اور مسلمانوں سے نماز روزہ وغیرہ جبرا چھوڑا کر ان کو کافر بنا دے اگر کوئی اہل اسلام پر ایسا جبر کرے تو سب مسلمان پھانسی مل جانا منظور کریں مگر دین کو نہ چھوڑیں سوائے مچھانے والے مولوی صاحب کے کہ وہ دین کو چھوڑنا منظور کریں مگر مرجانا منظور نہ کریں معلوم ہوا کہ ملک ہند میں احکام اسلام کا جاری ہونا از روئے غلبہ اسلام کے ہے نہ اس کے مغلوب ہونے کی

وجہ سے پس حاصل کلام اس مقام میں یہ ہے کہ ملک ہند کا دار الاسلام ہے اور اس میں جمعہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اس میں کچھ شک نہیں اور جو شخص کہ سلطنت انگریزی کے سبب سے اس ملک کو دار الحرب کہے اور اس میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہ رکھے تو وہ خود گمراہ ہے اور اس نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا نعوذ **باللہ من ھذا العمی والخذلان وباللہ الاعتصام علیہ التکلان** پس اس تقریر میں مچھانے والے مولوی صاحب کے رسالے کا مختصر جواب ادا ہو گیا اس لیے کہ وہ ہند میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے ہیں اللہ ان کو اس سے توبہ نصیب فرمائے **وما ذلک علی اللہ بعزیز** اور مترجم نے ان کا مفصل جواب بھی مدت سے لکھ رکھا ہے انشاء اللہ تعالیٰ کبھی کسی موقع پر طبع کرایا جائے گا۔

بَابُ هَلْ عَلٰى مَنْ لَّمْ يَشْهَدِ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِّنَ النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ.

جن لوگوں پر جمعہ واجب نہیں جیسا کہ عورتیں اور نابالغ لڑکے اور مسافر اور غلام وغیرہ ہیں تو ان پر جمعہ کا غسل بھی واجب نہیں۔

فائدہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا غسل ہر مسلمان پر واجب ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی آئندہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی جمعہ میں حاضر نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں اور ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث آئندہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے پر جمعہ کا غسل واجب نہیں اور عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے سے نہ منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جمعہ ان پر واجب نہیں ورنہ رات کی قید لگانے کے کوئی معنی نہ تھے لیکن مراد امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ غسل جمعہ کا صرف اسی شخص کے واسطے ہے جس پر جمعہ واجب ہے جیسا کہ اس اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنَّمَا الْغُسْلُ عَلٰى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نہانا تو صرف اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہو۔

فائدہ: بیہقی کے طریق میں اس حدیث کے آخر میں اتنا لفظ زیادہ آیا ہے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو رات سے پہلے اپنے گھر میں پلٹ کر آ سکے پس اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی جمعہ پڑھ کر رات سے پہلے اپنے گھر میں نہ آ سکے اس پر جمعہ فرض نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کا غسل صرف اسی شخص کے واسطے ہے جس پر جمعہ فرض ہو دوسرے پر نہیں اور یہی وجہ ہے مطابقت اس اثر کی باب سے اور یہی مذہب ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا اس لیے کہ یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ جو آثار امام بخاری رحمہ اللہ ترجموں میں لاتا ہے جس معنی پر وہ دلالت کریں وہی بات اس کے نزدیک مختار ہوتی ہے۔

٨٤٥ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ حَدَّثَنِيْ سَالِمُ

٨٤٥۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ جو شخص جمعہ میں آنا چاہے

بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَآءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

تو چاہیے کہ غسل کرے۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جمعہ میں آنا نہ چاہے تو اس پر غسل نہیں پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٨٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

٨٤٦۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک بالغ جوان پر واجب ہے۔

٨٤٧ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ فَهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ فَغَدًا لِلْيَهُوْدِ وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارٰى فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ رَوَاهُ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَغْتَسِلَ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا.

٨٤٧۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم دنیا میں سب امتوں سے پیچھے پیدا ہوئے اور قیامت میں سب سے آگے ہوں گے صرف اتنا فرق ہے کہ اگلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے ملی اور ہم کو ان کے پیچھے ملی سو یہ دن جمعہ کا وہ ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا سو اللہ نے ہم کو اس کی راہ بتلائی سو سنیچر کا دن یہود کے واسطے ہے اور اتوار نصاریٰ کے واسطے ہے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا پھر فرمایا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہفتے میں ایک دن غسل کرے جس میں اپنے بدن اور سر کو دھوئے اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہفتے میں ایک دن نہائے۔

فائدہ: اس حدیث میں مراد ایک دن سے خاص جمعہ کا دن ہے مطلق کوئی دن نہیں جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں آ گیا ہے۔

٨٤٨ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَآءُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ائْذَنُوْا لِلنِّسَآءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ.

٨٤٨۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں نماز کے واسطے جانے کی اجازت دو۔

فائدہ: اگر کوئی کہے کہ رات کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کو عورتیں باہر نہ نکلیں اور چونکہ جمعہ بھی دن کی نماز ہے تو اب عورتوں کو اس میں آنا جائز نہ ہوگا سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ مفہوم مخالف نہیں بلکہ موافق ہے اس لیے کہ رات میں دن سے فتنے کا زیادہ خوف ہے اور جب رات کو ان کا نکلنا جائز ہوا تو دن کو نکلنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور بعض حنفیوں نے اس کے برعکس تقریر کی ہے یعنی حرام کار اور بد معاش لوگ رات کو اپنے سونے اور فسق وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور دن کو تمام جگہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور ایسا ہونا اگرچہ ممکن ہے لیکن رات کو فتنے کا خوف بیشک زیادہ ہے اور یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ رات میں ہر فاسق فسق میں مشغول ہو جائے اور بدمعاش لوگ دن کو اکثر بدنامی سے ڈرتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کے سبب عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے اور جب عورتوں کا دن کو باہر نکلنا بطریق اولیٰ ثابت ہوا تو جمعہ میں حاضر ہونا بھی ضرور ہوگا اور جو جمعہ میں حاضر ہو اس پر غسل کرنا واجب ہے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور اگر مفہوم مخالف مراد لیا جائے تو دن کو نکلنا منع ہوگا پس جمعہ ان پر واجب نہ ہوگا پس غسل بھی واجب نہیں ہوگا اور ایسی بات کو ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ رات اور دن آپس میں ضد ہیں۔

٨٤٩ ۔ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَآءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيْلَ لَهَا لِمَ تَخْرُجِيْنَ وَقَدْ تَعْلَمِيْنَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ قَالَتْ وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَّنْهَانِيْ قَالَ يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا

٨٤٩۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی تھی کہ صبح اور عشاء کو جماعت کے واسطے مسجد میں حاضر ہوا کرتی تھی سو کسی نے اس کو کہا کہ تو گھر سے باہر کیوں نکلتی ہے حالانکہ تو جانتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اس کو برا جانتے ہیں اور اس پر غیرت کرتے ہیں سو اس نے کہا کہ پھر کون سی چیز اس کو روکتی ہے کہ مجھ کو منع نہیں کرتے اس نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس کو منع کرتا ہے کہ نہ منع کرو اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے۔

تَمْنَعُوْا إِمَآءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ.

فائدہ: یہ حدیث اگر چہ مطلق ہے رات اور دن کو شامل ہے لیکن دوسری حدیثوں کے قرینہ سے مقید ہے یعنی مراد اس میں صرف رات ہے اور جب رات کے ساتھ مقید ہوئی تو دن کو جمعہ میں نکلنا واجب نہ ہوگا پس غسل بھی واجب نہ ہو گا اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور اس باب کی بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ان پر غسل بھی فرض نہیں اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا فقط انہیں لوگوں پر واجب نہیں ہے جن پر جمعہ واجب ہے اور جن پر جمعہ واجب نہیں ان پر غسل بھی واجب نہیں سو امام بخاری رحمہ اللہ نے اجتہاد کیا کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ان پر غسل بھی واجب نہیں چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے اس بات پر استدلال کیا تو گویا جن حدیثوں سے عموما ہر مسلمان پر غسل ثابت ہوتا ہے اُس سے مراد خاص وہی شخص ہے جس پر جمعہ واجب ہے لیکن کوئی حدیث مرفوع ان کی مخصص نہیں پس یہ تردد باقی رہتا ہے اور اس طور سے دفع ہوسکتا ہے کہ کہا جائے کہ جو شخص جمعہ میں حاضر ہو اس پر غسل کرنا واجب ہے بشرطیکہ جمعہ اس پر واجب ہو اور جس پر جمعہ واجب نہیں اگر وہ ثواب کے واسطے جمعہ میں حاضر ہو تو وہ بھی غسل کرے اور کسی اتفاق سے جمعہ میں آئے تو نہ کرے اور یہ بھی منقول ہے امام مالک رحمہ اللہ سے لیکن غسل میں زیادہ احتیاط ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ الرُّخْصَةِ إِنْ لَّمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ.

اگر کوئی شخص مینہ کے دن جمعہ میں حاضر نہ ہو اور اپنے گھر میں نماز پڑھ لے تو اجازت ہے کچھ گناہ نہیں۔

فائدہ: اگر کوئی شخص مینہ کے دن جمعہ کو چھوڑ دے اور گھر میں نماز پڑھ لے تو جائز ہے خواہ مینہ بہت برستا ہو یا ہلکا ہو اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا اور شافعیہ اور حنبلیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کو ترک کرنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ کپڑا خوب تر ہو جائے اور اگر ہلکا مینہ برستا ہو یعنی کوئی کوئی قطرہ پڑتا ہو یا دیواروں وغیرہ کے سائے میں چل کر مسجد تک پہنچ سکتا ہو تو ایسے وقت میں گھر میں نماز پڑھنا اور جمعہ کو ترک کرنا جائز نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مینہ برسنے کے دن جمعہ چھوڑنا بالکل جائز نہیں لیکن حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو اس باب میں ابھی آتی ہے حجت ہے امام مالک رحمہ اللہ پر کہ اس سے صریحاً جواز معلوم ہوتا ہے۔

٨٥٠ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ إِذَا قُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ

٨٥٠۔ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مینہ برسنے کے دن اپنے موذن سے کہا کہ جب تو اذان میں اشهد ان محمدا رسول الله کہے تو پھر بعد اس کے حی علی الصلوة نہ کہہ بلکہ اس کے بدلے یہ کلمہ کہہ صلوا فی بیوتکم یعنی اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قُلْ صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوْا قَالَ فَعَلَهٗ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَّإِنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُوْنَ فِي الطِّيْنِ وَالدَّحَضِ.

پڑھو سو جیسے کہ لوگوں نے اس سے انکار کیا یعنی کہنے لگے کہ ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا سو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کو اس شخص نے کیا تھا جو مجھ سے بہتر ہے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہے میں نے اپنی رائے سے ایسا نہیں کیا اور کہا کہ بیشک جمعہ فرض ہے اور میں نے اس بات کو ناگوار جانا کہ تم کو تکلیف میں ڈالوں سو تم کیچڑ اور پاؤں پھسلنے کی جگہ میں چل کر آؤ۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مینہ کے دن جمعہ ترک کر دے تو جائز ہے گناہ نہیں اور ظاہر اس حدیث سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ سبب رخصت کا پھسلنا اور کیچڑ ہے لیکن چونکہ مینہ اس کا سبب ہے اس واسطے ترجمے میں مینہ کی قید لگائی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مینہ پہلے برس گیا ہو اور کیچڑ کی کثرت ہو تو اس وقت بھی جمعہ کو ترک کر دینا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مینہ بھی جمعہ کے ترک کرنے کا ایک عذر ہے۔

بَابُ مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ وَعَلٰى مَنْ تَجِبُ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾.

کتنی دور اور کتنے کوس سے جمعہ کے واسطے آنا واجب ہے اور جمعہ کس شخص پر واجب ہے واسطے دلیل اس آیت کہ جب اذان دی جائے واسطے نماز کے دن جمعہ کے تو دوڑو طرف ذکر اللہ کی۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اس پر کہ جو شخص اذان کو سنے اس پر جمعہ واجب ہے خواہ حقیقتاً اذان کو سنے یا حکماً سنے یعنی اس جگہ تک اذان کی آواز پہنچے اگرچہ وہ نہ سنے جیسے کہ بہرہ ہو اور خواہ شہر کے اندر رہتا ہو یا باہر ہو اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں یہ شرط ہے کہ مؤذن بلند آواز والا ہو اور مخلوق سب چپ چاپ ہو اور آدمی سننے والا ہو اور ابوداؤد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جمعہ صرف اسی شخص پر فرض ہے جو اذان کو سنے اور اسی کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جس میں آپ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کیا تو اذان سنتا ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا پس جماعت میں حاضر ہوا کر اس لیے کہ جب جماعت میں حاضر ہونا اس حدیث سے ثابت ہوا تو جمعہ میں حاضر ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کہ اس کی طرف دوڑنے کا حکم آ چکا ہے پس اس آیت اور ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ جمعہ اسی پر فرض ہے جو اذان کو سنے حقیقتاً ہو یا حکماً اور جو اذان کو نہ حقیقتاً اور نہ حکماً سنے یعنی اذان کی آواز اس جگہ نہ پہنچ سکے تو اس پر جمعہ فرض نہیں اور ایک حدیث میں ترمذی وغیرہ کے آیا ہے کہ جو شخص رات سے پہلے اپنے گھر میں پہنچ سکے اس پر جمعہ میں آنا واجب ہے سو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث کچھ چیز نہیں لیکن قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو مذکور ہو چکا ہے اس کی تائید کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ جو شخص جمعہ پڑھ

کہ رات سے پہلے اپنے گھر میں پہنچ سکے اس پر جمعہ واجب ہے اور اگر رات سے پہلے نہ پہنچ سکے تو جمعہ اس پر واجب نہیں لیکن اس سے لازم آتا ہے کہ سعی دن کے اول میں واقع ہو اور یہ آیت کے مخالف ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص شہر سے باہر ہو اس کا جمعہ جائز نہیں اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر جمعہ گاؤں میں ہو تو اذان کے منارے سے تین میل تک کے لوگوں پر واجب ہے اور اگر شہر میں ہو تو منارے سے چھ میل تک واجب ہے۔

وَقَالَ عَطَآءٌ إِذَا كُنتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ فَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تَشْهَدَهَا سَمِعْتَ النِّدَآءَ أَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ.

اور عطاء (تابعی) نے کہا کہ اگر تو جمعہ والے گاؤں میں ہو اور اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو جمعہ میں حاضر ہونا تجھ پر واجب ہے خواہ تو اذان کو سنے خواہ نہ سنے یعنی آیت میں جو جمعہ کی طرف چلنے کا حکم ہے تو یہ کچھ ضرور نہیں کہ جب اذان سنے تو اس طرف چلے بلکہ اگر نہ سنے تو جب بھی جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے۔

فائدہ: عبدالرزاق نے اس اثر کے اخیر میں اتنا لفظ زیادہ کیا ہے کہ ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ جمعہ والا گاؤں کس کو کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ جس میں آدمی جمع ہوں اور امیر اور قاضی بھی اس میں رہتا ہو اور گھر آپس میں ملے ہوئے ہوں جیسا کہ جدہ ہے پس اس اثر سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اور بعض حنفی اس اثر سے دلیل پکڑتے ہیں کہ جمعہ گاؤں میں جائز نہیں کہ یہ تعریف گاؤں پر صادق نہیں آتی تو جواب اس کا یہ ہے کہ پھر عطاء نے اس کو گاؤں کیوں کہا شہر کہنا چاہیے تھا اور نیز یہ تابعی کا قول ہے اور جب صحابی کا قول اصح مذہب میں حجت نہیں تو پھر تابعی کا قول کس گنتی میں ہے کہ اس سے فرض کو ترک کیا جائے۔

وَكَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي قَصْرِهِ أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لَّا يُجَمِّعُ وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلٰى فَرْسَخَيْنِ.

اور انس رضی اللہ عنہ کبھی اپنے گھر میں جمعہ پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے بلکہ بصرہ میں جا کر پڑھ آتے تھے اور وہ زاویہ (ایک جگہ کا نام ہے) میں رہتے تھے چھ میل پر بصرہ سے۔

فائدہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ ایک زمین میں رہتے تھے جو بصرہ سے ایک فرسخ تھی سو وہ جمعہ کے واسطے بصرہ میں حاضر ہوا کرتے تھے ... سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین ان کے گھر کے سوا دوسری جگہ تھی پس اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھ میل کے ... جمعہ میں آنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ معنی اس کا یہ ہے جو شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ يجمع اى يصلى بمن معه الجمعة او يشهد الجمعة بجامع البصرة یعنی کبھی تو اپنے گھر میں جمعہ پڑھ لیتے تھے اور کبھی بصرہ میں جا کر پڑھتے تھے جیسا

کہ ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ کبھی جمعہ پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے اور بفرض محال تسلیم بھی کیا جائے تو جب بھی اس سے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوگا اور یہ بھی حنفیوں کو مضر ہے۔ کمامر بیانہ سابقا.

٨٥١ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ مَّنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ فَيَأْتُوْنَ فِي الْغُبَارِ يُصِيْبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْسَانٌ مِّنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا.

٨٥١۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ جمعہ کے واسطے مدینے میں اپنے گھروں اور عوالی سے مدینے میں بار بار آیا کرتے تھے سو غبار میں چل کر آتے اور ان کو گرد پہنچتی اور پسینہ آتا سو ان کے کپڑوں سے بدبو نکلتی سو ان میں سے ایک آدمی حضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ اس وقت میرے نزدیک تشریف رکھتے تھے سو آپ نے اس کو فرمایا کہ اگر تم اپنے اس دن کے واسطے طہارت اور پاکی حاصل کرتے تو بہت بہتر ہوتا۔

فائدہ: عوالی اُن گاؤں کو کہتے ہیں جو مدینے سے مشرق کی طرف واقع ہیں اور چونکہ مدینے کی وہ طرف اونچی ہے اور پہاڑ اس طرف میں واقع ہیں اس لیے ان کو عوالی کہتے ہیں یعنی بلندی پر واقع ہیں ان میں سے جو گاؤں مدینے کے بہت نزدیک ہے وہ چار میل پر ہے اور جو مدینے سے بہت دور ہے وہ آٹھ میل پر واقع ہے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین چار میل کے فاصلہ سے جمعہ کے واسطے آنا جانا جائز ہے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گاؤں والوں کو جمعہ پڑھنا جائز ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ گاؤں والوں کا جمعہ صحیح اور منعقد نہیں ہوتا ہے اور تحقیق اس کی اوپر گزر چکی ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَذٰلِكَ يُرْوٰى عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ وَعَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

اول وقت جمعہ کا وہ ہے جب آفتاب ڈھل جائے یعنی زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا جائز نہیں اور اسی طرح روایت کی گئی ہے ان چار صحابہ سے یعنی عمر اور علی اور نعمان بن بشیر اور عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم سے کہ زوال

سے پہلے جمعہ جائز نہیں۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء خلف اور سلف کے نزدیک زوال سے پہلے جمعہ جائز نہیں اور یہی مذہب ہے جمہور صحابہ اور تابعین وغیرہ کا اور امام اسحاق اور احمد کہتے ہیں کہ زوال سے پہلے بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی ایسے ہی روایت آئی ہے لیکن جمہور کے نزدیک وہ روایتیں صحیح نہیں ہیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ان روایتوں میں سے کوئی روایت صحیح نہیں بلکہ صحیح وہی ہے جس پر جمہور علماء ہیں اور نیز جن حدیثوں سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل پکڑی ہے اُن سے مراد یہ ہے کہ وہ جمعہ میں نہایت جلدی کرتے تھے اور اول وقت پڑھتے تھے یہ معنی نہیں کہ زوال سے پہلے پڑھتے تھے اور بعض حنبلی کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو عید فرمایا ہے اور عید کو زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہے تو جمعہ کو بھی زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہوگا سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس کو عید کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب احکام عید کے اس پر جاری ہوں اس لیے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اگرچہ ایک دن اس سے پہلے یا پیچھے بھی روزہ رکھے بخلاف جمعہ کے کہ اس دن روزہ رکھنا بالاتفاق جائز ہے اور نیز اس سے لازم آتا ہے کہ جمعہ زوال سے پیچھے جائز ہو اس لیے کہ عید زوال سے پیچھے درست نہیں حالانکہ یہ بات بالاجماع باطل ہے۔

٨٥٢ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ وَكَانُوْا إِذَا رَاحُوْا إِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوْا فِيْ هَيْئَتِهِمْ فَقِيْلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ.

٨٥٢۔ حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے عمرہ (تابعیہ) سے جمعہ کے دن نہانے کا حکم پوچھا کہ واجب ہے یا سنت سو اس نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگ اپنی جانوں کے آپ خادم تھے یعنی خود اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کر کے روزی کماتے تھے ان کا غلام اور نوکر کوئی نہیں تھا کہ ان کو کما کر کھلاتا اور جب جمعہ کو آتے تو اپنے اسی حال سے گرد آلودہ اور عرق ریز آتے سو ان کو کہا گیا کہ اگر تم اس دن میں غسل کرتے تو بہتر ہوتا۔

فائدہ: اس حدیث میں لفظ راح کا واقع ہوا ہے اس کا معنی زوال کے بعد چلنے کا ہے پس معلوم ہوا کہ جمعہ بعد زوال کے پڑھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٨٥٣ ـ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسٍ

٨٥٣۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمعہ پڑھا کرتے تھے جب کہ آفتاب ڈھل جاتا۔

بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ.

٨٥٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيْلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

۸۵۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جمعہ کی نماز اول وقت پڑھا کرتے تھے اور بعد جمعہ کے قیلولہ کرتے تھے یعنی جمعہ پڑھ کر سویا کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب جمعہ کو زوال سے پہلے پڑھا کرتے تھے پس ان دونوں حدیثوں میں ظاہرًا تعارض ہے لیکن تبکیر کا معنی کبھی اول وقت کا آتا ہے اور کبھی ایک چیز کو دوسری چیز پر مقدم کرنے کا بھی آتا ہے اور وہی مراد ہے یہاں پر کہ وہ جمعہ کو قیلولہ پر مقدم کیا کرتے تھے بخلاف نماز ظہر کے کہ شدت گرمی میں پہلے قیلولہ کرتے تھے بعد اس کے نمازِ ظہر ادا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ جمعہ کو بعد زوال کے پڑھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے سو پہلی حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہے اور بعض نے کہا کہ یہ حدیث دلیل ہے امام احمد رحمہ اللہ کی کہ زوال سے پہلے جمعہ جائز ہے اس لیے کہ قیلولہ اس سونے کو کہتے ہیں جو عین دوپہر کے وقت ہوتا ہے اور جب جمعہ قیلولہ سے پہلے پڑھا جائے تو خواہ مخواہ زوال سے پہلے واقع ہوگا، واللہ اعلم۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ساعتیں پہلے مذکور ہو چکی وہ زوال سے پہلے ہیں پیچھے نہیں اس لیے کہ وہ قیلولے سے پہلے جمعہ کو آتے تھے۔

بَابُ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

جب گرمی کی بہت شدت ہو تو ٹھنڈے وقت جمعہ پڑھنا چاہیے۔

٨٥٥ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ هُوَ خَالِدُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ قَالَ يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ أَخْبَرَنَا أَبُوْ خَلْدَةَ فَقَالَ بِالصَّلَاةِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنَا أَبُوْ

۸۵۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سردی کی شدت ہوتی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو اول وقت پڑھتے تھے اور جب گرمی کی شدت ہوتی تو ٹھنڈے وقت نماز پڑھا کرتے تھے (راوی نے کہا) کہ مراد نماز سے جمعہ ہے اور یونس نے اپنی روایت میں جمعہ کا ذکر نہیں کیا اور ابوخلدہ (راوی) نے کہا کہ ایک امیر نے ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی یعنی حکم بن ابی عقیل ثقفی نے اور خطبے میں بہت طول کیا یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جانے کے قریب تھا سو اس نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کس طرح پڑھا کرتے تھے انس رضی اللہ عنہ

خَلْدَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا أَمِيْرٌ الْجُمُعَةَ ثُمَّ قَالَ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ.

نے کہا کہ جب گرمی کی شدت ہوتی تو ٹھنڈے وقت نماز پڑھا کرتے اور جب سردی کی شدت ہوتی تو اول وقت پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر اور جمعہ کی نماز کا ایک حکم ہے اگر شدت گرمی کی ہو تو دونوں کو ٹھنڈے وقت پر پڑھا جائے لیکن یہ صرف انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کسی حدیث سے جمعہ کا ابراد ثابت نہیں ہوتا بلکہ اکثر حدیثوں سے صریحا ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے اور شاید کہ انس رضی اللہ عنہ نے جمعہ کو ظہر پر قیاس کیا ہو گا لیکن یہ قیاس ان کا صریح حدیثوں کے مقابلہ میں حجت نہیں خاص کر انس رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جمعہ کو اول وقت پڑھا کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سے پہلے جمعہ جائز نہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے دونوں کو مساوی بنایا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ وَقَوْلِ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾.

نماز جمعہ کی طرف چلنے کا بیان اور آیت ﴿فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ کا بیان یعنی چلو طرف ذکر اللہ کی یعنی نماز یا خطبے کے۔

فائدہ: یعنی اس آیت میں سعی سے مراد دوڑ کر چلنا نہیں بلکہ مطلق چلنا ہے اس لیے کہ حدیث میں آچکا ہے کہ نماز کی طرف دوڑ کر نہ جاؤ بلکہ چین سے آؤ چنانچہ فرمایا لا تاتوها تسعون واتوها تمشون پس حاصل اس کا یہ ہے کہ اس آیت میں سعی سے مراد صرف چلنا ہے اور حدیث میں سعی سے مراد دوڑنا ہے کہ وہ چلنے کے مقابلے میں واقع ہوا ہے پس حدیث اور آیت میں کچھ تعارض نہیں۔

وَمَنْ قَالَ السَّعْيُ الْعَمَلُ وَالذَّهَابُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِيْنَئِذٍ.

اور بیان ہے اس شخص کا جو کہتا ہے کہ سعی کا معنی عمل کرنے اور چلنے کا ہے واسطے دلیل اس آیت کے کہ اُس نے عمل کیا واسطے آخرت کے حق عمل کرنے کا یعنی اللہ کے حکموں کو بجا لایا اور برے کاموں سے رک گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت وغیرہ عقود حرام ہو جاتی ہیں اور سعی واجب ہو جاتی ہے اس لیے کہ اللہ نے فرمایا کہ بیچنا چھوڑ دو۔

فائدہ: علماء کو اس مسئلے میں اختلاف ہے جمہور علماء کہتے ہیں کہ اذان کے وقت خرید وفروخت حرام ہو جاتی ہے مگر وقت حاجت کے کہ پانی نہ ہو یا کپڑا نہ ہو یا قوت نہ ہو اور ابتدا حرمت کی اس وقت سے ہوتی ہے جب امام کے منبر

پر بیٹھنے کے وقت مؤذن اذان کہے اس لیے کہ حضرت ﷺ کے زمانے میں فقط یہی اذان تھی اور پہلی اذان کے وقت ان کے نزدیک بیع جائز ہے مگر مکروہ ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ بیع مکروہ ہے حرام نہیں نہ اول اذان کے وقت نہ دوسری اذان کے وقت اگر اس وقت ممنوع میں بیع کرے تو بعض کے نزدیک بیع صحیح ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک صحیح نہیں لیکن شبہ سے خالی نہیں۔

وَقَالَ عَطَآءٌ تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا. وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ مُسَافِرٌ فَعَلَيْهِ أَنْ يَّشْهَدَ.

اور عطاء نے کہا کہ اذان جمعہ کے وقت سب کام دنیاوی حرام ہو جاتے ہیں، اور ابراہیم نے زہری سے روایت کی ہے کہ جب مؤذن جمعہ کے دن اذان کہے اور کوئی شخص مسافر ہو تو اس پر لازم ہے کہ جمعہ میں حاضر ہو۔

فائدہ: زہری سے اس مسئلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں ایک میں آیا ہے کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں اور یہی مذہب ہے اکثر اہل علم کا بلکہ بعض نے کہا کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے پس زہری کے اس قول وجوب کو استحباب پر محمول کیا جائے گا یعنی اگر مسافر جمعہ کی اذان سنے تو مستحب ہے کہ اس میں حاضر ہو واجب نہیں پس دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں اور مناسبت ان اثروں کی باب سے اس طور سے ہے کہ باب میں جمعہ کی طرف چلنے کا حکم ہے اور چلنے کو بیع وغیرہ کاروبار کا ترک کرنا لازم ہے، واللہ اعلم۔

٨٥٦ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ قَالَ أَدْرَكَنِيْ أَبُوْ عَبْسٍ وَأَنَا أَذْهَبُ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ.

٨٥٦۔ حضرت عبایہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوعبس نے مجھ کو پایا اور میں جمعہ کی طرف جاتا تھا سو اس نے کہا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جس کے پاؤں گرد میں بھرے اللہ نے اس پر دوزخ حرام کی۔

فائدہ: جب دونوں نے راہ میں چلتے باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ آہستہ چلتے تھے اس لیے کہ دوڑنے میں گفتگو نہیں ہو سکتی ہے۔

٨٥٧ ۔ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدٍ وَأَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ

٨٥٧۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو اس کے واسطے دوڑ کر نہ آؤ اور چلو طرف جماعت کی ٹھہرے ہوئے آرام سے سو جتنی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوهَا تَمْشُونَ عَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.

نماز امام کے ساتھ پاؤ اتنی پڑھو اور جو چھوٹ جائے اس کو آپ پورا کرو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے واسطے دوڑ کر جانا مکروہ ہے جلدی نہ کرے آرام سے چلے اور چونکہ جمعہ بھی نماز کا ایک فرد ہے اس لیے اس کا حکم بھی یہی ہے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

٨٥٨ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُوا حَتّٰى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ.

٨٥٨۔ حضرت عبداللہ بن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھا نہ کرو جب تک مجھ کو آتے دیکھ نہ لیا کرو اور چین پکڑو۔

فائدہ: اس حدیث سے عموما معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے واسطے جلدی کرنا اور دوڑنا منع ہے بلکہ آرام سے آئے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

بَابُ لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

جب کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد میں آئے تو دو ملے بیٹھوں میں جدائی نہ ڈالے اور ان کو نہ چیرے بلکہ جہاں جگہ خالی پائے وہیں بیٹھ جائے۔

فائدہ: مطلب اس باب کا یہ ہے کہ لوگوں کی گردن پر سے آگے بڑھنا منع ہے اور اس مسئلے میں علماء کو اختلاف ہے جمہور علماء کہتے ہیں کہ کراہت تنزیہی ہے اور ابن منذر نے کہا کہ کراہت تحریمی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے دونوں طرح کی روایت آئی ہے تحریمی بھی اور تنزیہی بھی اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اسی وقت مکروہ ہے جب امام منبر پر ہو اور حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ پڑھنے سے پہلے گردنیں پھلانگنا مکروہ نہیں مگر ظاہر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ

تخطی مطلق حرام ہے اور اس باب میں بہت حدیثیں آ چکی ہیں لیکن اکثر ضعیف ہیں زیادہ قوی سب میں یہ حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ جمعہ کے دن ایک مرد آیا اور لوگوں کے مونڈھوں پر سے گزر کر آگے بڑھ گیا سو آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جا تو نے لوگوں کو ایذا دی ہے اور اسی قسم کی اور بھی کوئی حدیثیں ہیں جو اس کی تقویت کرتی ہیں پس مجموعہ ان حدیثوں کا استدلال کے لیے کافی ہے اور دو آدمیوں کے درمیان جدائی ڈالنا یہ ہے کہ ان کے درمیان بیٹھ جائے یا کسی کو اٹھا کر آپ اس کی جگہ بیٹھ جائے یا لوگوں کے اوپر سے آگے بڑھ جائے کہ اس میں اپنے پاؤں کو لوگوں کے سر سے اونچا کرنا لازم آتا ہے اور بعض وقت پاؤں کے ساتھ کسی کا کپڑا کھینچا آتا ہے اور امام اس تخطی سے مستثنیٰ ہے اس کے واسطے مکروہ نہیں جیسا کہ بیان اس کا باب الدہن للجمعۃ میں گزر چکا ہے اور اگر لوگ تخطی کی اجازت دے دیں تو پھر مکروہ نہیں جائز ہے۔

٨٥٩ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ وَدِيْعَةَ حَدَّثَنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى.

٨٥٩۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن نہایا اور پاک صاف ہوا جتنی صفائی اس سے ہو سکے یعنی حجامت بنوائے اور سفید کپڑے پہنے پھر تیل لگائے یا خوشبو ملے پھر دوپہر ڈھلتے مسجد میں گیا سو اس نے دو ملے بیٹھوں میں جدائی نہ ڈالی پھر نماز پڑھی جتنی اس کی قسمت میں تھی یعنی تحیۃ المسجد اور سنتیں وغیرہ نفل پڑھے پھر جب امام منبر پر آیا تو وہ خاموش ہو کر خطبہ سنتا رہا تو اس شخص کی مغفرت ہو گئی اور گناہ بخشے گئے اس وقت سے پہلے جمعہ تک۔

فائدہ: بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جمعہ کے دن دیر کر کے آتے ہیں اور صفیں چیرتے لوگوں کو تکلیف دیتے اول صف میں جاتے ہیں سو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفوں کو چیر کر آگے جانا منع ہے اور اس حدیث میں اگرچہ تخطی کا ذکر نہیں لیکن یہ تخطی کو بھی شامل ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔

بَابُ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقْعُدُ فِيْ مَكَانِهٖ.

نہ اٹھائے کوئی مرد اپنے بھائی مسلمان کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے پھر وہاں آپ بیٹھ جائے۔

٨٦٠ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ

٨٦٠۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منع فرماتے تھے اس سے کہ اٹھائے

جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ أَخَاهُ مِنْ مَّقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيهِ قُلْتُ لِنَافِعٍ الْجُمُعَةَ قَالَ الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا.

کوئی مرد اپنے بھائی مسلمان کو اس کی جگہ سے اور آپ وہاں بیٹھے (ابن جریج نے کہا) کہ میں نے نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا یہ حکم جمعہ کے ساتھ خاص ہے؟ اس نے کہا خاص نہیں عام ہے جمعہ وغیرہ سب نمازوں کو شامل ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے عموم سے جمعہ کا حکم ثابت کیا اور اس قسم کی مسلم میں بھی ایک حدیث آئی ہے اس میں صریحاً جمعہ کا ذکر ہے لیکن شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر وہ حدیث نہیں ہوگی اس واسطے اس کو بیان نہیں کیا۔

بَابُ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

جمعہ کے دن اذان دینے کا بیان کہ ایک بار ہے یا دو بار یا کس وقت کہی جائے۔

٨٦١ ـ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَآءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهٗ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنبَرِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَآءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَآءِ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الزَّوْرَآءُ مَوْضِعٌ بِالسُّوْقِ بِالْمَدِيْنَةِ.

٨٦١۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن معمولی اذان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا سو جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگ بہت ہو گئے تو انہوں نے تیسری اذان کو زوراء مقام پر زیادہ کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ زوراء ایک جگہ کا نام ہے مدینے کے بازار میں۔

فائدہ: جمعہ کی تین اذانیں ہوتی ہیں ایک تو معمولی ہمیشہ کی اذان ہے اور ایک تکبیر ہے اور ایک یہ اذان ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ نے جاری کی اور اس اذان کو تیسری اس واسطے کہا گیا کہ اگرچہ وہ باعتبار وجود کے مقدم ہے کہ سب سے پہلے کہی جاتی ہے لیکن باعتبار زیادتی اور ابتدا ہونے کے سب سے پیچھے ہے کہ اُن سے بعد شروع ہوئی سو اس اذان عثمانی کو اول بھی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے کہی جاتی ہے اور تیسری بھی کہتے ہیں کہ ابتدا اس کی تیسرے درجے میں ہوئی اور ایک روایت میں یہ لفظ زیادہ ہے کہ اس پر امر قرار پایا سو اس لفظ سے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہروں میں یہ اذان جاری ہوگئی اور عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر عمل کیا لیکن فاکہانی نے لکھا ہے کہ مکے میں اس اذان عثمانی کو پہلے حجاج نے شروع کیا اور بصرہ میں زیاد نے شروع کیا اور شیخ ابن حجر نے فرمایا کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ مغرب ادنیٰ میں

اب بھی یہ اذان مروج نہیں فقط ایک ہی اذان ہے جو حضرت ﷺ کے زمانے میں کہی جاتی تھی اور ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان دینی بدعت ہے سو احتمال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس اذان عثانی پر انکار کیا ہو یا اس واسطے کہ یہ اذان حضرت ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی اور جو حضرت ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو وہ بدعت ہے اس لیے اس کو بدعت کہا ہو لیکن بعض بدعت حسنہ ہوتی ہے اور بعض اس کے برخلاف ہوتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو اس واسطے جاری کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا جیسے کہ اور نمازوں میں بھی اسی غرض سے اذان کہی جاتی ہے اور جمعہ کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا کہ اصلی اذان کو امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت مقرر کیا اور بعض شہروں میں جو سنتوں کے واسطے ایک اذان علیحدہ کہتے ہیں سو یہ بدعت ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

فائدہ: ایک روایت میں عبدالرزاق وغیرہ کے آیا ہے کہ یہ تیسری اذان پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جاری کی سو مراد اس سے یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اطلاع کے واسطے فقط کوئی دعا مقرر کر رکھی تھی اس کے الفاظ اذان کے موافق نہیں تھے پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اس دعا کے بدلے اذان مقرر کر دی پس ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں اور اس حدیث سے اذان دینے کا وقت بھی معلوم ہوگا کہ ایک پہلے کہی جائے اور دوسری خطبے کے وقت کہی جائے پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. جمعہ کے دن فقط ایک آدمی اذان کہے دو تین آدمی نہ کہیں۔

فائدہ: ابن حبیب نے ذکر کیا کہ جب حضرت ﷺ منبر پر بیٹھتے تو تین مؤذن اس وقت باری باری سے اذان کہتے تھے اور جب تیسرا مؤذن کہہ چکتا تو اس وقت آپ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے سو چونکہ یہ دعویٰ بے دلیل ہے اور کسی طریق سے یہ حدیث ثابت نہیں ہوتی اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قول کے رد کے واسطے یہ باب باندھا۔

٨٦٢ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ سَلَمَةَ الْمَاجِشُوْنُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّ الَّذِيْ زَادَ التَّأْذِيْنَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤَذِّنٌ غَيْرَ وَاحِدٍ وَّكَانَ التَّأْذِيْنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِيْنَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَعْنِيْ عَلَى الْمِنْبَرِ.

٨٦٢۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن تیسری اذان عثمان رضی اللہ عنہ نے جاری کی جب کہ مدینے کے لوگ بہت ہو گئے اور حضرت ﷺ کا ایک مؤذن کے سوا کوئی مؤذن نہیں تھا اور جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب کہ امام منبر پر بیٹھ جاتا یعنی جو اذان کہتا تھا وہی تکبیر کہتا تھا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ حرمین وغیرہ میں دستور ہے کہ جمعہ وغیرہ نمازوں میں ہر وقت کے مؤذن بلند آواز سے یکبارگی اذان کہتے ہیں ایک مؤذن ایک منارے پر کھڑا ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے پر وعلی هذا القياس ایک وقت کئی مؤذن اذان کہتے ہیں سو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے رد کے واسطے یہ باب باندھا ہے بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن فقط ایک مؤذن اذان کہے دو تین نہ کہیں نہ اکٹھے اور نہ متفرق کہ اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت لازم آتی ہے پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی اور اگر کوئی کہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی کبھی کبھی اذان کہا کرتے تھے تو کہا جائے گا کہ وہ اپنی اپنی مسجدوں میں کہا کرتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نہیں کہتے تھے بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی مؤذن فقط بلال رضی اللہ عنہ تھے اور نیز ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صرف صبح کی اذان دیا کرتے تھے نہ جمعہ کی اور یہ مسئلہ خاص جمعہ کا ہے پس فرق ظاہر ہے۔

بَابُ يُجِيْبُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَآءَ.

جب امام منبر پر اذان سنے تو اس کا جواب دے۔

٨٦٢ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِيْ سُفْيَانَ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ مُعَاوِيَةُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَأَنَا قَالَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَأَنَا فَلَمَّا أَنْ قَضَى التَّأْذِيْنَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا الْمَجْلِسِ حِيْنَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُوْلُ مَا سَمِعْتُمْ مِنِّيْ مِنْ مَّقَالَتِيْ.

٨٦٢۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مؤذن نے اذان کہی اور معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھا تھا سو جب مؤذن نے کہا اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ پھر مؤذن نے کہا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سو معاویہ نے بھی کہا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پھر مؤذن نے کہا أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سو معاویہ نے بھی ویسا کہا سو جب مؤذن اذان دے چکا تو معاویہ نے کہا کہ اے لوگو! میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب اس جگہ منبر پر بیٹھتے اور مؤذن اذان کہتا تو اس کا جواب دیتے جیسا کہ تم نے مجھ کو سنا ہے جو میں نے اذان کے جواب میں کہا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مؤذن اذان کہے اور امام منبر پر بیٹھا ہو تو امام بھی اس کی اذان کا جواب دے پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امام منبر پر لوگوں

کو دین کی تعلیم کرے تو جائز ہے اور یہ کہ اذان کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کرنی جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کے اول میں ترجیع نہیں اور یہ کہ خطبے سے پہلے منبر پر بیٹھنا مستحب ہے کما سیاتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر سننے والا اذان کے جواب میں فقط اتنا ہی کہے کہ میں بھی ویسا کہتا ہوں تو جواب اس کا ادا ہو جاتا ہے۔

بَابُ الْجُلُوْسِ عَلَى الْمِنبَرِ عِنْدَ التَّأْذِيْنِ. اذان کے وقت منبر پر بیٹھنے کا بیان۔

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مستحب ہے کہ خطبے سے پہلے تھوڑا سا منبر پر بیٹھ جائے یہاں تک کہ جب مؤذن اذان سے فارغ ہو تو اس وقت امام اٹھ کر خطبہ پڑھے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خطبے سے پہلے منبر پر بیٹھنا مستحب نہیں اور دلیل جمہور کی یہ حدیث ہے اور کئی حدیثیں اور بھی ہیں انتہی۔

٨٦٤ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ أَخْبَرَهُ أَنَّ التَّأْذِيْنَ الثَّانِيَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِيْنَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ وَكَانَ التَّأْذِيْنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِيْنَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ.

٨٦٤۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مسجد کے لوگ بہت ہو گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن دوسری اذان جاری کی اور جمعہ کی اذان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس وقت ہوتی تھی جب کہ امام منبر پر بیٹھتا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے وقت خطبے سے پہلے منبر پر بیٹھنا سنت ہے پس یہ حدیث حجت ہے اس پر جو اس کو سنت نہیں کہتا۔

بَابُ التَّأْذِيْنِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ. خطبے کے وقت اذان دینے کا بیان یعنی سنت ہے۔

٨٦٥ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ أَوَّلُهُ حِيْنَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَلَمَّا كَانَ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ

٨٦٥۔ ترجمہ اس حدیث کا چوتھے باب میں عنقریب گزر چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خطبے کے وقت اذان دینی سنت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہی معمول تھا۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرُوْا اَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْاَذَانِ الثَّالِثِ فَاُذِّنَ بِهٖ عَلَی الزَّوْرَآءِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِكَ.

بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَی الْمِنبَرِ وَقَالَ أَنَسٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ خَطَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنبَرِ.

منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ پڑھا۔

فائدہ: یہ ایک حدیث لمبی کا ٹکڑا ہے پوری حدیث باب الفتن میں آگے آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ پس اس سے ثابت ہوا کہ منبر پر خطبہ پڑھنا جائز ہے۔

٨٦٦ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِیُّ الْقُرَشِیُّ الْاِسْكَنْدَرَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمِ بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّ رِجَالًا اَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدِ السَّاعِدِیَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِی الْمِنبَرِ مِمَّ عُوْدُهٗ فَسَاَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ اَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ وَاَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی فُلَانَةَ امْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ مُرِیْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ اَنْ يَّعْمَلَ لِیْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ اِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَاَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَآءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَآءَ بِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَا هُنَا ثُمَّ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلَيْهَا وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ

٨٦٦۔ حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند آدمی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑتے آئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس لکڑی سے بنا ہے سو انہوں نے اس سے اس کا حال پوچھا سو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! البتہ میں جانتا ہوں جس لکڑی سے منبر بنا تھا اور میں نے اس کو دیکھا جب کہ پہلے دن مسجد میں رکھا گیا اور جب پہلے دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھے سو اس کا حال یوں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آدمی کو فلاں انصاریہ عورت کے پاس بھیجا (سہل اس کا نام بیان کرتا تھا) اور فرمایا کہ اپنے بڑھئی غلام سے کہہ دے کہ میرے واسطے لکڑیوں کا منبر بنا دے کہ جب میں لوگوں سے کلام کروں یعنی وعظ کروں تو اس پر بیٹھ جایا کروں سو اس عورت نے اپنے غلام سے کہہ دیا سو اس نے غابہ جنگل کے جھاؤ سے منبر تیار کیا اور اپنی مالکہ کے پاس لے آیا اور اس نے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا سو آپ نے اس کے رکھنے کا حکم دیا سو اس جگہ مسجد میں رکھا گیا پھر میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس پر نماز پڑھی اور تکبیر کہی اور آپ اس کے اوپر کھڑے تھے پھر آپ نے اس پر رکوع کیا پھر نیچے اتر کر اپنی ایڑیوں پر پیچھے

رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ فِيْ أَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ.

ہٹے یعنی قبلے سے منہ نہ پھیرا سو منبر کی جڑ میں سجدہ کیا پھر منبر پر چڑھے سو جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے لوگو! میں نے یہ کام صرف اس واسطے کیا ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز کا طریقہ سیکھو۔

فائدہ: ایک انصاری عورت کا رومی غلام بڑھی کا کام کیا کرتا تھا حضرت ﷺ نے اس سے منبر کی فرمائش کی تب اس نے غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا اور غابہ ایک جنگل کا نام ہے مدینے سے مشرق کی طرف واقع ہے اور منبر سے پہلے حضرت ﷺ ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے حضرت ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی کہ دیر تک کھڑے رہنے سے تھک جاتے تھے ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ منبر بنوایئے جیسا کہ شام کے ملک میں ہوتا ہے تب آپ نے منبر بنوایا اور بعض نے کہا کہ جب لوگ بہت ہو گئے تب آپ نے منبر بنوایا اور علماء کہتے ہیں کہ طول کل منبر کا دو ہاتھ تھا اور چوڑائی اس کی ایک ہاتھ تھی اور اس کے تین درجے یعنی تین پائے تھے ہر ایک پائے کی چوڑائی ایک بالشت تھی اور ۷ ہجری یا آٹھ ہجری میں منبر تیار ہوا اور مدت تک وہی منبر تین پایہ رہا یہاں تک کہ جب معاویہ کا زمانہ آیا تو اس نے چھ درجے اس کے تلے اور زیادہ کر دیے پھر بہت مدت تک وہی منبر رہا یہاں تک کہ ۶۵۴ ہجری میں مسجد نبوی جل گئی اس میں وہ منبر بھی جل گیا پھر بعد اس کے جدید منبر تیار ہوا پس اس سے معلوم ہوا کہ منبر پر خطبہ پڑھنا جائز ہے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قلیل عمل سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اسی طرح اگر نماز میں عمل کثیر متفرق واقع ہو تو اس سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو مقتدیوں سے بلند کھڑے ہونا جائز ہے جیسا کہ باب الصلوۃ فی التطوع میں پہلے گزر چکا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ منبر بنانا مستحب ہے اس لیے کہ اس میں لوگ امام کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں اور اچھی طرح اس کی آواز سن سکتے ہیں اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا۔

٨٦٧ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ جِذْعٌ يَقُوْمُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ حَتّٰى نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

٨٦٧۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کا ایک ستون تھا حضرت ﷺ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے سو جب آپ کے واسطے منبر رکھا گیا اور آپ منبر پر بیٹھے تو ہم نے حاملہ اونٹنی کی طرح اس ستون کی آواز سنی یعنی حضرت ﷺ کی جدائی سے وہ ستون رویا یہاں تک کہ حضرت ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے اور اپنے ہاتھ کو اس پر رکھا تب اس کا رونا بند ہوا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ قَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيٰى أَخْبَرَنِيْ حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ.

فائدہ: سبحان اللہ جس رسول کی جدائی اور فراق سے درخت روئیں اگر انسان کو اس کی محبت پیدا نہ ہو تو اس کو اپنی قسمت پر رونا چاہیے اور اس سے معلوم ہوا کہ منبر پر خطبہ پڑھنا جائز ہے اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

٨٦٨ - حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ جَآءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.

٨٦٨۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منبر پر خطبہ پڑھتے تھے سو فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے واسطے آئے تو چاہیے کہ نہائے۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ منبر پر خطبہ پڑھنا جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطیب منبر پر لوگوں کو احکام تعلیم کرے تو جائز ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ قَآئِمًا.

کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے کا بیان یعنی امام کو چاہیے کہ خطبے کو کھڑا ہو کر پڑھے بیٹھ کر نہ پڑھے۔

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ابن عبدالبر نے حکایت کی ہے کہ علماء کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ جس شخص کو کھڑے ہونے کی طاقت ہو اگر وہ بیٹھ کر خطبہ پڑھے تو درست نہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا واجب نہیں اگر بیٹھ کر پڑھے تو جب بھی درست ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ واجب ہے لیکن بغیر اس کے جمعہ صحیح ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ أَنَسٌ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَآئِمًا.

اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس حالت میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔

٨٦٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَآئِمًا ثُمَّ

٨٦٩۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے تھے جیسا کہ تم لوگ اب کرتے ہو۔

يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُوْمُ كَمَا تَفْعَلُوْنَ الْاٰنَ.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور یہی مذہب ہے جمہور علماء کا بلکہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کما مر اور جمہور کی دلیل اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں ہیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں آیا اور عبدالرحمن بن ابی الحکم بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا سو کعب رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور یہ آیت پڑھی ﴿وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا﴾ یعنی لوگ تجھ کو کھڑے چھوڑ گئے اور کہا کہ میں نے آج تک کسی امام کو نہیں دیکھا کہ اس نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہو اور ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو ابن ابی شیبہ نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور سب سے پہلے بیٹھ کر خطبہ پڑھنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نکالا سو جمہور کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشگی کی ہے پس واجب ہوگا اور نیز دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مشروع ہوا ہے سو اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہوتا تو دونوں کے درمیان بیٹھنے کی کوئی حاجت نہ تھی اور ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے سو جو کہے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے تو وہ جھوٹا ہے اور جو لوگ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز رکھتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے ابوسعید رضی اللہ عنہ کی جو ابھی آتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے اور اصحاب بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے اور ایک دلیل ان کی منبر تیار ہونے کی حدیث ہے جو ابھی گزر چکی ہے کہ اس میں آپ نے فرمایا کہ میرے واسطے منبر بنا کہ میں اس پر بیٹھ کر لوگوں سے کلام کیا کروں سو جواب پہلی حدیث کا یہ ہے کہ وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا بلکہ اور کوئی خطبہ تھا اور دوسری حدیث کا یہ جواب ہے کہ مراد اس سے وہ بیٹھنا ہے جو خطبے کی ابتدا اور درمیان میں بیٹھتے تھے اور ایک دلیل ان کی یہ ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پڑھنا شرط ہوتا تو جس نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا تھا اس کے ساتھ نماز درست نہ ہوتی حالانکہ لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی بلکہ جس نے انکار کیا اس نے بھی اس کے ساتھ نماز پڑھی سو جواب اس کا یہ ہے کہ جس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی سو اس نے فتنے کے خوف سے پڑھی جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے سفر میں نماز پوری پڑھی یعنی دوگانہ نہ پڑھی سو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور باوجود اس کے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شر کے خوف سے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا مروی ہے تو وہ ضرورت کے واسطے تھا جیسا کہ روایتوں کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ اِسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ اِذَا خَطَبَ. جب امام خطبہ پڑھے تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں۔

فائدہ: خطبے کے وقت امام کی طرف منہ کر کے بیٹھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے اور ابن منذر نے کہا کہ اس کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور شرح مہذب میں نقل کیا ہے کہ خطبے میں دائیں بائیں دیکھنا بالاتفاق مکروہ ہے مگر بعض حنفی کہتے ہیں کہ صحیح نہیں اور حکمت اس کی یہ ہے کہ اس میں امام کی کلام سننے کے واسطے تیاری ہوتی ہے اور اس طور سے اس کی کلام سننے میں ادب پایا جاتا ہے سو جب امام کی طرف منہ کرے اور اپنے بدن اور حضور دل سے اس کی طرف متوجہ ہو تو اس کی کلام کو خوب یاد رکھے گا اور اسی طرح جب امام خطبہ پڑھے تو سنت ہے کہ وہ بھی مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور مقتدیوں کی طرف منہ کرنے سے اگرچہ قبلے کی طرف پیٹھ دینی لازم آتی ہے لیکن یہ اس کو معاف ہے تا کہ مخاطبین کی طرف پیٹھ دینی لازم نہ آئے جو عرف میں قبیح ہے اور یہ باب کی حدیث سے التزاما سمجھا جاتا ہے۔

وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمُ الْإِمَامَ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انس رضی اللہ عنہ امام کی طرف متوجہ ہوئے

فائدہ: نیز ان دونوں اثروں کو بیہقی اور ابن منذر نے نقل کیا ہے۔

٨٧٠ ۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ حَدَّثَنَا عَطَآءُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ.

٨٧٠۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھے۔

فائدہ: ظاہر یہی ہے کہ آپ کا منبر پر بیٹھنا خطبے کے لیے تھا سو جو آدمی آپ کے گرد بیٹھے تھے ضروری ہے کہ ان کا منہ آپ کی طرف ہوگا تا کہ خطبہ اور وعظ سنیں اور یہ خطبہ جمعہ کا نہیں تھا تا کہ اس سے بیٹھنا لازم آئے بلکہ وعظ ونصیحت کے لیے تھا اور جب کہ غیر جمعہ میں امام کی طرف منہ کرنا مستحب ہوا تو جمعہ میں بطریق اولیٰ مستحب ہوگا اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَآءِ أَمَّا بَعْدُ رَوَاهُ عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

خطبے میں ثنا کے بعد اما بعد کہنے والے کا بیان یعنی خطبے میں اول اللہ کی تعریف کہے اور جب اللہ کی تعریف کہہ چکے تو اس کے بعد اما بعد کہے تا کہ حمد اور صلوۃ اور وعظ کے درمیان فرق ہو جائے روایت کیا ہے اس مسئلے کو ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

وَقَالَ مَحْمُوْدٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ قُلْتُ مَا شَأْنُ النَّاسِ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَآءِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ قَالَتْ فَأَطَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِدًّا حَتّٰى تَجَلَّانِيَ الْغَشْيُ وَإِلٰى جَنْبِيْ قِرْبَةٌ فِيْهَا مَآءٌ فَفَتَحْتُهَا فَجَعَلْتُ أَصُبُّ مِنْهَا عَلٰى رَأْسِيْ فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ قَالَتْ وَلَغَطَ نِسْوَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَانْكَفَأْتُ إِلَيْهِنَّ لِأُسَكِّتَهُنَّ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ قَالَتْ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيْتُهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَإِنَّهُ قَدْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ أَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ يُؤْتٰى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوْ قَالَ الْمُوْقِنُ شَكَّ هِشَامٌ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللَّهِ هُوَ

اسماء ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت ہے کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں نے کہا کیا حال ہے لوگوں کا؟ یعنی ایسے بیقرار کیوں ہو رہے ہیں سو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا یعنی سورج کو گہن لگا ہے سو میں نے کہا کیا گہن لگنا کسی بڑے حادثے کی نشانی ہے سو اُس نے سر سے اشارہ کیا یعنی ہاں اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر تک کھڑے رہے یعنی نماز میں یہاں تک کہ مجھ کو بیہوشی ہو گئی یعنی گرمی کے سبب سے اور میرے پہلو میں پانی کی ایک مشک تھی سو میں نے اس کا منہ کھولا اور اس سے اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر پھرے اس حالت میں کہ سورج روشن ہو گیا تھا یعنی گہن دور ہو گیا تھا سو آپ نے لوگوں کو خطبہ سنایا اور اللہ تعریف کی جو اس کے لائق تھی پھر فرمایا اما بعد! یعنی بعد حمد وصلوۃ کے (پھر آپ نے یہ کلمہ کہہ کر وعظ شروع کیا) اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انصار کی عورتوں نے شور کیا سو میں ان کی طرف پلٹ گئی کہ ان کو چپ کراؤں سو میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد کیا فرمایا اُس نے کہا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ کوئی چیز نہیں جس کو میں نے دیکھا ہوا نہیں تھا مگر میں نے اس کو اپنی اس جگہ میں دیکھا یہاں تک کہ بہشت اور دوزخ بھی دیکھا اور فرمایا کہ البتہ شان یہ ہے کہ مجھ کو وحی ہوئی کہ بیشک تم مبتلا کیے جاؤ گے قبروں میں مثل فتنے مسیح دجال کے یعنی جیسا کہ دجال

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاٰمَنَّا بِهٖ وَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا وَصَدَّقْنَا فَيُقَالُ لَهٗ نَمْ صَالِحًا قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ إِنْ كُنْتَ لَتُؤْمِنُ بِهٖ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوْ قَالَ الْمُرْتَابُ شَكَّ هِشَامٌ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا أَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُ قَالَ هِشَامٌ فَلَقَدْ قَالَتْ لِيْ فَاطِمَةُ فَأَوْعَيْتُهٗ غَيْرَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ مَا يُغَلِّظُ عَلَيْهِ.

کے سامنے کوئی آدمی ثابت قدم نہیں رہ سکے گا الا من شاء اللہ ویسا ہی قبر کے سوال سے بھی کوئی آدمی ثابت نہیں رہے گا مگر جس کو اللہ رکھے ہر آدمی لایا جائے گا یعنی اس کے پاس فرشتے آئیں گے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو اس مرد یعنی حضرت مَلَّاتِیَمْ کو کیا جانتا ہے سو جو مومن ہوگا وہ کہے گا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں وہ محمد مَلَّاتِیَمْ ہیں لائے ہمارے پاس دلیلیں روشن اور ہدایت سو ہم نے مان لیا ان کی پیغمبری کو اور قبول کیا اُن کے حکم کو اور تابع ہوئے ان کے سو اس کو کہا جائے گا کہ تو سو جا نیکو کار ہو کہ ہم جانتے تھے کہ تو ان کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اور جو منافق ہوگا یعنی حضرت مَلَّاتِیَمْ کی رسالت میں شک کرتا ہوگا تو اس سے پوچھا جائے گا تو اس مرد یعنی حضرت مَلَّاتِیَمْ کو کیسا جانتا ہے سو وہ کہے گا کہ میں کچھ نہیں جانتا میں نے جو کچھ لوگوں کو کہتے سنا وہی کہہ دیا یعنی دین کی تحقیق نہ کی سنی سنائی بات پر یقین کر لیا اور باپ دادوں کے رواج پر اڑا رہا۔

فائدہ: یہ جو آپ نے فرمایا کہ میں نے بہشت اور دوزخ کو دیکھا تو احتمال ہے کہ آپ نے انہیں آنکھوں سے دیکھا ہو یا اللہ تعالیٰ نے درمیان میں سے پردہ اٹھا دیا ہو یا ان کا نمونہ دکھا دیا ہو ہر طور سے ہوسکتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ مجھ کو وحی ہوئی تو یہ اس کے منافی نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ آپ نے بہشت اور دوزخ کو آنکھ سے دیکھا ہو اور قبروں کا فتنہ وحی کے ذریعہ سے معلوم کیا ہو اور اس حدیث کا مفصل بیان باب الکسوف میں آئندہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہاں اس حدیث سے صرف اتنی غرض ہے کہ خطبے میں حمد وصلوۃ کے بعد اما بعد کہنا مستحب ہے پس مناسبت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور علماء کو اس باب میں اختلاف ہے کہ پہلے یہ کلمہ کس نے جاری کیا بعض کہتے ہیں کہ پہلے یہ کلمہ داؤد علیہ السلام نے جاری کیا اور بعض کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے کہا اور بعض کسی اور آدمی کا نام لیتے ہیں، واللہ اعلم۔

٨٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ

٨٧١۔ حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت مَلَّاتِیَمْ کے پاس کچھ مال آیا یا کوئی چیز آئی سو آپ نے

سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِمَالٍ أَوْ بِشَيْءٍ فَقَسَمَهُ فَأَعْطَى رِجَالًا وَّتَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ أَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِيْ أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِيْ أُعْطِيْ وَلٰكِنْ أُعْطِيْ أَقْوَامًا لِّمَا أَرٰى فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِّنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلٰى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِّنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ.

اس کو بانٹا سو بعض کو دیا اور بعض کو نہ دیا سو حضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو مال نہیں دیا وہ رنجیدہ اور غصے میں ہیں سو آپ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی تعریف کی اور اس پر ثنا کہی پھر فرمایا کہ حمد اور صلوۃ کے بعد بات تو یہ ہے کہ قسم ہے اللہ کی میں دیتا ہوں ایک مرد کو اور چھوڑتا ہوں دوسرے مرد کو سو جس کو میں چھوڑتا ہوں وہ میرے نزدیک زیادہ پیارا ہے اس سے جس کو میں دیتا ہوں لیکن چند قوموں کو دیتا ہوں اس واسطے کہ میں ان کے دلوں میں بے صبری اور حرص دیکھتا ہوں اور بعض قوموں کو اس پر چھوڑتا ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں بے پرواہی اور خیر ڈالی ہے اور انہیں میں عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ بھی ہیں یعنی میرے دینے کو محبت اور نہ دینے کو رنج کا سبب نہ سمجھو بلکہ بالعکس معاملہ ہے کہ بے صبرے، لالچی لوگوں کو دیتا ہوں اور قناعت والوں کو قناعت پر چھوڑتا ہوں۔ عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی میں دوست نہیں رکھتا کہ مجھ کو بدلے اس بات حضرت ﷺ کے سرخ اونٹ ملیں یعنی یہ جو آپ نے فرمایا کہ عمرو بھی قناعت والے لوگوں میں سے ہے سو اگر اس کلمے کے سوا آپ مجھ کو سرخ اونٹ دیتے اور یہ کلمہ نہ فرماتے تو میں ایسا خوش نہ ہوتا جیسا کہ آپ کے اس قول سے خوش ہوا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خطبے میں حمد وصلوۃ کے بعد اما بعد کہنا سنت ہے، واللہ اعلم۔

٨٧٢ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِّنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ فَأَصْبَحَ النَّاسُ

٨٧٢۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ ایک رات کے درمیان گھر سے تشریف لائے سو آپ نے مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی اور چند اصحاب نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی سو صبح کو لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے یعنی لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوا کہ حضرت ﷺ نے اس رات میں تراویح کی نماز پڑھی ہے۔ سو دوسری رات کو پہلی سے

فَتَحَدَّثُوْا فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّوْا مَعَهُ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهٖ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهٖ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ تَابَعَهُ يُوْنُسُ.

زیادہ لوگ مسجد میں جمع ہوئے سو سب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی سو صبح کو لوگ اس بات کا چرچا کرنے لگے اور بہت لوگوں کو خبر ہوگئی سو تیسری رات کو بہت لوگ مسجد میں جمع ہو گئے سو حضرت ﷺ گھر سے تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی سو جب چوتھی رات آئی تو مسجد نمازیوں سے تنگ ہوگئی یعنی لوگ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ مسجد میں نہ سما سکے اور حضرت ﷺ باہر نہ آئے یہاں تک کہ تمام رات گزر گئی سو آپ فجر کی نماز کے واسطے باہر تشریف لائے سو جب آپ نماز ادا کر چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور خطبہ پڑھا پھر فرمایا اما بعد یعنی حمد وصلوۃ کے بعد بات تو یہ ہے کہ تمہارا حال مجھ سے پوشیدہ نہیں رہا یعنی تمہارا مسجد میں جمع ہونا اور نماز کا انتظار کرنا سب مجھ کو معلوم ہے لیکن میں نے خوف کیا کہ تراویح کی نماز تم پر فرض ہو جائے سو تم اس سے عاجز ہو جاؤ یعنی آج کی رات میں نے تم کو اس واسطے نماز نہیں پڑھائی کہ ڈرتا ہوں کہ تراویح کی نماز تم پر فرض نہ ہو جائے پھر اگر نہ ہو سکے تو گنہگار ہو گے سو اپنے گھروں میں نماز پڑھو اس واسطے کہ بہتر نماز مرد کی اپنے گھر ہی میں ہے مگر فرض جیسا کہ دوسری روایت میں آ چکا ہے۔

٨٧٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ تَابَعَهُ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ وَأَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ

٨٧٣۔ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت ﷺ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے سو آپ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی تعریف کی جو اس کے لائق تھی پھر فرمایا اما بعد!۔

أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَّا بَعْدُ تَابَعَهُ الْعَدَنِيُّ عَنْ سُفْيَانَ فِي أَمَّا بَعْدُ.

٨٧٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ حِيْنَ تَشَهَّدَ يَقُوْلُ أَمَّا بَعْدُ تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

۸۷۴۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے سو میں نے آپ سے سنا کہ جب آپ نے خطبہ پڑھا تو حمد وصلوۃ کے بعد اما بعد کہا۔

٨٧٥ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبَانَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيْلِ قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ وَكَانَ اٰخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَهُ مُتَعَطِّفًا مِّلْحَفَةً عَلٰى مَنْكِبَيْهِ قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِلَيَّ فَثَابُوْا إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقِلُّوْنَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ فَمَنْ وَّلِيَ شَيْئًا مِّنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَطَاعَ أَنْ يَّضُرَّ فِيْهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعَ فِيْهِ أَحَدًا فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُّسِيْئِهِمْ.

۸۷۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور یہ آپ کا اخیر کا بیٹھنا تھا جو آپ منبر پر بیٹھے (یعنی اس کے بعد پھر آپ منبر پر نہیں بیٹھے کہ آپ نے انتقال فرمایا) سو اس حالت میں آپ چادر سے اپنے مونڈھوں کو لپیٹے ہوئے تھے اور سیاہ پگڑی سے اپنے سر کو باندھے ہوئے تھے سو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی تعریف کی اور اس پر ثنا کہی پھر فرمایا کہ اے لوگو! میرے پاس آؤ سو لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے پھر فرمایا حمد وصلوۃ کے بعد بات تو یہ ہے کہ البتہ انصار کا قبیلہ روز بروز گھٹتا جائے گا اور ان کے سوا اور لوگ بڑھتے جائیں گے سو جو شخص کہ حاکم ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے کسی چیز کا پھر اس کو اپنی حکومت میں اتنی طاقت ہو کہ کسی کا ضرر کر سکے یا کسی کو فائدہ پہنچا سکے تو چاہیے کہ انصار کی نیکیوں کو قبول کرے اور ان کے بدکاروں سے در گزر کرے۔

فائدہ: یہ غیب کی خبر ہے شاید وحی سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ بنی امیہ وغیرہ کی سلطنت میں انصاریوں پر ظلم ہوگا اس واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی سفارش میں یہ حدیث فرمائی یعنی امت محمدی کے حاکم کو لازم ہے کہ ان کے

نیکوں کی تعظیم اور توقیر کرے اور ان کے بدکاروں سے چشم پوشی کرے یعنی اگر کوئی حرکت تعزیر کے لائق کریں تو حاکم اس کو ٹال جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر چہ انصار حد مارنے کا گناہ کریں تو ان پر حد نہ مارے اس واسطے کہ حدود معین میں کسی کی سفارش نہیں اور اس میں حاکم کو کچھ اختیار نہیں چنانچہ حضرت ﷺ نے خود فرمایا کہ اگر فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دوں ان سب حدیثوں سے ثابت ہوا کہ خطبہ میں اما بعد کہنا سنت ہے پس مطابقت ان حدیثوں کی باب سے ظاہر ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اما بعد کا لفظ فقط خطبوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسالوں اور کتابوں وغیرہ کی ابتدا میں بھی کہنا جائز ہے جیسا کہ اکثر مصنفوں کا دستور ہے اور اگر صرف وبعد کہے یا اما بعد الحمد کہے تو یہ بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے اور یہی مشہور ہے امام احمد رحمہ اللہ سے اور امام مالک رحمہ اللہ کا ایک روایت میں بھی یہی قول ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ جلسہ خطبے کے واسطے شرط ہے بغیر اس کے خطبہ صحیح نہیں ہوتا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور کے نزدیک یہ جلسہ واجب نہیں سنت ہے وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی ذکر پڑھنا نہیں آیا پس واجب نہیں ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے اس پر ہمیشگی کی ہے پس واجب ہوگا کہ مواظبت وجوب پر دلالت کرتی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی اس دلیل کا قوی جواب جمہور کی طرف کوئی نظر نہیں آیا ہے اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت ﷺ جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے تھے پس جب مؤذن اذان سے فارغ ہوتا تو کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھ جاتے اور کلام نہ کرتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس جلسے میں کلام نہ کرنی چاہیے اور کوئی ذکر یا دعا وغیرہ پڑھنا بھی اس جلسے میں ثابت نہیں ہوا نہ پوشیدہ اور نہ پکار کر اور اس کی نفی بھی ثابت نہیں ہوئی، واللہ اعلم۔

٨٧٦ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا.

٨٧٦۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے ان کے درمیان بیٹھ جاتے۔

فائدہ: اس جلسے کی مقدار میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کی مقدار جلسے استراحت کے برابر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جتنے میں سورہ قل ہو اللہ احد پڑھی جائے اسی قدر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہر ہڈی اپنی جگہ میں پلٹ آئے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان فرق ہو جائے یا خطیب آرام پکڑے اور ان دو خطبوں کی

مقدار میں بھی علماء کو اختلاف ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خطبے میں وعظ کرنا اور قرآن پڑھنا شرط ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر ہر خطبے میں حمد وصلوۃ اور وعظ تینوں شرط ہیں اور قرآن کی ایک آیت پڑھنی واجب ہے خواہ پہلے میں پڑھے خواہ پچھلے میں اور دوسرے میں مومنوں کے واسطے دعا کرنی واجب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس پر خطبے کا نام بولا جائے اس قدر پڑھنا کافی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ادنیٰ چیز جو ذکر اللہ یعنی تسبیح اور تحمید کو شامل ہو اس سے خطبہ صحیح ہو جاتا ہے یعنی اگر فقط سبحان اللہ والحمد للہ کہے تو خطبے کے بدلے پس یہی کافی ہے اس لیے کہ آیت جمعہ میں مطلق ذکر آیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس کو کوئی خطبہ نہیں کہتا اور اس سے خطبے کا مقصود یعنی وعظ وغیرہ حاصل نہیں ہوتا اور نیز یہ قول حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت کے مخالف ہے کہ آپ نے ایسا خطبہ کبھی نہیں پڑھایا۔

بَابُ الْاِسْتِمَاعِ اِلَی الْخُطْبَةِ. جمعہ کے خطبے کے سننے کا بیان یعنی واجب ہے یا نہیں۔

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ علماء کو اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ خطبے میں کلام کرنی حرام ہے یا مکروہ ہے سو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کی روایت آئی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عام علماء کہتے ہیں کہ خطبے میں کلام کرنی حرام ہے اور اس کو سننا اور اس کے واسطے چپ رہنا واجب ہے اور امام نخعی اور امام شعبی وغیرہ سے روایت ہے کہ فقط اسی وقت چپ رہنا واجب ہے جب کہ خطیب کوئی قرآن کی آیت پڑھے ورنہ نہیں اور اس میں یہی اختلاف ہے کہ جب کوئی دور ہونے کے سبب سے خطبے کی آواز نہ سن سکے تو اس پر بھی سکوت واجب ہے یا نہیں سو جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی اس پر چپ رہنا واجب ہے اور امام نخعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس پر چپ رہنا واجب نہیں۔

٨٧٧ ۔ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَغَرِّ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَآئِكَةُ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِیْ يُهْدِیْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِیْ يُهْدِیْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ.

٨٧٧ ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے دروازے پر فرشتے کھڑے ہوتے ہیں لکھتے جاتے ہیں کہ فلانا شخص آیا اس کے بعد فلانا آیا سو جو اول وقت آئے تو وہ اس کی مثل ہے جس نے اونٹ قربانی کی اور جو اس کے پیچھے آئے وہ اس کی مثل ہے جس نے گائے قربانی کی پھر مثل اس کی جس نے دنبہ قربانی کی پھر جس نے انڈا قربانی کی پھر جب امام خطبے کے واسطے منبر پر بیٹھتا ہے تو لپیٹ ڈالتے ہیں ان کاغذوں کو جس میں لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور مسجد میں آتے ہیں

اللہ کے ذکر سننے کو۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبے کے واسطے چپ رہنا اور اس کو سننا واجب ہے اس لیے کہ جب فرشتے لکھنا چھوڑ کر خطبے کو سنتے ہیں تو معلوم ہوا کہ خطبہ سننے کا بڑا اہتمام ہے کہ فرشتے اس کے سننے میں مشغول ہوتے ہیں پس آدمیوں کو بطریق اولیٰ سننا چاہیے کہ وہ مکلّف ہیں اور اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ابتدا منع کلام کا اس وقت سے ہے جب کہ امام خطبہ شروع کرے اس سے پہلے نہیں اور اس قسم کی ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی آئی ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ جب امام خطبے کے واسطے نکلے تو اسی وقت سے کلام کرنی حرام ہو جاتی ہے کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ۔

بَابُ إِذَا رَأَى الْإِمَامُ رَجُلًا جَآءَ وَهُوَ يَخْطُبُ أَمَرَهُ أَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ.

جب امام خطبہ پڑھتا ہو اور خارج سے کسی آدمی کو آتے دیکھے تو اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم کرے۔

٨٧٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ.

٨٧٨۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک مرد مسجد میں آیا اور حضرت ﷺ خطبہ پڑھتے تھے سو آپ نے فرمایا کہ کیا تو رکعتیں پڑھ چکا ہے؟ یعنی تحیۃ المسجد اس نے کہا کہ نہیں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اٹھ اور دو رکعتیں پڑھ لے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام خطبہ پڑھتا ہو اور کسی آدمی کو باہر سے آتے دیکھے تو اس کو دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم کرے بشرطیکہ پہلے اس سے دریافت کر لے کہ تحیۃ المسجد پڑھ چکا ہے یا نہیں لیکن یہ حکم امام کے ساتھ خاص ہے اور اس کے دیکھنے پر موقوف ہے اگر نہ دیکھے تو پھر اس پر یہ حکم کرنا کچھ ضروری نہیں اور جو شخص باہر سے آئے اس کے واسطے کوئی قید نہیں بلکہ مستحب ہے کہ ہر حال میں تحیۃ المسجد پڑھے۔

بَابُ مَنْ جَآءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ.

اگر کوئی شخص باہر سے آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو دو رکعت ہلکی نماز پڑھے۔

٨٧٩ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرًا قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ أَصَلَّيْتَ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ.

٨٧٩۔ ترجمہ اس کا وہی ہے جو اوپر گزرا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبے کے وقت بھی تحیۃ المسجد پڑھنا درست ہے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ سب حدیثیں صریح دلیلیں ہیں واسطے مذہب امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ اور فقہاء محدثین کے وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص جمعہ کے دن جامع مسجد میں آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہوتو اس کو مستحب ہے کہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھے اور ان کے پڑھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور مستحب ہے کہ ان کو ہلکا پڑھے دراز نہ کرے تا کہ بعد ان کے خطبہ سنے اور حسن بصری وغیرہ متقدمین سے بھی یہی قول بیان کیا گیا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور لیث اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ثوری اور جمہور صحابہ اور تابعین کہتے ہیں کہ خطبے کے وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھے اور یہی روایت ہے عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اور نیز لکھا ہے کہ تحیۃ المسجد ہر وقت پڑھنی جائز ہے اور اُن سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت تحیۃ المسجد کو ترک نہیں کیا بلکہ جو آدمی جمعہ کے دن آیا اس کو بھی نفل پڑھنے کا حکم فرمایا باوجودیکہ سوائے تحیۃ المسجد کے خطبے میں اور نماز پڑھنی منع ہے سو اگر تحیۃ المسجد کے کسی وقت ترک کرنے کا حکم ہوتا تو اس وقت ترک کی جاتی اس لیے کہ وہ بیٹھ گیا تھا اور وہ بیٹھنے سے پہلے مشروع ہیں اور نیز وہ جاہل تھا اور نیز آپ نے خطبے کو چھوڑ کر اس سے کلام کی اور نفل پڑھنے کا حکم دیا سو اگر ان کی سخت تاکید نہ ہوتی تو ایسے وقت میں متروک ہوتی انتہی۔ اور جمہور علماء اس حدیث کی کئی تاویلیں کرتے ہیں پہلی تاویل ان کی یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ شخص محتاج تھا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کھڑا ہوتا کہ سب لوگ اس کو دیکھیں اور اس کو صدقہ دیں اس واسطے آپ نے اس کو فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھ سو جواب اس کا یہ ہے کہ اصل فعل میں عدم خصوصیت ہے پس جب تک کوئی دلیل صحیح اس کی مخصص نہ ہو تب تک اپنے اصل پر رہے گی اور یہ علت بیان کرنی کہ آپ نے اس کو صدقے کے واسطے کھڑا ہونا فرمایا تھا سو یہ علت تحیۃ المسجد کے جائز ہونے کو مانع نہیں اس لیے کہ جو لوگ نفلوں کو اس وقت منع کرتے ہیں وہ صدقے کے واسطے نفل پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے اور نیز اگر یہ جائز ہوتا تو سب مکروہ وقتوں میں بھی جائز ہوتا حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں اور نیز نسائی وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ دوسرے جمعہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو نفل پڑھنے کا حکم فرمایا حالانکہ پہلے جمعہ میں اس کو دو کپڑے حاصل ہو چکے تھے سو ایک کو اس نے دوسرے جمعہ میں خیرات کر دیا اور نیز احمد اور ابن حبان وغیرہ کی حدیث میں آ چکا ہے کہ آپ نے اس کو تین جمعے یہی فرمایا پس معلوم ہوا کہ صدقے کا ارادہ اس کی علت نہیں تھا بلکہ علت کی ایک جزو تھا اور بعض کہتے ہیں کہ جب کوئی باہر سے آ کر بیٹھ جائے نفل پڑھنے سے پہلے تو نفل فوت ہو جاتے ہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اسی شخص کے حق میں ہے جو عالم ہو اور یہ مسئلہ جانتا ہو اور جو جاہل ہو یا بھول سے آ کر بیٹھ جائے تو اس کو جائز ہے کہ اٹھ کر نفل پڑھ لے سو پہلے جمعہ میں تو اس کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا اور باقی دو جمعوں میں بھول گیا تھا

اور ایک تاویل جمہور کی یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آیت کی معارض ہے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو چپ رہو اور سنو اور نیز اس حدیث کے معارض ہے کہ جب کوئی خطبے کے وقت اپنے ساتھی کو کہے کہ چپ رہ تو اس نے لغو کام کیا اور نیز معارض ہے اس حدیث کے کہ جب کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو نہ نماز پڑھے اور نہ کلام کرے سو جواب ان سب کا یہ ہے کہ تعارض کے ساتھ صرف اسی وقت عمل کیا جاتا ہے جب کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں تطبیق ممکن ہے سو آیت کے ساتھ تو تطبیق اس طور سے ہی ہوسکتی ہے کہ کل خطبے کو قرآن نہیں کہا جاتا ہے اور جو اس میں قرآن ہے تو اس کا عموم اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مخصوص ہے اور ان حدیثوں کا عموم بھی اس حدیث سے مخصوص ہے اور تخصیص عموم کے ساتھ خبر واحد کے بالاتفاق جائز ہے کما قدمناه فی الجزء الثالث اور نیز جو شخص کہ خطبے کے وقت باہر سے آ کر نماز پڑھے اس پر چپ رہنا صادق آتا ہے جیسا کہ افتتاح الصلوۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ اس نے عرض کیا کہ آپ اس سکتہ میں کیا پڑھا کرتے ہیں جو تکبیر تحریمہ اور قرآن کے درمیان ہے اس لیے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں پڑھنا چپ رہنے کے مخالف نہیں بلکہ اس کو بھی سکوت کہا جاتا ہے اور نیز جس حدیث میں آیا ہے کہ خطبے کے وقت نہ نماز ہے نہ کلام ہے وہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی ایوب بن نہیک ہے اور وہ منکر الحدیث ہے جیسا کہ ابو زرعہ اور ابو حاتم نے کہا ہے اور ترمذی نے کہا کہ اس باب میں سلیک کی حدیث سب سے زیادہ تر قوی ہے اور بعض اس حدیث سلیک کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ جو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے تو مراد امام کے خطبہ پڑھنے سے یہ ہے کہ امام خطبہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو نہ یہ کہ حقیقتاً خطبہ پڑھتا ہو اور اس کے سوا اور بھی کئی تاویلیں کرتے ہیں سو ان سب تاویلوں کو یہ حدیث جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے جو بخاری اور مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی مسجد میں آئے تو نہ بیٹھے جب تک کہ دو رکعتیں نہ پڑھ لے سو یہ حدیث باعتبار عموم کے صریح ہے ان تاویلوں کے ہونے میں اور جمہور کی ایسی کوئی تاویل نہیں جس کے باطل ہونے پر یہ حدیث دلالت نہ کرے اور نیز جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے سو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہو یا خطبے کے واسطے نکلا ہو تو چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھے اور مسلم کی ایک روایت میں جابر رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ یہ آپ نے سلیک کے قصے میں فرمایا اور وہ یہ ہے کہ دو رکعتیں ہلکی پڑھ پھر فرمایا کہ جب کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھے اور ان میں تخفیف کرے (متفق علیہ)۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلے میں نص ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں اور ابو محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث اس باب میں نص ہے تاویل کا کوئی احتمال نہیں رکھتی ہے اول اس وجہ سے کہ آپ نے یہ کلمہ خطبے کی حالت میں فرمایا پس اگر مراد اس سے ارادہ پڑھنے کا لیا جائے تو یہ سیاق حدیث کے

بالکل مخالف ہو جائے گا اور بے محل ہو گا دوم اس وجہ سے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث متفق علیہ میں خطبہ پڑھنے کے مقابلے میں امام کا خطبے کے لیے نکلنا واقع ہوا ہے اور خطبے کے لیے نکلنا یہ عین ارادہ خطبے کا ہے سو اگر یخطب کا معنی ارادے کا کیا جائے تو دونوں سے ایک لفظ حدیث بالکل مہمل ہو جائے گا سوم اس وجہ سے کہ آپ نے سلیک کو نفل پڑھنے کا حکم عین خطبے میں فرمایا تھا اور اسی وقت بعد اس کے آپ نے یہ حدیث فرمائی کہ جب کوئی آئے اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو چاہیے کہ دو رکعت پڑھے پس اگر یخطب سے مراد ارادہ خطبے کا لیا جائے تو یہ حدیث اس موقع میں بیان کرنی محض لغو ہو جائے گی اسی واسطے امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث نص ہے اس مسئلے میں ۔ چہارم اس وجہ سے کہ ان سب تاویلوں سے ہر ہر تاویل کا علیحدہ علیحدہ جواب بھی فتح الباری میں موجود ہے شائق اس کا مطالعہ کرے اور بعض کہتے ہیں کہ حدیث سلیک کی منسوخ ہے کہ یہ حکم اسی وقت تھا جب نماز میں کلام کرنا جائز تھا سو جواب اس کا یہ ہے کہ سلیک کا اسلام بہت متاخر ہے اور نماز میں کلام کا حرام ہونا اس سے بہت پہلے ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ سو جو دلیل مقدم ہو وہ متاخر کی ناسخ ہرگز نہیں ہو سکتی ہے اور نیز محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ نسخ کے واسطے کئی شرطیں ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں سو جب تک شرطیں پائی نہ جائیں تب تک نسخ کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ۔ اور نیز حنفیہ وغیرہ اس باب میں ایک یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو اوپر گزر چکی ہے کہ جب امام خطبے کے واسطے نکلے تو نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام سو اس حدیث میں بھی احتمال نسخ کا موجود ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تحیۃ المسجد کے حکم سے پہلے ہو بعد اس کے حدیث تحیۃ المسجد سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہو فما هو جوابكم فهو جوابنا اور بعض حنفی یہ حدیث بطرو دلیل لاتے ہیں کہ خطبے کے وقت نماز نہ پڑھو سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس کا عموم بھی سلیک کی حدیث سے مخصوص ہے کما مر اور بعض کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ پر نہانے کا انکار کیا اور اس کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہ دیا سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث میں اس کی نفی نہیں احتمال ہے کہ اس گفتگو سے پہلے یا پیچھے عثمان رضی اللہ عنہ نے تحیۃ المسجد پڑھ لی ہو واللہ اعلم بالصواب ۔ اور اس حدیث سے اور بھی کئی فائدے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ مکروہ وقتوں میں بھی تحیۃ المسجد پڑھنی جائز ہے اس لیے کہ خطبہ سننا فرض ہے اور جب وہ خطبے کے وقت بھی ساقط نہ ہوئے تو مکروہ وقتوں میں بطریق اولیٰ جائز ہوں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد بیٹھنے سے فوت نہیں ہوتی لیکن بعض نے اس کے ساتھ ناسی اور جاہل کی قید لگائی ہے اور یہ کہ امام کو خطبے میں امر بالمعروف کرنا اور بری بات سے روکنا جائز ہے اور اس سے خطبے کو نقصان نہیں بلکہ بعض نے کہا کہ یہ سب کچھ خطبے میں داخل ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبے میں سلام کا جواب اور چھینکنے کا جواب دینا بھی جائز ہے اس لیے کہ وہ بہت ہلکے کام ہیں اور تھوڑے وقت میں ادا ہو جاتے ہیں اور خانے کعبے کی مسجد کا بھی یہی حکم ہے لیکن جو باہر سے جائے وہ پہلے طواف کرے پھر نفل پڑھے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ.

خطبے میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی جائز ہے۔

٨٨٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ يُوْنُسَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْكُرَاعُ وَهَلَكَ الشَّآءُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَسْقِيَنَا فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا.

٨٨٠۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس حالت میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تھے کہ اچانک ایک مرد کھڑا ہوا سو اس نے عرض کیا کہ یا حضرت! گھوڑے ہلاک ہو گئے اور بکریاں مر گئیں یعنی پانی نہ ہونے کے سبب سے سو آپ دعا کیجئے اللہ پانی برسادے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دراز کیے اور دعا کی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبے میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی جائز ہے اس لیے کہ ہاتھوں کا دراز کرنا اٹھانے کو مستلزم ہے۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَآءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

جمعہ کے خطبے میں مینہ کی دعا مانگنی جائز ہے۔

٨٨١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ قَزَعَةً فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ

٨٨١۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت لوگوں میں قحط پڑا سو جس حالت میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی کھڑا ہوا سو اس نے عرض کی کہ یا حضرت! جانور مر گئے اور لڑکے بھوک سے مرتے ہیں سو آپ دعا کیجئے اللہ مینہ برسائے تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور ہم آسمان پر کہیں بدلی کا نشان نہ دیکھتے تھے یعنی آسمان بالکل صاف پڑا تھا سو قسم ہے اس کی جس کے قابو میں میری جان ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو نیچے نہیں لائے تھے کہ یکایک پہاڑوں کی طرح بادل اٹھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے نہ اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی داڑھی سے پانی ٹپکتا تھا سو اس دن بھی ہم پر مینہ برسا اور اس سے پچھلے دن بھی اور اس سے پچھلے دن بھی اور اس سے پچھلے دن بھی یہاں تک کہ آئندہ جمعہ تک لگا تار پانی برستا رہا آفتاب نظر نہ پڑا

الْغَدِ وَالَّذِیْ یَلِیْهِ حَتَّی الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ قَالَ غَیْرُهٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَآءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا فَمَا یُشِیْرُ بِیَدِهٖ اِلٰی نَاحِیَةٍ مِّنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِیْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِیُ قَنَاةَ شَهْرًا وَلَمْ یَجِیْٔ اَحَدٌ مِّنْ نَّاحِیَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.

حضرت ﷺ دوسرے جمعہ کا خطبہ پڑھتے تھے کہ وہی دیہاتی پھر کھڑا ہوا یا کوئی اور تھا سو اس نے عرض کی کہ یا حضرت گھر پانی کی کثرت سے گر گئے اور جانور مر گئے سو اللہ سے دعا کیجئے کہ مینہ کو روکے تو حضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی کہ الٰہی! ہمارے آس پاس برسے ہم پر اب نہ برسے سو آپ ہاتھ سے کسی طرف اشارہ نہیں کرتے تھے مگر اس طرف سے بادل دور ہو جاتا تھا (سو مدینے کے اوپر سے بادل ٹل گیا) اور مدینہ ڈھال کی طرح خالی ہو گیا اور نالا ایک مہینے تک بہتا رہا سو کوئی آدمی کسی طرف سے نہیں آتا تھا مگر کہ بہت مینہ کی خبر دیتا تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے خطبے میں مینہ کے لیے دعا مانگنی جائز ہے کہ حضرت ﷺ نے خطبے میں دعا مانگی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبے میں کلام کرنی جائز ہے، کما سیأتی.

بَابُ الْاِنْصَاتِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ وَاِذَا قَالَ لِصَاحِبِهٖ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا.

جب امام جمعہ کا خطبہ پڑھے تو اس وقت مقتدی چپ رہیں کلام نہ کریں اور اگر کوئی اپنے پاس والے کو کہے کہ تو چپ رہ تو اس نے بیہودہ کلام کی یعنی خطبے کے وقت ایک دوسرے کو اتنا لفظ بھی نہ کہے تو چپ رہے چہ جائیکہ کلام کرے۔

فائدہ: غرض اس باب سے یہ ہے کہ چپ ہونے کا حکم صرف اس وقت ہے جبکہ امام خطبہ پڑھتا ہو خطبہ شروع ہونے سے پہلے چپ رہنے کا حکم نہیں پس اس سے رد ہو گیا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کا جو کہتے ہیں کہ جب امام خطبے کے ارادے سے باہر آئے تو اسی وقت سے کلام کرنی منع ہو جاتی ہے اور وجہ اس رد کی اس حدیث میں ابھی آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ لیکن بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ اس وقت حرمت کلام کے قائل نہیں مکروہ کہتے ہیں، واللہ اعلم۔

وَقَالَ سَلْمَانُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ.

اور سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ جب امام خطبہ پڑھے تو اس وقت مقتدی چپ رہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چپ رہنا فقط اسی وقت واجب ہے جب کہ امام خطبہ پڑھے اس سے پہلے یا

پیچھے یہ حکم نہیں جیسا کہ اس شرط سے معلوم ہوتا ہے۔

٨٨٢ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ.

٨٨٢ ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ چپ رہ اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو بیشک تو نے نکمی اور لغو بات کی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبے کے وقت چپ رہنا واجب ہے اور کلام کرنی حرام ہے اور جب دوسرے بولنے والے سے کہے کہ چپ رہ تو اس کا بولنا بھی ثابت ہوا پس زبان سے منع نہ کرے بلکہ اشارے سے منع کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چپ رہنا فقط اسی وقت واجب ہے جب کہ امام خطبہ پڑھتا ہو اس سے پہلے یا پیچھے کلام کرنی منع نہیں اس لیے کہ اس حدیث میں جملہ **والامام یخطب** کا حال واقع ہوا ہے پس یہ قید دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ امام کے نکلنے اور خطبہ شروع کرنے کے درمیان کلام کرنی منع ہے اور اسی طرح خطبے سے فارغ ہونے اور تکبیر تحریمہ کے درمیان بھی کلام کرنی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ چپ رہے **کما مر** اور بعض نے کہا کہ خطبے کے وقت اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے لیکن یہ بات ٹھیک نہیں بلکہ کلام اور قرأت اور ذکر وغیرہ سب اس وقت منع ہیں سوائے تحیۃ المسجد کے کہ وہ اس سے مخصوص ہیں **کما تقدم** اور اسی طرح کھانا پینا اور لکھنا اور امر معروف کرنا وغیرہ بھی منع ہے اور اسی طرح درود پڑھنے کو بھی بعض حنفی منع کرتے ہیں اور علماء نے کہا کہ جمعہ کے خطبے میں لغو بات کرنی گو حرام ہے لیکن اس حالت میں فرض وقت اس کے ذمے سے بالاجماع ساقط ہو جاتا ہے مگر جمعہ کی فضیلت سے محروم رہتا ہے پس نکمی بات کرنے کا یہ معنی ہوا کہ جمعہ کی فضیلت تجھ کو حاصل نہیں ہے یا تیرا جمعہ ادا نہیں ہوا بلکہ ظہر کی نماز ادا ہوئی اور بعض نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے اس پر کہ خطبے میں سب قسم کی کلام کرنی منع ہے اور یہی ہے مذہب جمہور کا خواہ خطبے کو سن سکے یا نہ سن سکے جیسا کہ اوپر گزرا اور ابن عبدالبر نے خطبے میں سکوت کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے گو بعض تابعین وغیرہ سے اس کا برخلاف بھی ثابت ہو چکا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ سے اس مسئلے میں دو قول ہیں ایک میں حرام ہے اور دوسرا مکروہ ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر خطبہ سنے تو کلام کرنی حرام ہے اور اگر نہ سن سکے تو حرام نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جس پر جمعہ کی صحت موقوف ہے ان کو کلام کرنی حرام ہے باقی کو نہیں اور اصل یہ ہے کہ جس نے سکوت کے وجوب کی نفی کی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ یہ سکوت صحت جمعہ کے واسطے شرط نہیں بخلاف غیر کے اور بعض نے اتفاق نقل کیا ہے اس پر کہ جو کلام نماز میں جائز ہے وہ خطبے میں بھی جائز ہے جیسا کہ اندھے کو

کنویں سے ڈرانا اور بعض نے کہا کہ جب خطیب خطبے میں بادشاہ کے واسطے دعا کرنے لگے تو اس وقت چپ رہنا واجب نہیں اور یہ دعا بعض کے نزدیک مباح ہے جب کہ ضرر کا خوف ہو اور جب ضرر کا خوف نہ ہو تو مباح نہیں واللہ اعلم۔ اور دو خطبوں کے درمیان کے جلسے میں کلام کرنی شافعیہ اور حنبلیہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ حرام ہے اور امام محمد حنفی کہتے ہیں کہ مکروہ ہے۔

بَابُ السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ.

جمعہ کی مقبول گھڑی کا بیان یعنی جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں مسلمان جو دعا کرے قبول ہو جاتی ہے جب تک گناہ کا سوال نہ کرے۔

٨٨٣ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ يُقَلِّلُهَا.

٨٨٣۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا سو فرمایا کہ اس دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اس کو کوئی بندہ مسلمان نہیں پاتا اور وہ نماز پڑھتا ہو اللہ سے کوئی چیز مانگے مگر کہ اللہ وہ چیز اس کو دیتا ہے یعنی اس میں مسلمان کوئی دعا کرے قبول ہوتی ہے اور وہ چیز اللہ سے مانگے اللہ اس کو وہ چیز عنایت کرتا ہے خواہ قصداً اس میں دعا کرے یا یوں ہی اتفاق سے اس میں دعا واقع ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ گناہ کے واسطے دعا نہ کرے کہ وہ قبول نہیں اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اس حال میں کہ اس کی کمی بیان کرتے تھے یعنی نہایت تھوڑی دیر رہتی ہے۔

فائدہ: صحابہ اور تابعین وغیرہ علماء کو اس گھڑی مقبول میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ساعت اب بھی باقی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اب باقی نہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی اور بر تقدیر اول بعض کہتے ہیں کہ ہر جمعہ میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہر سال کے ایک جمعہ میں ہے اور بر تقدیر اول بعض کہتے ہیں کہ جمعہ میں اس کا وقت معین ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معین نہیں اور بر تقدیر اول بعض کہتے ہیں کہ وہ وقت معین کی ابتداء سے انتہاء تک باقی رہتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے کسی لحظے غیر معین میں ہوتی ہے اور بر تقدیر ثانی اس کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے اور انتہاء کہاں سے ہوتی ہے اور پھر بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ اس کا ایک وقت معین ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معین نہیں بلکہ وقت بدلتا رہتا ہے کسی جمعہ میں کسی وقت آتی ہے اور کسی جمعہ میں کسی وقت آتی ہے اور بر تقدیر ثانی تمام دن میں بدلتی رہتی ہے یا کچھ دن میں بدلتی رہتی ہے سو جاننا چاہیے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اب وہ گھڑی باقی نہیں رہی سو یہ قول ان کا

سلف کے نزدیک مردود ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا قائل جھوٹا ہے اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ وہ گھڑی اب بھی موجود ہے اور ہر جمعہ میں آتی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ تمام سال کے ایک جمعہ میں آتی ہے ان کا قول بھی مردود ہے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس قول کو بھی رد کیا ہے اور پھر بعض کہتے ہیں کہ جمعہ میں اس کا وقت معین نہیں جیسا کہ شب قدر کا کوئی وقت معین نہیں اور حکمت اس میں لوگوں کو رغبت دلانا اور مستعد کرنا ہے اس پر کہ وہ جمعہ کے دن عبادت میں نہایت کوشش کریں اور صبح سے شام تک عبادت اور دعا میں مشغول رہیں بخلاف اس کے کہ اگر اس کا کوئی وقت معین ہوتا تو فقط اسی وقت عبادت کرتے اور وقت ترک کرتے سو انسان کو چاہیے کہ جمعہ کے دن صبح سے شام تک دعا میں مشغول رہے تاکہ وہ گھڑی مقبول بھی اس میں آجائے اور بعض نے کہا کہ ایک جمعہ میں مثلاً صبح سے چاشت تک دعا کرے اور پھر دوسرے جمعہ میں چاشت سے لے کر دوپہر تک دعا کرے اور پھر تیسرے جمعہ میں دوپہر سے لے کر ظہر تک دعا کرے وعلی ہذا القیاس آخر دن تک ایسے ہی دعا کیا کرے کہ اس میں وہ گھڑی بھی آجائے گی اور بعض کہتے ہیں کہ ہر جمعہ میں اس کا وقت بدلتا رہتا ہے کبھی دن کے اول میں آتی ہے اور کبھی درمیان میں اور کبھی اخیر دن میں اور اکثر کہتے ہیں کہ اس کا وقت معین ہے بدلتا نہیں لیکن اس تعیین میں بھی علماء کو اختلاف ہے اول قول یہ ہے کہ وہ گھڑی صبح کی اذان کا وقت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا وقت عصر سے لے کر سورج ڈوبنے تک ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وہ امام کے منبر سے اترنے اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کا وقت ہے پانچواں قول یہ کہ اس کا وقت سورج نکلنے کے بعد پہلی ساعت ہے۔ چھٹا قول یہ کہ اس کا وقت طلوع آفتاب کے قریب ہے۔ ساتواں قول یہ کہ وہ گھڑی دن کی تیسری ساعت میں ہے۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ اس کا وقت زوال سے آدھے ہاتھ سایہ ہونے تک ہے۔ نواں قول یہ ہے کہ ایک ہاتھ پورا سایہ ہونے تک ہے۔ دسواں قول یہ کہ زوال کے بعد ایک بالشت سے ایک ہاتھ سایہ ہونے تک ہے۔ گیارواں قول یہ کہ وہ عین زوال کا وقت ہے۔ بارھواں قول یہ کہ وہ جمعہ کی اذان کا وقت ہے۔ تیرھواں قول یہ کہ وہ وقت زوال سے آدمی کے نماز میں آنے تک ہے۔ چودھواں قول یہ کہ وہ وقت زوال سے لے کر امام کے آنے تک ہے۔ پندرھواں قول یہ ہے کہ وہ وقت زوال سے لے کر سورج ڈوبنے تک ہے۔ سولھواں قول یہ ہے کہ وہ وقت امام کے آنے سے لے کر نماز کی تکبیر تک ہے۔ سترھواں قول یہ کہ وہ گھڑی امام کے باہر آنے کا وقت ہے۔ اٹھارواں قول یہ کہ وہ گھڑی امام کے آنے سے لے کر نماز کے تمام ہونے تک ہے۔ انیسواں قول یہ ہے کہ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے تمام ہونے تک ہے۔ بیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی بیع کے حرام ہونے کے وقت سے لے کر اس کے حلال ہونے تک ہے۔ اکیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی اذان کا وقت ہے اور تکبیر کا وقت ہے اور امام کے منبر پر چڑھنے کا وقت ہے۔ بائیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی امام کے خطبہ شروع کرنے سے لے کر اس کے تمام کرنے تک ہے۔ تیئسواں قول یہ کہ وہ

گھڑی وہ ہے جب کہ امام منبر پر بیٹھے اور خطبہ شروع کرے۔ چوبیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی وہ ہے جب کہ امام دو خطبوں کے درمیان بیٹھے۔ پچیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی وہ ہے جب امام منبر سے نیچے آئے۔ چھبیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی نماز کے تکبیر کہنے سے لے کر امام کے مصلے پر کھڑے ہونے تک ہے۔ ستائیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی اقامت سے لے کر نماز کے تمام ہونے تک ہے۔ اٹھائیسواں قول یہ کہ اس کا وقت وہ ہے جس میں حضرت ﷺ نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ انتیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی نماز عصر سے لے کر سورج ڈوبنے تک ہے۔ تیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی عصر کے درمیان ہے۔ اکتیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی عصر کی نماز سے لے کر آخر وقت مختار تک ہے یعنی سورج زرد ہونے سے پہلے تک۔ بتیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی مطلق عصر کے بعد ہے۔ تینتیسواں قول یہ کہ وہ گھڑی عصر کے بعد کی آخری گھڑی ہے۔ چونتیسواں قول یہ کہ اس کا وقت آدھا آفتاب ڈوبنے سے لے کر پورا ڈوبنے تک ہے۔ یہ سب اقوال شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں نقل کیے ہیں اور اس کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں اور سب کی صحت اور ضعف کا حال بھی مفصل بیان کیا ہے اور یہ اقوال آپس میں ہر جہت سے ایک دوسرے کے معارض نہیں بلکہ اکثر کی آپس میں تطبیق ہوسکتی ہے اور اکثر اقوال میں جو اس کا وقت معین ہو چکا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ گھڑی اس تمام وقت کو گھیر لیتی ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس وقت کے درمیان ہے اس لیے کہ حضرت ﷺ نے اس کو بہت قلیل بتلایا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ساعت نہایت خفیف اور ہلکی ہے اور خاص وقت کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں بدلتی رہتی ہے پس ہوگا ابتدا مظنہ اس کے کا مثلا ابتدا خطبے کا اور انتہا اس کا انتہا نماز کا اور بہت لوگوں نے جو اس کو معین کیا ہے تو شاید وجہ اس کی یہ ہے کہ اوقات مذکورہ سے جس وقت میں ان کی دعا قبول ہونے کا اتفاق ہوا اسی کو انہوں نے معین کر دیا پس اس تقریر سے سب میں تطبیق ہو جائے گی، اِلّا نادراً جِدًّا اور بعد اس کے جاننا چاہیے کہ ان سب قولوں میں نہایت صحیح اور بہت قوی دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ ساعت اس وقت سے ہے کہ امام منبر پر بیٹھے یہاں تک کہ نماز تمام ہو چکے اس قول کی سند ابو موسیٰ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی مقبول ساعت امام کے بیٹھنے سے نماز کے ادا ہونے تک ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے اخیر ساعت ہے جب سورج ڈوبنے لگے چنانچہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کی حدیث منقول ہے اور دن کی بارہ گھڑیاں ہوتی ہیں محب طبری نے کہا کہ سب میں زیادہ صحیح حدیث ابو موسیٰ کی ہے اور سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن سلام کا قول ہے اور ان کے سوا باقی جو قول ہیں سو ان میں سے بعض تو ان کے موافق ہیں اور جو موافق نہیں تو ان کی اسناد ضعیف ہیں اور یا موقوف ہیں اور کہنے والے نے اپنے اجتہاد سے کہا ہے دلیل سے نہیں کہا اور ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو وہ ساعت معلوم ہوئی تھی لیکن میں اس کو بھول گیا ہوں سو یہ حدیث ان دونوں قولوں کی معارض نہیں اس لیے کہ احتمال ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھولنے کی بھولنے کے پہلے

حضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی ہو اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں قولوں میں سے زیادہ ترجیح کون سا قول ہے سو بعض نے تو حدیث ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی چنانچہ بیہقی نے امام مسلم سے نقل کیا ہے کہ اُس نے کہا کہ حدیث ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس باب میں بڑی کھری اور بہت صحیح ہے اور یہی قول ہے بیہقی اور ابن عربی اور ایک جماعت اہل علم کا قرطبی نے کہا کہ یہ حدیث اس مسئلے میں نص ہے پس اس کے سوا اور کسی قول کی طرف التفات کرنا لائق نہیں امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہی قول صحیح بلکہ صواب ہے اور بعض علماء نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی ہے چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اکثر حدیثوں سے یہی قول ثابت ہوتا ہے اور ابن عبدالبر نے کہا کہ اس باب میں یہ قول زیادہ ثابت ہے اور یہی قول ہے اسحاق اور طرطوشی اور ملکانی کا اور یہی بیان کیا گیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رفع زیادتی ثقہ کی ہے اور زیادتی ثقہ کی بالاتفاق مقبول ہے اور بعض نے کہا کہ وہ مقبول گھڑی ان دو وقتوں میں منحصر ہے یعنی کسی خاص وقت میں معین نہیں بلکہ مبہم ہے اور یہ دو قول ایک دوسرے کے معارض نہیں اس لیے کہ احتمال ہے کہ حضرت ﷺ نے ایک وقت ایک کو بتلایا ہو اور دوسرا وقت دوسرے کو بیان کیا ہو اور ابن عبدالبر نے کہا کہ دونوں وقت دعا میں کوشش کرنی چاہیے اور یہ قول ثالث اولیٰ ہے کہ اس میں دونوں کی تطبیق ہو جاتی ہے اور فائدہ اس گھڑی اور شب قدر کے نہ معین کرنے کا یہ ہے کہ آدمی کو زیادہ رغبت اور زیادہ حرص پیدا ہوتا کہ نماز اور دعا میں زیادہ کوشش کرے اور تمام وقت عبادت میں مشغول رہے اور اگر وہ گھڑی معین ہو جاتی تو لوگ اس وقت پر بھروسہ کر بیٹھتے اور باقی وقتوں میں دعا کرنا چھوڑ دیتے پس اس فائدے کے بعد بھی اگر کوئی اس کی تعیین طلب کرے تو اس پر بڑا ہی تعجب ہے اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ جمعہ کے دن کو بڑی فضیلت ہے کہ اس میں ایک گھڑی مقبول ہے اور یہ کہ مستحب ہے کہ اس میں بہت دعا کرے، واللہ اعلم۔

بَابُ إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ.

اگر جمعہ کی نماز میں لوگ امام کے پیچھے سے نماز چھوڑ کر چلے جائیں تو اس صورت میں امام اور باقی مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کا امام کے پیچھے سے چلے جانا باقی لوگوں کی نماز کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

فائدہ: ظاہر اس باب سے غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ جتنے آدمیوں کے ساتھ جمعہ قائم کرنا صحیح ہوتا ہے ان کا امام کے ساتھ نماز میں اول سے آخر تک رہنا شرط نہیں صرف تکبیر تحریمہ میں ان کا موجود ہونا شرط ہے بعد اس کے اگر بعض مقتدی امام کے پیچھے سے نماز توڑ کر چلے جائیں تو باقی لوگوں کی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا اور جتنے لوگوں کے ساتھ جمعہ صحیح ہوتا ہے ان کی تعداد کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واسطے بیان نہیں کیا کہ وہ حدیث اس کی

شرط پر نہیں تھی سو جاننا چاہیے کہ علماء کو اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جمعہ کے قائم کرنے میں کتنے آدمیوں کا ہونا شرط ہے سو پہلا قول یہ ہے کہ فقط ایک آدمی سے جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے نقل کیا ہے اس کو ابن حزم نے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دو آدمی سے صحیح ہوتا ہے اور یہی قول ہے امام نخعی اور اہل ظاہر وغیرہ کا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ امام کے سوا دو مقتدی ہوں اور یہ قول ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ امام کے سوا تین آدمی اور ہوں اور یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ سات آدمی ہوں اور یہ قول عکرمہ کا ہے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ نو آدمی ہوں اور یہ قول ربیعہ کا ہے۔ ساتواں قول یہ ہے کہ بارہ آدمی ہوں اور یہ بھی ربیعہ کا ایک قول ہے۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ سوائے امام کے آٹھ آدمی اور ہوں اور یہ قول اسحاق کا ہے۔ نواں قول یہ ہے کہ بیس آدمی ہوں اور یہ ایک قول امام مالک کا ہے۔ دسواں قول یہ ہے کہ تیس آدمی ہوں۔ گیارھواں قول یہ ہے کہ امام کے ساتھ چالیس آدمی ہوں اور یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ بارھواں قول یہ ہے کہ سوائے امام کے دس آدمی ہوں اور یہ بھی ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ تیرھواں قول یہ ہے کہ پچاس آدمی ہوں اور یہ ایک قول امام احمد رحمہ اللہ کا ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے۔ چودھواں قول یہ ہے کہ اسی آدمی ہوں اس کو رازی نے حکایت کیا ہے۔ پندرھواں قول یہ ہے کہ بہت لوگ ہوں بغیر قید کے عدد معین کے۔ اور یہ قول اخیر کو ترجیح معلوم ہوتی ہے باعتبار دلیل کے انتہی۔ (فتح) اور امام شوکانی نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں ان اقوال کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ہے بلکہ میں نے کتاب وسنت میں ایک حرف بھی نہیں پایا جو ان پر دلالت کرے، واللہ اعلم۔

٨٨٤ ـ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا زَآئِدَةُ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَقْبَلَتْ عِيْرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا فَالْتَفَتُوْا إِلَيْهَا حَتّٰى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْأٰيَةُ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا﴾.

٨٨٤۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس حالت میں کہ ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک قافلہ غلہ لادے ہوئے آیا سو لوگ نماز چھوڑ کر اس کی طرف چلے گئے (یعنی اس لیے کہ اس وقت نہایت قحط پڑا ہوا تھا) یہاں تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے بارہ آدمی کے اور کوئی نہ رہا سو اس وقت یہ آیت اتری کہ جب لوگ دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا تو چلے جاتے ہیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا ہوا۔ الآیۃ۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس وقت نماز کے اندر تھے اور نماز توڑ کر چلے گئے تھے لیکن ایک روایت میں صحیح مسلم کے آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے سو بخاری کی اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں جو نماز

پڑھنے کا ذکر آیا ہے تو مراد اس سے یہ ہے کہ نماز کے منتظر تھے اور نماز کے منتظر کو حکم نماز کا ہوتا ہے پس اس سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی اور یا خطبے کو نماز کہنا تسمیة الشی بما قاربه کی قبیل سے ہے اور ایک روایت میں ابوعوانہ اور طبری کے آیا ہے کہ جب لوگ کوئی نکاح کرتے تو لڑکیاں باجہ بجایا کرتی تھیں سو لوگ ان کی آواز سن کر اس کی طرف دوڑ جاتے تھے اور حضرت ﷺ کو چھوڑ جاتے تو اس وقت یہ آیت اتری سو ممکن ہے کہ دو وقت میں یہ آیت اتری ہو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے جیسا کہ اوپر گزرا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کے واسطے شرط ہے اور یہ کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد چلے جانا مکروہ ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر جمعہ کی نماز میں امام کے پیچھے سے بعض مقتدی چلے جائیں تو باقی لوگوں کی نماز جائز ہو جاتی ہے اور اس میں رد ہے شافعیہ اور حنبلیہ پر وہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ میں چالیس آدمی کا اول سے آخر تک باقی رہنا شرط ہے اگر بعض لوگ خطبے کے درمیان یا نماز کے درمیان چلے جائیں اور پھر نہ آئیں یا بہت دیر کے بعد آئیں تو باقی لوگوں کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت کے تمام ہونے کے بعد چلے جائیں تو جائز ہے ورنہ نہیں لیکن یہ سب کچھ اس بنا پر ہے کہ اس حدیث میں نُصلی سے نماز پڑھنی مراد رکھی جائے اور اس کو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے جب کہ نماز کو توڑ کر جانا درست تھا اب یہ حکم آیت ﴿لا تبطلوا اعمالکم﴾ سے منسوخ ہے اور اگر نصلی سے مراد خطبہ رکھا جائے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے تو پھر اس حدیث کی باب سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی مگر کہ حالت نماز کو حالت خطبے پر قیاس کیا جائے اور اس باب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام کے ساتھ فقط ایک آدمی باقی رہ جائے تو اس وقت امام کا جمعہ درست نہیں ہوتا ہے اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور بعض کہتے ہیں کہ اگر ایک بھی باقی رہے تو جب بھی جمعہ صحیح ہو جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں کا رہنا شرط ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تین کا رہنا شرط ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر سب مقتدی رکوع سجود سے پہلے چلے جائیں تو امام خطبہ جمعہ نہیں ظہر پڑھے اور ابو یوسف رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر تکبیر تحریمہ کے بعد چلے جائیں تو جمعہ پڑھے اور رکوع اور سجود کے بعد تینوں کے نزدیک جمعہ پڑھے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی صحت کے واسطے چالیس آدمی کا ہونا شرط نہیں جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں اور بعض حدیثوں میں جو چالیس آدمی کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے جیسا کہ اسعد رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو اس سے شرطیت ثابت نہیں ہو سکتی ہے اس لیے کہ ان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو چالیس آدمی کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا اس سے اقل عدد کی نفی نہیں نکلتی ہے اور بعض شافعیہ حدیث صلوا کما رأیتمونی اصلی سے چالیس آدمی کے شرط ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ حدیث تمام احکام واجبہ اور مندوبہ میں وارد ہوئی ہے سو بعض احکام کے وجوب پر اس کا دلالت کرنا اور بعض پر نہ کرنا قطعی نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا.

جمعہ کی نماز سے پہلے اور پیچھے سنتیں پڑھنے کا بیان۔

٨٨٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ.

٨٨٥۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر سے پیچھے اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء سے پیچھے اور جمعہ کی نماز کے بعد کچھ نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ گھر کو پلٹ جاتے سو گھر میں دو رکعتیں پڑھتے۔

فائدہ: یہاں دو مسئلوں میں اختلاف ہے اول اختلاف اس مسئلے میں یہ ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت سنت پڑھے یا دو رکعت پڑھے سو امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک ظہر سے پہلے دو رکعت سنت ہے ان کی دلیل یہی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت پڑھے اور دلیل ان کی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل پڑھے چار ظہر سے پہلے اور دو اس سے پیچھے اور دو مغرب کے پیچھے اور دو عشاء سے پیچھے اور دو فجر سے پہلے تو اس کے واسطے اللہ بہشت میں گھر بنائے گا لیکن یہ تفصیل صرف حدیث ترمذی کی روایت میں آئی ہے اور ایک دلیل ان کی علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ترمذی میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اور اس سے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس پر عمل ہے اکثر صحابہ اور تابعین وغیرہ کا اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور ابن مبارک اور اسحاق کا اور مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے پھر نکل کر لوگوں کو نماز پڑھاتے اور اس سے قول اخیر کو ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیثیں اکثر قولی ہیں اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فعلی ہے اور قولی کو ترجیح ہوتی ہے فعلی پر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں دو رکعتوں سے مراد تحیۃ المسجد ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں گھر میں پڑھ آیا کرتے تھے اور جب مسجد میں آتے تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور نیز ان قولی حدیثوں میں وعدہ بہشت کا ہے اور فعلی میں نہیں اور یا کبھی دو پڑھ لے اور کبھی چار پڑھ لے دونوں طرح جائز ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ دو جائز ہیں اور چار افضل ہیں اور دوسرا اختلاف اس مسئلے میں یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے اور پیچھے کتنی سنتیں پڑھنی چاہییں ایک جماعت محدثین کی تو بالکل اس سے انکار کرتی ہے کہتے ہیں کہ جمعہ سے پہلے کوئی سنت نہیں نہ دو نہ چار اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ سے پہلے دو رکعت سنت ہے جیسا کہ اس باب سے معلوم ہوتا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کا ذکر نہیں لیکن

بخاری نے جمعہ کو ظہر کی نماز پر قیاس کیا ہے کہ جیسے ظہر سے پہلے دو رکعت سنت ہے ایسے ہی جمعہ سے پہلے دو رکعت سنت پڑھنی چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت ہے اور یہی مروی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک کا اور یہ لوگ اس باب میں کئی حدیثیں پیش کرتے ہیں لیکن وہ سب ضعیف ہیں جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے لیکن بوجہ تعدد طرق کے قابل احتجاج ہوسکتی ہیں اور اگر جمعہ کو ظہر پر قیاس کیا جائے تو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی جو ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہوسکتی ہے اور بعض حدیثوں کے عموم سے جمعہ کے پہلے دو رکعت سنت بھی معلوم ہوتی ہیں سو کہا جائے گا کہ دونوں طرح جائز ہے خواہ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت پڑھے اور خواہ دو رکعت پڑھے اس لیے کہ اس میں سب حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے اور جمعہ سے بعد کی سنتوں میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ جمعہ سے پیچھے دو رکعت سنت پڑھے اور یہی مروی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ترمذی نے کہا کہ اس پر عمل ہے بعض اہل علم کا اور ساتھ اسی کے قائل ہیں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور بعض کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت پڑھے اور یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی جمعہ کے بعد نماز پڑھنی چاہے تو چار رکعتیں پڑھے ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم کا عمل اس پر ہے اور ابو یوسف اور محمد کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعتیں ہیں اور افضل چار ہیں اور دلیل ان کی ابن عمر رضی اللہ عنہما اور علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے رواہ ابوداؤد وغیرہ اور تطبیق ان میں اس طور سے ہوسکتی ہے کہ ہر طور سے جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر مسجد میں ہو تو دو رکعتیں پڑھے اور اگر گھر میں ہو تو چار رکعتیں پڑھے جیسے کہ صاحب قاموس نے لکھا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾.

اس آیت کا بیان کہ پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کا فضل۔

فائدہ: مراد امام بخاری رحمہ اللہ کی اس باب سے یہ ہے کہ اس آیت میں جو جمعہ کے بعد روزی تلاش کرنے کا حکم ہوا ہے تو یہ حکم واسطے استحباب کے ہے وجوب کے واسطے نہیں اور اس پر اجماع ہو چکا ہے یعنی اگر بعد نماز جمعہ کے کسی کو حاجت ہو تو کوئی کسب کرے کہ مستحب ہے اور حاجت نہ ہو تو نہیں اور بعض نے کہا کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارت کرے اللہ اس کے کسب میں برکت دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے دنیاوی کام نہیں بلکہ عیادت مریض کی اور جنازہ وغیرہ میں حاضر ہونا مراد ہے۔

٨٨٦ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ

٨٨٦۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہماری رہ میں

حَدَّثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ أَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَتْ فِيْنَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلٰى أَرْبِعَآءَ فِيْ مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أُصُوْلَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِيْ قِدْرٍ ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِّنْ شَعِيْرٍ تَطْحَنُهَا فَتَكُوْنُ أُصُوْلُ السِّلْقِ عَرْقَهُ وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا فَنَلْعَقُهُ وَكُنَّا نَتَمَنّٰى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ.

ایک عورت رہتی تھی کہ اپنی کھیتی میں نالے پر گاجر اور چقندر بویا کرتی تھی سو جب جمعہ کا دن ہوتا تو چقندر کی جڑوں کو زمین سے اکھاڑتی اور ان کو ہانڈی میں ڈالتی پھر ایک مٹھی جو کا آٹا اس پر ڈالتی سو گاجر کی جڑیں پک کر گوشت کی طرح ہو جاتیں سو ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر پلٹ آتے اور آ کر اس عورت کو سلام کہتے سو وہ اس کھانے کو ہمارے آگے رکھتی سو ہم اس کو انگلیوں سے چاٹتے اور کھاتے اور ہم جمعہ کے دن اس کے کھانے کی بہت تمنا رکھتے تھے اور اس کو نہایت غنیمت سمجھتے تھے یعنی اس واسطے کہ ان دنوں اصحاب پر رزق کی بہت تنگی تھی اور سخت فقر وفاقہ گزرتا تھا پس آرزو کرتے تھے کہ کب جمعہ ہوگا اور کب اس کا کھانا ملے گا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیگانی عورت پر سلام کہنا جائز ہے اور مستحب ہے کہ جو کچھ حاضر ہو مہمان کے آگے لا کر رکھے اگرچہ کوئی ادنیٰ چیز ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اصحاب پر نہایت فقر وفاقہ گزرتا تھا کہ گاجروں کو بمنزلہ گوشت کے سمجھتے تھے اور باوجود اس کے عبادت کی طرف بہت جلدی کرتے تھے۔

٨٨٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِیْ حَازِمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ سَهْلٍ بِهٰذَا وَقَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

٨٨٧۔ حضرت سہل نے وہی حدیث بیان کی جو ابھی گزر چکی ہے اس میں اتنا لفظ زیادہ ہے کہ ہم نہیں سوتے تھے اور صبح کا کھانا نہیں کھاتے تھے مگر بعد جمعہ کے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے بعد روزی تلاش کرنا واجب نہیں اس لیے کہ وہ اصحاب بعد جمعہ کے کھانے اور سونے کے واسطے جاتے تھے اگر واجب ہوتا تو بعد اس کے قیلولہ نہ کرتے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْقَآئِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرنے کا بیان۔

٨٨٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ الشَّيْبَانِيُّ الْكُوْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ كُنَّا نُبَكِّرُ إِلَى الْجُمُعَةِ ثُمَّ نَقِيْلُ.

٨٨٨۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جمعہ کی نماز اول وقت پڑھا کرتے تھے پھر بعد اس کے قیلولہ کرتے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

٨٨٩ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبُوْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةَ ثُمَّ تَكُوْنُ الْقَآئِلَةُ.

٨٨٩۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھا کرتے تھے پھر بعد اس کے قیلولہ ہوتا۔

فائدہ: یہ حدیث بھی گزر چکی ہے پس ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد قیلولہ کرنا چاہیے اور جمعہ کو نہایت اول وقت میں ادا کرنا چاہیے، واللہ اعلم۔

❀……❀……❀

بسم الله الرحمن الرحيم

اَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ خوف کی نماز کا بیان یعنی اس کا پڑھنا جائز ہے

فائدہ: خوف کی نماز اس کو کہتے ہیں جو دشمن کے خوف اور مقابلے کے وقت پڑھی جاتی ہے یعنی اگر مسلمانوں اور کافروں کی لڑائی ہو رہی ہو اور نماز کا وقت آ جائے یا یہ خوف ہو کہ اگر ہم نماز میں کھڑے ہوں گے تو کافر پیچھے سے ہم پر آ پڑیں گے تو ایسی حالت میں خوف کی نماز پڑھنی جائز ہے اور اس کا جواز قرآن اور حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ یہ آیت اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَّلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَنْ تَضَعُوْا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾.

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں اگر تم کو ڈر ہو کہ ستائیں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے دشمن ہیں صریح اور جب تو ان میں ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہیے کہ ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہو جائیں اور آئے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور پاس لیں اپنا بچاؤ اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تو تم پر جھک پڑھیں ایک حملہ کر کے اور گناہ نہیں تم پر اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لو اپنا بچاؤ اللہ نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار

فائدہ: اس آیت میں نماز خوف کا بیان ہے کہ اگر مقابلے کا وقت ہو تو فوج دو حصے ہو جائے ہر جماعت آدھی نماز میں امام کی شریک ہو اور آدھی خود پڑھے جب تک دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہے اور اس وقت نماز میں آمد ورفت معاف ہے اور ہتھیار اور زرہ وغیرہ اپنے ساتھ رکھیں اور اگر اس قدر بھی فرصت نہ ہو تو جماعت موقوف کریں تنہا پڑھیں پیادہ اور سوار اگر یہ بھی فرصت نہ ملے تو قضا کریں اور یہ نماز خوف کا ایک طریقہ ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام دو بار نماز پڑھے ایک بار ایک جماعت کو پڑھائے دوسری بار دوسری جماعت کو پڑھائے اور ان کے سوا اور کئی صورتیں بھی ہیں اور آیت سب کا احتمال رکھتی ہے پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ دشمن کے مقابلے کے وقت خوف کی نماز پڑھنی جائز ہے اور ابو یوسف اور حسن بن زیادہ اور ابراہیم بن علیہ وغیرہ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ حضرت ﷺ کے بعد خوف کی نماز پڑھنی جائز نہیں اس لیے کہ اللہ نے پیغمبر کو فرمایا کہ جب تو ان میں ہو تو نماز ان کو پڑھا لیکن یہ قول ان کا مردود ہے ساتھ اجماع صحابہ کے کہ بعد حضرت ﷺ کے نماز خوف کی پڑھتے رہے اور اس میں اختلاف ہے کہ حضر میں بھی خوف کی نماز جائز ہے یا نہیں سو ابن ماجشون اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ حضر میں خوف کی نماز جائز نہیں اور جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے اور اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے اکثر علماء کے نزدیک مشہور یہ بات ہے کہ یہ آیت مسافر کی نماز کے حق میں نازل ہوئی ہے اور قید خوف کی اتفاقی ہے اس لیے کہ اور حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں امن کے وقت بھی قصر جائز ہے اور یہی قول ہے شافعیہ وغیرہ کا لیکن شاہ ولی اللہ صاحب دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خوف کی نماز میں نازل ہوئی ہے اور سفر کی قید اتفاقی ہے اور مراد قصر کرنے سے باعتبار کیفیت اور وصف کے ہے یعنی خوف کے وقت قیام اور قعود اور رکوع اور سجود میں قصر کرے اور ان کو ترک کرے اشارہ سے نماز پڑھے لیکن ظاہر پہلی صورت ہے۔

٨٩٠ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَأَلْتُهُ هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ صَلَاةَ الْخَوْفِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَّعَهٗ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلٰى

٨٩٠۔ حضرت شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ کیا حضرت ﷺ نے خوف کی نماز پڑھی ہے یا نہیں سو اس نے کہا کہ مجھ کو سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم حضرت ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کو نکلے سو ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور لڑائی کے واسطے صف باندھی سو حضرت ﷺ ہم کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے (اور فوج دو حصے ہو گئی) سو ایک جماعت حضرت ﷺ کے ساتھ کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل ہوئی سو آپ نے اپنے مقتدیوں کے ساتھ رکوع

الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّآئِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَآءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

کیا اور دو سجدے کیے یعنی ایک رکعت تمام کی پھر یہ جماعت ایک رکعت پڑھ کر دوسری جماعت کی جگہ چلی گئی جس نے نماز نہیں پڑھی تھی یعنی دشمن کے مقابل ہو گئی اور دوسری جماعت آئی (اور حضرت ﷺ کے ساتھ کھڑی ہوئی) سو حضرت ﷺ نے اُن کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کیے پھر آپ نے سلام پھیری اور ہر ایک جماعت نے اپنی ایک ایک رکعت علیحدہ پڑھی۔

فائدہ: یہ جنگ ذات الرقاع کا ذکر ہے جو بنی غطفان سے واقع ہوا تھا کما سیاتی ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں نے اپنی ایک ایک رکعت ایک حالت میں پڑھی لیکن راجح یہ قول ہے کہ انہوں نے باقی ایک ایک رکعت علی سبیل التعاقب پڑھی یعنی آگے پیچھے تا کہ حراست مطلوبہ فوت نہ ہو جائے اور اسی کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جو ابوداؤد نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ﷺ نے سلام پھیری تو دوسری جماعت (جس نے اخیر رکعت آپ کے ساتھ پڑھی تھی) اٹھ کھڑی ہوئی اور اسی نماز کی جگہ میں باقی ایک رکعت ادا کی اور سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے میں چلے گئے اس وقت پہلی جماعت نے اپنی ایک رکعت باقی علیحدہ پڑھ کر سلام پھیری سو دوسری جماعت کی نماز میں تو کچھ فرق واقع نہ ہوا بلکہ دونوں رکعتیں ایک ساتھ پڑھی گئیں اور پہلی جماعت کی نماز میں فرق واقع ہوا کہ انہوں نے ایک رکعت پہلے پڑھی اور دوسری رکعت بہت دیر کے بعد دوسری جگہ پڑھی اور یہی قول ہے اشہب اور اوزاعی کا اور یہ موافق ہے واسطے حدیث سہل رضی اللہ عنہ کے اور یہی مذہب ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب امام سلام پھیرے تو دوسری جماعت اپنی باقی ایک رکعت اس وقت نہ پڑھے بلکہ اٹھ کر دشمن کے مقابل چلی جائے اور پہلی جماعت آ کر اپنی نماز تمام کرے پھر وہ دشمن کے مقابل ہو جائے اور دوسری جماعت آئے اور باقی ایک رکعت پڑھ کے سلام پھیرے اور حنفیہ اس صورت کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کرتے ہیں لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے کسی طریق میں یہ صورت پائی نہیں جاتی اور جاننا چاہیے کہ نماز خوف کی کئی طرق سے وارد ہوئی ہے اور بہت مختلف طور سے پڑھی گئی ہے کبھی کسی طرح کبھی کسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نماز خوف چھ یا سات طرح سے ثابت ہوئی ہے سو جس طریقے اور جس طور سے کوئی پڑھے جائز ہے لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ترجیح ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور اسحاق اور طبری اور ابن منذر وغیرہ نے اس کے آٹھ طریقے بیان کیے ہیں لیکن انہوں نے کسی وجہ کو ترجیح نہیں دی اور ابن حبان نے اس کے نو طریقے بیان کیے ہیں اور ابن حزم نے کہا کہ نماز خوف کے چودہ

طریقے ثابت ہیں اور بعض نے کہا کہ سولہ طریقے سے ثابت ہوئی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور بعض نے کہا کہ سترہ طریقے سے آئی ہے لیکن اکثر طریقے آپس میں متداخل ہو سکتے ہیں جن کا خلاصہ وہی چھ یا سات صورتیں باقی نکلتی ہیں جو پہلے گزریں اور جنہوں نے سولہ یا سترہ وغیرہ طریق سے کہا ہے تو اختلاف راویوں کے سبب سے کہا ہے جب راوی نے کسی حدیث میں کچھ ذرا اختلاف کیا تو انہوں نے اس کو ایک وجہ قرار دے دیا اور بعض نے کہا کہ حضرت ﷺ نے خوف کی نماز مختلف اوقات میں مختلف طور سے پڑھی ہے سو جس جگہ جو مناسب ہو اور جس طور سے نماز میں زیادہ احتیاط پائی جائے اور دشمن سے اچھی طرح بچاؤ ہو سکے اس کو اختیار کرنا چاہیے اور جائز ہر طور سے ہے کما قدمناہ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فوج کا برابر نصف ونصف ہونا شرط نہیں بلکہ جتنے آدمیوں سے دل جمعی ہو اتنے کافی ہیں اور اگر فقط تین ہی آدمی ہوں تو ان کو بھی جائز ہے کہ ایک دشمن کے مقابل کھڑا ہو اور دوسرا امام کے ساتھ نماز پڑھے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی بڑی تاکید ہے بلکہ اس کے وجوب کی تائید ہے کہ اس میں کئی ناجائز امروں کو اختیار کرنا پڑتا ہے جن کی تنہائی میں حاجت نہیں پڑتی واللہ اعلم۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقابلے کے وقت خوف کی نماز پڑھنی جائز ہے پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالًا وَّرُكْبَانًا رَاجِلٌ قَائِمٌ.

پیادے اور سواری کی حالت میں خوف کی نماز پڑھنے کا بیان۔

فائدہ: یعنی اگر دشمن کے مقابلے میں گھوڑے سے نیچے اتر کر اور جماعت سے نماز پڑھنے کی فرصت نہ ملے تو ہر شخص تنہا اپنی اپنی نماز پڑھے اور رکوع اور سجود اشارے سے کرے خواہ منہ قبلے کی طرف ہو اور خواہ نہ ہو امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ راجل کا معنی کھڑا ہونے والا ہے یعنی رجالا جو آیت میں واقع ہوا ہے جمع راجل کی ہے یہاں معنی اس کا پیادہ ہے۔

٨٩١ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ الْقُرَشِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِّنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ إِذَا اخْتَلَطُوْا قِيَامًا وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيُصَلُّوْا قِيَامًا وَّرُكْبَانًا.

٨٩١۔ حضرت نافع رحمہ اللہ نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موافق قول مجاہد کی روایت ہے کہ جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہو تو ہر آدمی تنہا نماز پڑھے پیادہ اور سوار جس طرف منہ ہو یعنی اشارے سے نماز پڑھیں رکوع کے واسطے تھوڑا اشارہ کریں اور سجدے کے واسطے زیادہ اشارہ کریں اور طبری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے کہ جب مسلمان اور کافر آپس میں مل جائیں تو نہیں نماز مگر ذکر اشارے سر کے سے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ﷺ سے اتنا زیادہ روایت کیا ہے

کہ اگر کافر اس سے بہت ہوں یعنی نماز میں کھڑے ہونے کی
طاقت نہ ہو تو چاہیے کہ نماز پڑھیں پیادے اور سوار اور
اشارے سے خواہ قبلے کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔

فائدہ: مطلب اس باب سے یہ ہے کہ جب خوف سخت ہو اور دشمن بہت ہوں اور اس سبب سے فوج کے دو حصے کرنے ہیں دل جمعی نہ ہو تو ایسی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی اور قضا کرنی جائز نہیں بلکہ جس طرح ہو سکے ادا کرے اگر قیام کی فرصت نہ ملے تو اس کے بدلے رکوع کرے اور اگر رکوع اور سجود کی فرصت بھی نہیں تو اشارے سے نماز پڑھے اور اشارہ سر سے کرے رکوع کے واسطے سر کو تھوڑا جھکا دے اور سجدے کے واسطے زیادہ جھکا دے ایسی تنگی کی حالت میں یہ سب کام درست ہیں اور یہی ہے مذہب جمہور علماء کا اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جب تک قضا ہونے کا خوف نہ ہو تب تک ایسا نہ کرے مگر آواز کرنا درست نہیں کہ اس کی کوئی حاجت نہیں اور ظاہرًا اس سے یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث اپنے قول کی تائید کے واسطے بیان کی اس لیے کہ پہلے مسئلہ کے سوا اس حدیث سے کوئی دوسرا مسئلہ معلوم نہیں ہوتا ہے پس مطلب سب کا ایک ہے واللہ اعلم۔ اور اسی طرح اگر جانور درندے شیر یا سانپ وغیرہ کا خوف ہو یا غرق ہو جانے کا یا جل جانے کا خوف ہو یا مال پر خوف ہو تو ان سب صورتوں میں بھی یہی حکم ہے یعنی ان میں بھی خوف کی نماز پڑھنی جائز ہے۔

بَابُ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِيْ صَلَاةِ الْخَوْفِ.

خوف کی نماز میں ایک دوسرے کی نگہبانی اور حفاظت کرے۔

فائدہ: اس کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر گزر چکی ہے اور ایک صورت اس کی یہ ہے کہ ساری فوج یکبارگی امام کے ساتھ نیت کر کے کھڑی ہو جائے سو پہلی رکعت میں دوسری جماعت امام کے ساتھ رکوع سجود کرے اور ایک جماعت ان کی نگہبانی کے واسطے کھڑی رہے اور دوسری رکعت میں ایک جماعت امام کے ساتھ رکوع سجود کرے اور پہلی جماعت ان کی نگہبانی کے واسطے کھڑی رہے لیکن یہ صورت اسی وقت کے ساتھ خاص ہے جب کہ دشمن قبلے کے سامنے ہو اور اگر قبلے کی طرف نہ ہو تو پھر مختلف ہونا جہت حفاظت دشمن کا اور جہت نماز کا ضروری ہے یعنی اس وقت جب کوئی دشمن کی نگہبانی کے واسطے کھڑا ہو گا تو خواہ مخواہ منہ کو قبلے سے اور طرف پھیرنا پڑے گا اور حدیث باب کی اس صورت کے موافق ہے جب دشمن قبلے کی طرف ہو اور اگر کوئی کہے کہ یہ صورت قرآن کے مخالف ہے تو کہا جائے گا کہ احتمال ہے کہ قرآن میں اس صورت کا بیان ہو جس میں دشمن قبلے کی طرف نہ ہو۔

٨٩٢ ۔ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ

٨٩٢۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے واسطے کھڑے ہوئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے

الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوْا مَعَهُ وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِّنْهُمْ مَعَهُ ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوْا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِيْنَ سَجَدُوْا وَحَرَسُوْا إِخْوَانَهُمْ وَأَتَتِ الطَّآئِفَةُ الْأُخْرٰى فَرَكَعُوْا وَسَجَدُوْا مَعَهُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِيْ صَلَاةٍ وَّلٰكِنْ يَّحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

ہوئے یعنی خوف کی نماز میں سو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی یعنی تکبیر تحریمہ اور دو صفیں باندھ کے آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے سو آپ نے رکوع کیا سو ان میں سے ایک جماعت نے آپ کے ساتھ رکوع کیا اور (دوسری جماعت ان کی حفاظت کے واسطے دشمن کے مقابل کھڑے رہی) پھر آپ نے سجدہ کیا اور اس جماعت نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا پھر آپ دوسری رکعت پڑھنے کے واسطے کھڑے ہوئے سو جس جماعت نے (پہلی رکعت میں) حضرت ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا تھا وہ دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور اپنے بھائیوں کی نگہبانی کرنے لگے اور دوسری جماعت آئی (جس نے پہلی رکعت میں آپ کے ساتھ سجدہ نہیں کیا تھا) سو انہوں نے آپ کے ساتھ رکوع کیا اور سجدہ کیا اور لوگ سب نماز میں تھے لیکن بعض بعض کی نگہبانی کرتے تھے۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں نے فقط ایک ایک رکعت پڑھی اور ایک روایت میں نسائی کے یہ لفظ آیا ہے ولم یقضوا یعنی انہوں نے دوسری رکعت کو پورا نہ کیا سو یہ لفظ صریح ہے اس میں کہ انہوں نے فقط ایک ہی رکعت پڑھی تھی دوسری رکعت نہیں پڑھی تھی اور صحیح مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ نے نماز کو پیغمبر کی زبان پر فرض کیا حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت سو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خوف کی نماز فقط ایک ہی رکعت ہے پس اگر کوئی شخص خوف کی حالت میں فقط ایک ہی رکعت پر اکتفا کرے تو جائز ہے اور یہی مذہب ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت صحابہ اور تابعین کا اور یہی قول ہے حسن اور ضحاک اور اسحاق اور ثوری کا (اور ان میں سے بعض اس کو شدت خوف کے ساتھ قید کرتے ہیں) اور جمہور علماء کے نزدیک خوف کی حالت میں فقط ایک رکعت پڑھنی کافی نہیں دو رکعتیں پڑھے وہ کہتے ہیں کہ خوف کی نماز کی تعداد میں قصر نہیں اس کی شکل اور ہیئت میں قصر ہے یعنی نماز خوف کی دو ہی رکعتیں پڑھے اس سے کم نہ کرے لیکن اس کے رکوع سجود میں قصر کرے کہ ان کے بدلے اشارے سے کام لے اور جمہور علماء حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ امام کے ساتھ فقط ایک رکعت ہے اس میں دوسری رکعت کی نفی نہیں اور نیز ولم یقضوا کا یہ معنی کرتے ہیں کہ انہوں نے امن کے بعد اس نماز کو قضا نہ کیا انتہی۔

لیکن ان سب حدیثوں میں تطبیق دینی بہتر معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خوف کی نماز دو طرح سے جائز ہے کبھی دو رکعت پڑھ لے اور کبھی فقط ایک ہی رکعت پر اکتفا کرے یہ صورت اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب دشمن قبلے میں ہو اور باقی صورتیں اور وقتوں پر یا جب دو رکعتوں کی فرصت نہ ملے تو ایک رکعت پڑھے جیسا کہ آئندہ آئے گا اور مغرب کی نماز میں بالاجماع قصر نہیں بلکہ پوری پڑھے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ وَلِقَآءِ الْعَدُوِّ.

جب دشمن سے مقابلہ ہو اور قلعہ فتح ہو جانے کی امید ہو تو اس وقت کیا کرے خوف کی نماز پڑھے یا فتح ہونے تک نماز کو تاخیر کر کے پوری پڑھے۔

فائدہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ جب ظفریابی کی امید ہو اور قلعہ فتح ہو جانے کا گمان ہو تو اس حالت میں اگر خوف کی نماز پڑھنے کی فرصت نہ ملے تو نماز کو تاخیر کرے بعد فتح کے نماز کو قضا کر کے پڑھنا جائز ہے۔

وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ إِنْ كَانَ تَهَيَّأَ الْفَتْحُ وَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلَاةِ صَلَّوْا إِيْمَآءً كُلُّ امْرِئٍ لِنَفْسِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الْإِيْمَآءِ أَخَّرُوا الصَّلَاةَ حَتّٰى يَنْكَشِفَ الْقِتَالُ أَوْ يَأْمَنُوْا فَيُصَلُّوْا رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَقْدِرُوْا صَلَّوْا رَكْعَةً وَّسَجْدَتَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَقْدِرُوْا فَلَا يُجْزِئُهُمُ التَّكْبِيْرُ وَيُؤَخِّرُوْنَهَا حَتّٰى يَأْمَنُوْا وَبِهٖ قَالَ مَكْحُوْلٌ.

اور امام اوزاعی نے کہا کہ اگر فتح تیار ہو اور نماز کی فرصت نہ پائیں یعنی اس کے ارکان اور فعل بجا نہ لا سکیں تو اشارے سے نماز پڑھیں ہر آدمی تنہا تنہا اور اگر اشارے سے پڑھنے کی بھی فرصت نہ پائیں تو نماز کو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی تمام ہو جائے یا بے خوف ہو جائیں اس سے کہ اب دشمن نہیں لڑیں گے تو اس وقت دو رکعت نماز پڑھیں اور اگر دو رکعت کی قدرت نہ پائیں نہ فعل سے اور نہ اشارے سے تو فقط ایک رکعت پڑھ لیں اور دو سجدے کریں اور اگر ایک رکعت کی بھی قدرت نہ پائیں تو پھر ان کو تکبیر کہنی یعنی سبحان اللہ اللہ اکبر کہنا کافی نہیں بلکہ تاخیر کریں یہاں تک کہ بے خوف ہو جائیں اور یہی قول ہے مکحول کا۔

فائدہ: اس کلام میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے اصل میں یہ کلام اس طور سے ہے کہ اگر دو رکعتوں کی فرصت نہ ملے نہ فعل سے اور نہ اشارہ سے تو فقط ایک رکعت ہی کافی ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اوپر گزر چکا ہے اور اگر ایک رکعت کی بھی فرصت نہ ملے تو نماز کو تاخیر کر دے یہاں تک کہ لڑائی بند ہو جائے یا لڑائی قائم ہو مگر مدد پہنچنے کے سبب سے امن حاصل ہو تو اس وقت دو رکعت نماز پڑھے جیسا کہ دوسری روایت میں صریح آ چکا ہے اور یہ جو کہا کہ فقط تکبیر

کبھی نماز کے بدلے کافی نہیں تو اس میں اتفاق نہیں بلکہ امام اوزاعی وغیرہ کہتے ہیں کہ خوف کی نماز کے بدلے فقط سبحان اللہ اللہ اکبر کہہ لے تو یہ بھی کافی ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب دو لشکروں کا مقابلہ ہو اور نماز کا وقت آ جائے تو فقط سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا نماز کے بدلے کافی ہو جاتا ہے اور یہی ان کی نماز ہے ان پر دوہرانا اس کا لازم نہیں اور مجاہد نے کہا کہ دوڑنے کے وقت اگر ایک تکبیر پڑھ لے تو بھی کافی ہو جاتی ہے اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ دوڑنے کے وقت ایک رکعت اشارے سے پڑھے اس کی فرصت نہ ہو تو ایک سجدہ کرے اس کی بھی فرصت نہ ہو تو اللہ اکبر کہے پس یہی نماز ہے اور یہ جو اوزاعی نے کہا کہ اگر اشارے کی طاقت نہ ہو تو اس پر بعض نے اعتراض کیا ہے کہ عقل کے ہوتے اشارے سے عاجز ہونا ممکن نہیں پھر یہ صورت کیسے صحیح ہو سکے گی سو جواب اس کا یہ ہے کہ شاید وہ اشارے کے وقت بھی استقبال قبلہ کو شرط جانتے تھے اور جب قبلے کی طرف منہ نہ ہو سکا تو گویا کہ اشارے سے بھی عاجز ہو گیا اور بعض نے کہا کہ وضو اور تیمم سے عاجز ہونا گویا اشارے سے عاجز ہونا ہے، واللہ اعلم۔ اور اس قول سے معلوم ہوا کہ اگر قلعہ فتح ہونے کے وقت نماز کی فرصت نہ ملے اس خیال سے کہ اگر مسلمان نماز میں مشغول ہو گئے تو دشمن کو مہلت مل جائے گی اور قلعہ فتح نہیں ہو گا تو اس حالت میں نماز کو فتح ہونے تک مؤخر کرنا جائز ہے بعد کو قضا کر کے پڑھے پس پہلی وجہ مطابقت اس قول کی باب سے اور اس کی باقی سب صورتوں میں نماز کو قضا کرنا درست نہیں یہ حکم فقط اسی صورت کے ساتھ خاص ہے بلکہ اکثر علماء اس صورت میں بھی قضا کو جائز نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ جس طرح سے ہو سکے اسی وقت ادا کرے خواہ فعل سے ہو خواہ اشارے سے۔

وَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ حَضَرْتُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ عِنْدَ إِضَاءَةِ الْفَجْرِ وَاشْتَدَّ اشْتِعَالُ الْقِتَالِ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الصَّلَاةِ فَلَمْ نُصَلِّ إِلَّا بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ فَصَلَّيْنَاهَا وَنَحْنُ مَعَ أَبِيْ مُوْسٰى فَفُتِحَ لَنَا وَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَمَا يَسُرُّنِيْ بِتِلْكَ الصَّلَاةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قلعہ تستر کے فتح ہونے کی صبح کو حاضر ہوا یعنی صبح کے وقت وہ قلعہ فتح ہوا تھا اور میں بھی اس جنگ میں موجود تھا سو لڑائی سخت گرم ہوئی اور لوگوں نے نماز کی فرصت نہ پائی نہ فعل سے اور نہ اشارے سے سو نماز قضا ہو گئی سو ہم نے وہ نماز سورج بلند ہونے کے بعد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی سو وہ قلعہ ہمارے واسطے فتح ہو گیا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں خوش کرتی مجھ کو بدلے اس نماز کے تمام دنیا اور جو چیز کہ دنیا میں ہے یعنی اس وقت کا جنگ میں مشغول ہونا اور بعد فتح کے نماز کو پڑھنا مجھ کو تمام دنیا سے بہتر

ہے کہ دونوں کام ہو گئے قلعہ بھی فتح ہو گیا اور نماز بھی ادا ہو گئی یا نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا تمام دنیا سے بہتر تھا تو یہ افسوس ہے نماز کے قضا ہونے پر، واللہ اعلم۔

فائدہ: تستر ایک شہر کا نام ہے اہواز کے ملک میں یہ شہر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا تھا اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ اگر قلعہ فتح ہونے کی امید کے وقت نماز کی فرصت نہ ملے تو نماز کو تاخیر کرے اور بعد فتح کے قضا کر کے پڑھے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس اثر کی باب سے۔

٨٩٣ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ الْبُخَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُبَارَكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَآءَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغِيبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا بَعْدُ قَالَ فَنَزَلَ إِلٰى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَهَا.

٨٩٣۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خندق کے دن عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کفار قریش کو گالی دینے لگے اور عرض کی کہ یا حضرت! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ سورج ڈوبنے لگا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی میں نے بھی ابھی تک عصر نہیں پڑھی سو آپ بطحان (ایک میدان کا نام ہے) کی طرف تشریف لے گئے اور وضو کیا اور عصر پڑھی بعد سورج ڈوبنے کے پھر بعد اس کے مغرب کی نماز پڑھی۔

فائدہ: یہ حدیث آخر مواقیت میں گزر چکی ہے اس میں اختلاف ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن نماز کو کس وجہ سے تاخیر کیا سو بعض کہتے ہیں کہ بھول سے دیر ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے عمداً جان بوجھ کر دیر کی اور برشق ثانی بعض کہتے ہیں کہ لڑائی میں مشغول ہونے کی وجہ سے دیر کی اور یہی مذہب ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے طہارت میسر نہ ہونے کے سبب سے تاخیر کی تھی اور یہی مذہب ہے مالکیوں اور حنبلیوں کا اس لیے کہ ان کے نزدیک لڑائی کے شغل سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ آیت خوف کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور یہ مذہب شافعیوں کا ہے کہ نماز خوف کو منسوخ کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ نماز خوف کی منسوخ نہیں۔

بَابُ صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوْبِ رَاكِبًا

طالب اور مطلوب کے سوار اور پیادہ نماز پڑھنے کا بیان

وَّإِيْمَآءً.

یعنی جو شخص کہ دشمن کے پکڑنے کو اس کے پیچھے دوڑا جاتا ہو یا دشمن اس کے پیچھے سے دوڑا آتا ہو تو وہ نماز پڑھے سوار یا پیادہ اور اشارے سے۔

فائدہ: ابن منذر نے کہا کہ اکثر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ مطلوب اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھے اور طالب نیچے اتر کر نماز پڑھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر طالب کو اپنی ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے کا خوف ہو یا دشمن کے پیچھے پلٹ آنے کا خوف ہو تو اس حالت میں اس کو بھی سواری پر اشارے سے نماز پڑھنی جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ طالب اور مطلوب میں فرق ہے اور وجہ فرق کی یہ ہے کہ مطلوب کے حق میں بہت خوف ہے کہ دشمن اس کے پیچھے سے دوڑا آتا ہے بخلاف طالب کے کہ فقط دشمن کے قابو نہ آنے کا خوف ہوتا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طالب کو اشارے سے نماز پڑھنی منع ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب دشمن کے قابو نہ آنے کا خوف ہو تو طالب اپنی سواری پر نماز پڑھے خواہ کسی طرف متوجہ ہو یعنی رکوع اور سجود سے نہ اشارے سے۔

وَقَالَ الْوَلِيْدُ ذَكَرْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ صَلَاةَ شُرَحْبِيْلَ بْنِ السِّمْطِ وَأَصْحَابِهٖ عَلٰى ظَهْرِ الدَّابَّةِ فَقَالَ كَذٰلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا إِذَا تُخُوِّفَ الْفَوْتُ وَاحْتَجَّ الْوَلِيْدُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ.

اور ولید نے کہا کہ میں نے اوزاعی سے شرحبیل اور اس کے ساتھیوں کے سواری پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا سو اس نے کہا کہ یہی حکم ہے نزدیک ہمارے جب کہ خوف کرے فوت ہونے نماز کا یعنی کسی ایسے امر میں مشغول ہو کہ نماز کی فرصت نہ ملے جیسے کہ لڑائی وغیرہ ہے یا خوف کرے دشمن کے بھاگ جانے کا یا پیچھے سے آنے کا اور ولید نے دلیل پکڑی ہے ساتھ اس حدیث کے کہ آپ نے فرمایا کہ نہ کوئی نماز پڑھے عصر کی مگر بنی قریظہ میں۔

فائدہ: شرحبیل ایک تابعی کا نام ہے کہ کچھ مسلمان ساتھ لے کر حمص شہر میں جنگ کرنے کو گیا تھا راہ میں نماز کا وقت آیا سو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنی اپنی سواریوں پر نماز پڑھو نیچے اترنے کی کچھ ضرورت نہیں تب لوگوں نے اپنی سواریوں پر نماز پڑھی سو یہ حال ولید نے اوزاعی سے کہا۔

٨٩٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَآءَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْأَحْزَابِ لَا

٨٩٤۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ نہ کوئی نماز پڑھے عصر کی مگر بنی قریظہ میں سو بعض اصحاب کو راہ میں عصر کی نماز پڑھ لی اور بعض نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں

يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرُ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّيْ حَتّٰى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّيْ لَمْ يُرَدْ مِنَّا ذٰلِكَ فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ.

گے راہ میں نہیں پڑھیں گے اگر چہ نماز کا وقت جاتا رہے اور بعض نے کہا کہ آپ کی یہ غرض نہ تھی کہ کوئی راہ میں نماز نہ پڑھے سو یہ حال یعنی بعض کے نماز پڑھنے کا اور بعض کا نماز نہ پڑھنے کا حضرت ﷺ کے روبرو ذکر ہوا سو آپ ﷺ نے کسی کو ملامت نہ کیا اور کسی پر ناخوش نہ ہوئے۔

فائدہ: بنی قریظہ یہودی لوگ تھے مدینے کے قریب دو تین کوس پر ان کی بستی اور گھر تھے حضرت ﷺ میں اور ان میں صلح تھی پانچویں سال ہجری میں انہوں نے قول اقرار توڑ ڈالا اور خندق کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ شریک ہوئے سو جب حضرت ﷺ خندق کی لڑائی سے فارغ ہوئے اور کافر سرد ہوا چلنے کے سبب سے بھاگ گئے تو آپ نے اصحاب کو فرمایا کہ بنی قریظہ پر دھاوا بول دو اور عصر کی نماز وہیں جا کر پڑھو یعنی بہت جلد جاؤ سو اصحاب حضرت ﷺ کے حکم سے اس طرف روانہ ہوئے راہ میں عصر کا وقت قضا ہونے لگا سو بعض نے راہ میں نماز پڑھ لی اور کہا کہ حضرت ﷺ کو یہ غرض نہ تھی کہ اگر چہ نماز کا وقت جاتا رہے کوئی راہ میں سوائے بنی قریظہ کے نماز نہ پڑھے بلکہ غرض آپ کی جلدی جانا تھا اور بعض نے راہ میں نماز نہ پڑھی اور کہا کہ ہم تو بنی قریظہ میں جا کر پڑھیں گے اگر چہ نماز کا وقت جاتا رہے حضرت ﷺ نے ہم سے وہیں نماز پڑھنے کو فرمایا ہے سو ان کی نماز قضا ہوگئی اور پورا قصہ اس کا کتاب المغازی میں آئندہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور غرض اس حدیث سے یہاں یہ ہے کہ جن لوگوں نے نماز کو قضا کیا اور بنی قریظہ میں جا کر پڑھا ان کی نماز جائز ہوگئی کہ ان کو آپ نے ملامت نہ کی باوجود یکہ انہوں نے وقت کو فوت کر دیا تھا اور جب شغل کے واسطے نماز کو وقت سے نکال کر پڑھنا جائز ہوا تو ایسی حالت میں وقت کے اندر اشارے سے نماز پڑھنی بطریق اولیٰ جائز ہوگی پس طالب کا اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہوگا پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی اور اوزاعی کے مذہب کی تقویت ہوگئی۔

بَابُ التَّكْبِيْرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ.

صبح کی نماز اول وقت اندھیرے میں پڑھنے کا بیان اور دشمن پر اچانک اور بے خبر جا پڑنے کے وقت اور لڑائی کے وقت نماز پڑھنے کا بیان۔

فائدہ: اغارۃ کہتے ہیں اچانک جا پڑنے کو اور بے خبر لوٹ لینے کو تاختن وتاراج کردن عدو یکا یک وہجوم آوردن بوقت غفلت۔

٨٩٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ

٨٩٥۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے

زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ وَّثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ ثُمَّ رَكِبَ فَقَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ ﴿إِنَّآ إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ فَخَرَجُوْا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ وَيَقُوْلُوْنَ مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيْسُ قَالَ وَالْخَمِيْسُ الْجَيْشُ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذَّرَارِيَّ فَصَارَتْ صَفِيَّةُ لِدِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ وَصَارَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ صَدَاقَهَا عِتْقَهَا فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ لِثَابِتٍ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ أَنْتَ سَأَلْتَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مَا أَمْهَرَهَا قَالَ أَمْهَرَهَا نَفْسَهَا فَتَبَسَّمَ.

صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی یعنی جنگ خیبر کے دن پھر سوار ہوئے اور فرمایا اللہ بڑا ہے خراب ہوا خیبر اس واسطے کہ بیشک جب ہم اتریں کسی قوم کے صحن پر تو بری ہو جاتی ہے صبح ڈرائے گئے لوگوں کی سو وہ لوگ کوچوں میں چلتے باہر نکلے اور کہتے تھے کہ یہ محمد ﷺ اور اس کا لشکر آ پہنچا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ خمیس لشکر کو کہتے ہیں سو حضرت ﷺ ان پر غالب ہوئے اور قلعہ خیبر فتح ہو گیا سو آپ نے لڑنے والے مردوں کو قتل کیا اور عورتوں اور چھوٹے بال بچوں کو قید کر لیا سو صفیہ عورت جو بنی قریظہ کی سردار تھی دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی کہ حضرت ﷺ نے اس کو عطا کی اور پھر بعد اس کے صفیہ آپ کے ہاتھ آئی سو آپ نے اس سے نکاح کیا اور اس کے آزاد کرنے کو مہر ٹھہرایا عبدالعزیز (راوی) نے ثابت سے کہا کہ اے ابو محمد تو نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا ہے کہ آپ نے اسکا مہر کیا ٹھہرایا تھا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے اس کی جان کو اس کا مہر ٹھہرایا یعنی اس کا آزاد کرنا سو عبدالعزیز اس سے ہنسنے لگے۔

فائدہ: جب خیبر فتح ہوا اور عورتیں پکڑی آئیں تو حضرت ﷺ نے دحیہ کو فرمایا کہ تو جا کر قیدیوں میں سے ایک لونڈی پکڑ لے سو اُس نے جا کر صفیہ کو پکڑ لیا اور صفیہ تمام بنی قریظہ کی سردار تھی اور نسب اور جمال میں سب سے افضل تھی سو لوگوں نے حضرت ﷺ سے یہ حال ذکر کیا اور عرض کی کہ وہ لونڈی بغیر آپ کے اور کسی کو لائق نہیں تب حضرت ﷺ نے دحیہ کلبی کو اس کے عوض میں اور لونڈی دی اور اس کو اس سے واپس لے لیا پھر آپ نے اس سے نکاح کیا اور اس کی آزادی اس کا مہر ٹھہرایا اور باقی بیان اس کا کتاب النکاح میں آئندہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ خراب ہوا خیبر سو آپ نے یہ ان کے حق میں بد دعا کی کہ اللہ ان کو خراب کرے اور یا آپ نے وحی کے ذریعے آئندہ کی خبر دی کہ خیبر خراب ہو جائے گا یعنی فتح ہو جائے گا یا آپ نے وعدہ الٰہی پر اعتماد کر کے فرمایا کہ اللہ نے پیغمبروں سے نصرت کا وعدہ کیا ہے اس آیت کے قرینہ سے جو آپ نے پڑھی یا آپ نے اس آیت کو بطورِ نیک فال کے پڑھا پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کا وقت قریب ہو تو نماز کو لڑائی شروع ہونے سے پہلے پڑھ لینا افضل ہے بلکہ معین ہے تا کہ نماز خوف کی یا تاخیر نماز کی حاجت نہ پڑے اور یہی وجہ ہے مناسبت اس باب کی نماز خوف سے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كِتَابُ الْعِيْدَيْنِ
دونوں عیدوں کے احکام کا بیان

فائدہ: عید کا معنی لغت میں پھر آنے کا ہے اور چونکہ یہ دن ہر سال میں پھر آتا ہے اس لیے اس کو عید کہا گیا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ دن سبب خوشی کا ہے اس کے ساتھ خوشی ہر سال پھر آتی ہے اس واسطے اس کو عید کہا گیا۔

بَابُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيْهِ.
عید کے دن زینت کرنی اور عمدہ کپڑے پہننے کا بیان یعنی جائز ہے۔

٨٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوْقِ فَأَخَذَهَا فَأَتٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْتَعْ هٰذِهٖ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ وَالْوُفُوْدِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فَلَبِثَ عُمَرُ مَا شَآءَ اللّٰهُ أَنْ يَّلْبَثَ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُبَّةِ دِيْبَاجٍ فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ فَأَتٰى بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ قُلْتَ إِنَّمَا هٰذِهٖ لِبَاسُ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ وَأَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ الْجُبَّةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبِيْعُهَا أَوْ تُصِيْبُ بِهَا حَاجَتَكَ.

٨٩٦۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جبہ ریشمی بازار میں بکتے دیکھا سو اس کو پکڑ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کی کہ یا حضرت! آپ اس کو خرید لیں اور عید اور ایلچی آنے کے دن اس سے زینت کیا کریں سو آپ نے فرمایا کہ یہ تو لباس اس شخص کا ہے جو آخرت میں بے نصیب ہو سو عمر رضی اللہ عنہ مدت تک ٹھہرے رہے جتنی کہ اللہ نے چاہا یعنی اس واقعہ کو بہت مدت گزر گئی پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریشمی جبہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا سو عمر رضی اللہ عنہ اس کو پکڑ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے سو عرض کی کہ یا حضرت! آپ نے فرمایا تھا کہ یہ لباس اس شخص کا ہے جو آخرت میں بے نصیب ہو اور پھر آپ نے یہ جبہ میرے پاس بھیجا ہے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تیرے پاس اس واسطے نہیں بھیجا کہ تو اس کو پہنے میں تو نے صرف اس واسطے بھیجا ہے کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے اور اس سے حاجت روائی کرے۔

فائدہ: یہ حدیث کتاب الجمعہ میں پہلے گزر چکی ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ عید کے واسطے زینت کرنی اور عمدہ کپڑے پہننے جائز ہیں اس لیے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے زینت کے واسطے ریشمی جوڑا خریدنے کا سوال کیا تو آپ نے اصل زینت سے اس پر انکار نہ کیا صرف اس جوڑے سے منع کیا کہ وہ ریشمی تھا اور ریشمی کپڑا پہننا مرد کو حرام ہے یہ آپ نے نہ فرمایا کہ عید کے دن زینت کرنی منع ہے اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ عید کے دن نہایت عمدہ کپڑے پہنا کرتے تھے اور باقی بیان اس کا کتاب اللباس میں آئندہ آئے گا۔

بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيدِ.

عید کے دن ڈھال اور برچھیوں سے کھیلنے کا بیان یعنی جائز ہے اس لیے کہ عید میں زیادہ خوشی کرنی مباح ہے۔

٨٩٧ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسٰى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَسَدِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ دَعْهُمَا فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِمَّا قَالَ تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَأَقَامَنِي وَرَآءَهُ خَدِّي عَلٰى خَدِّهِ وَهُوَ يَقُولُ دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ حَتّٰى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ حَسْبُكِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاذْهَبِي.

٨٩٧۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو چھوٹی لڑکیاں بعاث کی لڑائی کے بہادروں کے گیت گاتی تھیں سو آپ (کپڑا اوڑھ کر) لیٹ گئے اور اپنا منہ اس طرف سے پھیرا سو (پیچھے سے) ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجھ کو جھڑکا اور کہا کہ تو پیغمبر کے پاس شیطان کا باجہ کیوں لائی ہے؟ سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ان کو چھوڑ دے سو جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس طرف سے غافل ہوئے اور کسی اور خیال میں لگ گئے تو میں نے ان کو اشارہ کیا کہ نکل جاؤ سو وہ دونوں (نظر بچا کر) نکل گئیں اور وہ عید کا دن تھا اور حبشی ڈھال اور برچھیوں سے کھیل رہے تھے سو یا تو میں نے خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور یا آپ نے فرمایا کہ کیا تجھ کو دیکھنے کی خواہش ہے؟ میں نے کہا ہاں سو آپ نے مجھ کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اس حال میں کہ میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرماتے تھے کہ لو اپنی ڈھال اور برچھیوں کو اے ارفدہ کی اولاد! یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو فرمایا کہ تو نے بس کی میں نے کہا ہاں فرمایا کہ جا۔

فائدہ: انصار کے مدت سے دو گروہ چلے آتے تھے ایک کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا ان دو گروہوں میں ایک سو بیں برس سے عداوت اور دشمنی چلی آتی تھی اس عرصے میں ان کے درمیان کئی بار بڑے بڑے معرکے اور لڑائیاں واقع ہوئیں کبھی کسی کو فتح ہوتی اور کبھی کسی کو سب سے اخیر لڑائی ان کی درمیان بعاث (ایک قلعہ کا نام ہے) کے پاس واقع ہوئی تین سال ہجرت سے پہلے اور یہ بڑی بھاری لڑائی ہوئی تھی کہ دونوں طرف کے سردار اس میں مقتول ہوئے اور اس میں اوس کو فتح ہوئی اور دونوں طرف کے شاعروں نے اپنے اپنے بہادروں کی تعریف میں اشعار کہے وہی اشعار یہ لڑکیاں گا رہی تھیں سو جب حضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینے میں آئے تو وہ عداوت قدیم ان کی اسلام کی برکت سے دور ہو گئی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ایسے راگ کا کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ دن خوشی کا دن ہے پس اگر چھوٹی لڑکیاں مدح اور بہادری وغیرہ کے اشعار خوش آواز سے پڑھیں تو جائز ہے کہ حضرت ﷺ نے اس کی رخصت دی لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ جوان عورت گانے والی نہ ہو اور مضمون راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور اسی طرح بعض عالموں نے شادی نکاح اور ختنے وغیرہ خوشی کی مجلسوں میں بھی بے مزامیر راگ یا دف کے ساتھ درست رکھا ہے بشرطیکہ دینی کام میں کچھ حرج نہ ہو اور گانے والا خوبصورت لڑکا اور اجنبی جوان عورت نہ ہو اور راگ کا مطلب خلاف شرع نہ ہو لیکن اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عید کے سوا اور دنوں میں گانا اور راگ کرنا خواہ دف کے ساتھ ہو خواہ بے دف کے ہو منع ہے اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ کے سامنے اس کو شیطان کا باجہ کہا تو آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ نہ فرمایا کہ ایسا مت کہو یہ شیطان کا باجہ نہیں اور حرام بھی نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ ان لڑکیوں کو منع نہ کر کہ یہ دن عید کا ہے یعنی عموم منع کے حکم سے اس دن میں اس قدر کھیل اور خوشی مخصوص اور مستثنیٰ ہے پس اس حدیث سے مطلق سرور اور راگ کے جائز ہونے پر دلیل پکڑنی جائز نہیں کہ سوائے عید کے اور دنوں میں بھی راگ کرنا جائز ہو مگر اس مسئلے میں صحابہ اور تابعین کے زمانے سے اختلاف چلا آیا ہے اور علماء سلف کے نزدیک تو مشہور یہی مسئلہ ہے کہ راگ کرنا اور سننا حرام ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد راگ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس پر قسم کھاتے تھے کہ اس آیت سے بھی راگ مراد ہے اور اسی طرح کہتے ہیں کہ آیت ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ میں بھی مراد آواز شیطان سے راگ ہے اور اسی طرح آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ اور آیت ﴿وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ﴾ میں بھی مراد راگ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے تفسیر کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ راگ سے منع کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو راگ میں مر جائے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ راگ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی ساگ کو پیدا کرتا ہے اور اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر راگ اور کھیل دل میں نفاق پیدا کرتے ہیں اور اس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

بھی روایت ہے اور فضل بن عیاض نے کہا کہ راگ زنا کا منتر ہے اور اسی قسم کی اور بھی بہت حدیثیں اس باب میں آئی ہیں جو راگ کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اگرچہ وہ احادیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق اور کثرت اسنادوں کی وجہ سے حسن درجہ کو پہنچ جاتی ہیں اور حدیث حسن بالاتفاق لائق حجت کے ہوتی ہے اور حدیث لڑکیوں کی تو بالاتفاق صحیح ہے ظاہر وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ سوائے عید کے اور دنوں میں راگ کرنا حرام ہے اسی واسطے فقہاء اہل فتویٰ اور پیشوایان دین نے اس کی حرمت میں نہایت مبالغہ اور تشدید کی ہے اور چاروں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ راگ سننا مکروہ ہے اور مطلق حرام ہونے کی روایت بھی بہت اماموں سے آئی ہے چنانچہ عامر اور سفیان ثوری اور حماد اور نخعی اور فاکہی وغیرہ حرمت کے قائل ہیں اور اہل کوفہ اور عراق اور مدینہ سے بھی یہی منقول ہے اور امام بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ راگ سننا تمام دینوں میں حرام ہے اور امام قرطبی نے کہا کہ راگ کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں یعنی بالاتفاق حرام ہے اس لیے کہ وہ کھیل اور تماشے میں داخل ہے اور کھیل بالاتفاق منع ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعض صوفیوں نے اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے دلیل پکڑی ہے اس پر کہ راگ کا گانا اور سننا جائز ہے خواہ کسی باجے کے ساتھ ہو یا بغیر باجے کے ہو لیکن ان کے رد کے واسطے کافی ہے وہ حدیث جو آئندہ باب میں آئے گی اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود تصریح کر دی ہے کہ وہ لڑکیاں راگ گانے والی نہیں تھیں یعنی وہ راگ اور سرور کی طرز طریق سے ناواقف تھیں نہیں پہچانتی تھیں کہ راگ کیا ہوتا ہے اور کس کو کہتے ہیں جیسا کہ گانے والی عورتیں اس کے طرز طریق سے واقف ہوتی ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ جو راگ لوگوں میں مشہور و معروف ہے اور فتنہ انگیزی کا باعث ہوتا ہے اس کو عائشہ رضی اللہ عنہا ہرگز جائز نہیں رکھتیں تھیں اور اس قسم کے راگ میں اگر عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف ہو یا شراب وغیرہ حرام چیزوں کی توصیف ہو تو ایسا راگ سننا بالاتفاق حرام ہے اور جو کچھ کہ صوفی لوگوں نے اس باب میں خرافات اور بدعات نکالی ہیں وہ بالاتفاق حرام ہیں لیکن ہوائے شیطانی اور نفوس شہواتی ان پر غالب آ گئی یہاں تک کہ بہت صوفی دیوانوں اور لڑکوں کی طرح ناچتے ہیں بلکہ بعض اس کو قربت الٰہی حاصل کرنے سبب جانتے ہیں اور اعمال صالح میں داخل کرتے ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ نشانی زندیقوں اور چھپے مرتدوں کی ہے اور اسی طرح باجے بجانے میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اور بعض اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں وہ لوگ دف کے بجانے سے تمام باجوں کا جواز نکالتے ہیں لیکن دف کے جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور قسم کے سب باجے بھی جائز ہوں کما سیاتی فی ولیمة العرس و کتاب الاشربة انشاء الله تعالیٰ' انتهٰی ملخصا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ کہ فی زمانا اس ملک ہند میں خصوصا ملتان وغیرہ اطراف سندھ کے ملحدین اور وجودی صوفیوں میں مروج اور معمول ہے کہ ریا اور سمع اور شہرت اور حب دنیا کے واسطے راگ اور سرور کی مجلسیں کرتے ہیں

اور بعض ان میں ناچنے کے واسطے آتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی شہرت ہو اور لوگ ان کی تواضع کریں اور بعض صرف کھانے اور نقدی حاصل کرنے کی غرض سے آتے ہیں اور آ کر کمال بے حیائی کرتے ہیں کہ دیوانوں کی طرح ناچتے ہیں اور ہا ہو کرتے ہیں سو ایسا راگ کرنا بالاتفاق حرام ہے اور کسی زمانے میں کسی بزرگ سے یہ طریقہ مروی نہیں یہ عقل کے اندھے خیال کرتے ہیں کہ جیسا ہمارا حال ہے سلف کا بھی یہی حال تھا کہ قوالوں کی طرح ان کے اقوال کو نقل کرتے اور قہقہ لگاتے ہیں اور ناواقف لوگوں کو سلف کے اعتقاد سے پھیرتے ہیں معاذ اللہ کیا گزارہ اور کیا معاش ہے کاش کہ اپنے آپ کو فقیر نہ کہلاتے اور فقیری کا لباس نہ پہنتے شرعا ان پر تعذیر واجب ہے اور ان کی تعظیم حرام اور اسی طرح اس مجلس کا حال ہے جو بزرگوں کا عرس کرتے ہیں حاصل کلام اس مقام میں یہ ہے کہ جو لوگ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطلق راگ کے جائز ہونے پر دلیل پکڑتے ہیں تو یہ استدلال ان کا غلط اور مردود ہے متعدد وجوہ سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اس حدیث میں تصریح کر دی ہے کہ وہ لڑکیاں راگ کی طرز طریق کو نہیں جانتی تھیں اور ان کو راگ کی عادت نہیں تھی اور وہ یہ راگ نہیں تھا جو لوگوں میں مشہور اور مروج ہے اور خرافات کو شامل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو شیطان کا باجہ کہا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ نہ فرمایا کہ ایسا مت کہو یہ شیطان کا باجہ نہیں اور حرام نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ ان لڑکیوں کو منع مت کرو پس یہ آپ کی تقریر ہے کہ آپ نے بھی اس کو شیطان کا باجہ کہنا برقرار رکھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ راگ کا حرام ہونا اس وقت اصحاب میں مشہور و معروف تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آتے ہیں بلاتوقف یہ کلمہ زبان سے فرمایا کہ یہ شیطان کا باجہ ہے ورنہ کسی کام کو یکایک حرام یا حلال کہہ دینا اصحاب کی شان سے نہایت بعید ہے پس یہ حدیث ظاہرا اس پر دلالت کرتی ہے کہ راگ حرام ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث سے مطلق جواز پر استدلال کیا جائے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا کہ ہر قوم کے واسطے ایک عید کا دن ہوتا ہے اور ہماری عید کا دن یہ ہے بالکل لغو ہو جائے گا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ لڑکیاں نابالغ تھیں اور نیز وہ فقط بہادری کے اشعار پڑھتی تھیں عشقیہ وغیرہ فتنہ انگیز کلام کا اس میں ایک حرف بھی نہیں تھا امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں کہا ہے کہ وہ لڑکیاں صرف لڑائی کے شعر پڑھتی تھیں اور بہادری اور غلبے کا فخر کرتی تھیں اور ایسا پڑھنا لڑکیوں کو شہوت کا باعث نہیں ہوتا اور شعروں کا پڑھنا راگ مختلف فیہ میں داخل نہیں کہ یہ فقط شعروں کو بلند آواز سے پڑھنا ہوتا ہے اسی واسطے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ان کو راگ کی عادت نہیں تھی جیسا کہ راگ گانے والی عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ایسا راگ عشق آمیز گاتی ہیں کہ اس سے نفس کو شہوت اور حرص اور زنا کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور نیز وہ لڑکیاں اس راگ کے ساتھ مشہور بھی تھیں اور نہ ان کا یہ پیشہ تھا اور نہ ان کا کسب تھا اور عرب کے لوگ شعر پڑھنے کو بھی راگ کہتے ہیں حالانکہ وہ راگ مختلف فیہ میں داخل نہیں بلکہ مباح ہے اور ایسا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت واقع ہوا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اصحاب نے کہا ہے

پس ثابت ہوا کہ اس حدیث سے راگ کے جواز پر استدلال قطعا باطل ہے لیکن اگر کوئی شخص عید کے دن اس خصوصیت کے ساتھ راگ سنے جس طور سے اس حدیث میں آیا ہے تو مباح ہے ورنہ مطلق حرام ہے چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ فیقتصر علی ماورد فیه النص وقتا و کیفیة اور پھر یہ مباح بھی تقویٰ اور دیانت کے برخلاف ہے کہ حضرت ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کی طرف کان نہ لگایا پس معلوم ہوا کہ اس قدر راگ سننا بھی تقویٰ کے مخالف ہے اور بعض اصحاب اور تابعین وغیرہ سے جو راگ کی اباحت منقول ہے تو اول تو اس کی سند مجہول ہے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے اور برتقدیر ثبوت اس حدیث صحیح متفق علیہ کے مقابلے میں اس کی کچھ حقیقت نہیں اس لیے کہ اصول میں مقرر ہو چکا ہے کہ قول صحابی کا حدیث کے مقابلے میں بالاتفاق حجت نہیں جیسا کہ ابن ہمام وغیرہ نے لکھا ہے اور نیز اس راگ سے مراد وہ راگ ہے جس میں عشق آمیز اور فتنہ انگیز کلام نہ ہو اور اس کا مضمون شرع کے مخالف نہ ہو اور دلیل اس حمل کی وہ آیتیں اور حدیثیں ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں پس جو شخص کہ مطلق راگ کو جائز جانے اور ناچنے کودنے کو مباح کہے تو وہ آدمی بیشک زندیق اور مرتد ہے جیسا کہ فتح الباری کی کلام سے ثابت ہو چکا ہے مگر عید اور شادی میں گانا اس ممانعت سے مخصوص ہے جیسا کہ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے مگر اس میں بھی وہی شرط ہے کہ اس میں فحش نہ ہو اور اس کا مضمون عشق آمیز اور فتنہ انگیز نہ ہو اور شرع کے مخالف بھی نہ ہو اور گانے والا خوبصورت لڑکا یا عورت نہ ہو اور ابن حزم ظاہری نے اس مسئلے میں بڑی زیادتی کی ہے کہ راگ اور باجوں کو مطلق جائز رکھا ہے وسیاتی بیانه والرد علیه انشاء اللّٰہ تعالیٰ۔ اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوئے میں ایک یہ کہ عید کے دن اپنے بال بچوں پر رزق وغیرہ کی فراخی کرنی جائز ہے جس سے کہ ان کو خوشی حاصل ہو اور یہ کہ عید کے دن خوشی ظاہر کرنی دین کی نشانی ہے اور یہ کہ جب بیٹی اپنے خاوند کے پاس ہو تو باپ کو اس کے پاس جانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی عادت ہو اور ہمیشہ آتا جاتا ہو اور یہ کہ خاوند کے ہوتے باپ کا اپنی بیٹی کو ادب دینا جائز ہے اس لیے کہ ادب دینا باپ کا کام ہے اور یہ کہ اپنی بیوی کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے اور یہ کہ نیکوں کی مجلسوں میں کھیل وغیرہ سے پرہیز کرنی چاہیے اگرچہ اس میں گناہ نہ ہو اور یہ کہ اگر شاگرد استاد کے پاس کوئی چیز مکروہ دیکھے تو اس پر انکار کرنا جائز ہے اور یہ ادب کے مخالف نہیں اور یہ کہ شاگرد کو استاد کے سامنے فتویٰ دینا جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برچھی وغیرہ ہتھیاروں کے ساتھ کثرت کرنی اور تجربہ کرنا جائز ہے کہ یہ جہاد کا وسیلہ ہے اور اسی طرح پڑی اور گدکی بکثرت کرنی جائز ہے اور آپ نے بھی اس کو اسی واسطے دیکھا کہ اس سے جہاد پر قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو بیگانے مردوں کے کام کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنے میں نہ پڑنے کا یقین کامل ہو لیکن اس کی خوبصورتی کی طرف دیکھنا اور اس سے لذت اٹھانا حرام ہے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ اے ارفدہ کی اولاد! تو یہ اس واسطے فرمایا کہ ارفدہ حبش کے جد کا نام ہے جس کی حبشی اولاد ہیں۔

بَابُ سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ.

عید کے دن مسلمانوں کو کیا کیا کام کرنا سنت ہے یا عید کی نماز پڑھنی مسلمانوں کے واسطے سنت ہے۔

٨٩٨ ـ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِيْ زُبَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا.

٨٩٨۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خطبہ پڑھ رہے تھے سو فرمایا کہ اول وہ چیز جس کو ہم اس دن میں شروع کریں یہ ہے کہ نماز پڑھیں یعنی بقرہ عید کے دن سنت یہ ہے کہ سب کاموں سے پہلے ہم نماز پڑھیں پھر گھر کی طرف پلٹ آئیں اور قربانی کریں سو جس نے ایسا کیا وہ ہماری سنت کو پہنچا یعنی اس نے سنت ادا کی۔

فائدہ: عید کی نماز کے جائز ہونے پر اجماع ہو چکا ہے لیکن اس کے حکم میں علماء کو اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ عید کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا کہ فرض کفایہ ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ واجب ہے اور دلیل ان کی یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشگی کی ہے اور کبھی اس کو ترک نہیں کیا پس مواظبت آپ کی وجوب پر دلالت کرے گی اور جو لوگ اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل اس جنگلی آدمی کی حدیث ہے جس نے آپ سے پوچھا تھا کہ نماز پنجگانہ کے سوا اور بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے آپ نے فرمایا نہیں مگر نفل چاہے تو پڑھ اور ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے کہ پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رات دن میں فرض کیا ہے سو حنفیہ ان کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جیسے ان حدیثوں میں عید کی فرضیت کا ذکر نہیں ویسے ہی ان میں جمعہ کی فرضیت کا بھی ذکر نہیں پس جس طرح جمعہ کی فرضیت ثابت ہے ویسے ہی عید کی فرضیت بھی ثابت ہے اور نیز کہتے ہیں کہ غرض آپ کی اس سے نماز پنجگانہ کے بیان کرنے کی تھی جو ہر دن رات میں مقرر ہے اور عید اور جمعہ اس سے مخصوص ہے کہ وہ ہر دن کا وظیفہ نہیں بلکہ ہر سال اور ہفتے کا وظیفہ ہے لیکن ان جوابوں سے یہ لازم آئے گا کہ عید کی نماز بھی اور نمازوں کی طرح فرض ہے حالانکہ حنفیہ اس کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں کہتے اور فرض اور واجب میں ان کے نزدیک فرق ہے اور اس حدیث سے نفس نماز عید کا سنت ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس ترتیب کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عید پڑھے پیچھے قربانی کرے لیکن شاید جس چیز میں ترتیب سنت ہے وہ امر خود بھی سنت ہوگا یا نماز کو مقدم کرنا اس کی تائید پر دلالت کرتا ہے پس سنیت ثابت ہوگی، واللہ اعلم۔

٨٩٩ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ أَبُوْ

٨٩٩۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مجھ پر داخل ہوئے اور میرے پاس انصار کی دو چھوٹی لڑکیاں لڑائی کی بہادری کے اشعار گاتی تھیں جو انصار نے بعاث کی

بَكْرٍ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَّهٰذَا عِيْدُنَا.

لڑائی کے دن کہے تھے اور وہ لڑکیاں راگ کرنے والی نہیں تھیں یعنی یہ ان کا پیشہ نہیں تھا سو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم پیغمبر کے گھر میں شیطان کا باجہ بجاتی ہو اور یہ گانا ان کا عید کے دن میں تھا سو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو بکر ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے یعنی اس دن اس قدر خوشی کرنی جو فتنے فساد سے خالی ہو جائز ہے۔

فائدہ: اس حدیث کا بیان مفصل طور سے ابھی گزر چکا ہے اور مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر نہیں لیکن احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ عبادت کو کھیل پر مقدم کرنا اہل اسلام کی سنت ہے یا مراد سنت سے لغوی معنی ہو یعنی طریقہ نماز عید کا اور ان حدیثوں میں اگرچہ فقط بقرہ عید کا ذکر ہے لیکن یہ سنیت میں دونوں برابر ہیں پس ایک کے ذکر سے دوسری کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا، واللہ اعلم۔ اور اہل اسلام کی قید اس واسطے لگائی ہے کہ کفار کی عیدوں کا طریق جدا ہے اور ان کی عادت بھی جدا ہے۔

بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ.

عید فطر کے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھانا مستحب ہے۔

فائدہ: فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن قدامہ نے کہا کہ عید فطر کے دن کھانے میں جلدی کرنی مستحب ہے اور میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں جانتا یعنی اس پر سب علماء کا اتفاق ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور نخعی سے روایت کی ہے کہ اگر گھر میں نہ کھایا ہو تو مستحب ہے کہ راہ میں کھائے اور اگر راہ میں بھی نہ کھایا ہو تو عید گاہ میں کھائے اور بالکل نہ کھانا مکروہ ہے اور کہتے ہیں کہ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کھانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ نماز پڑھنے تک روزہ رکھنا فرض ہے اور نماز سے پہلے کھانا منع ہے جیسا کہ اول اسلام میں حکم تھا اسی واسطے آپ نے نماز سے پہلے کھانے کو مستحب رکھا تا کہ یہ وہم لوگوں کے دلوں سے بالکل جاتا رہے۔

٩٠٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ

٩٠٠۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید فطر کے دن حضرت ﷺ صبح کو عید گاہ کی طرف نہ جاتے یہاں تک کہ چند کھجوریں کھاتے یعنی عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے ضرور کھجوریں کھا لیا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ طاق کھجوریں کھایا کرتے تھے۔

يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ وَقَالَ مُرَجَّأُ بْنُ رَجَآءٍ حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا.

فائدہ: قسطلانی میں لکھا ہے کہ اول اسلام میں عید کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا حرام تھا پھر منسوخ ہو گیا اس واسطے حضرت ﷺ عید سے پہلے کھجوریں کھا لیا کرتے تھے تا کہ اس کا منسوخ ہونا ان لوگوں کو معلوم ہو جائے اور کھجوروں کے مستحب ہونے میں حکمت یہ ہے کہ میٹھی چیز سے آنکھوں کو قوت حاصل ہوتی ہے اور جو ضعف کہ روزے کے سبب سے پیدا ہوتا ہے وہ اس سے دور ہو جاتا ہے اور نیز شیرینی ایمان کے موافق ہے اور اس سے دل نرم ہو جاتا ہے اور اسی واسطے بعض تابعین نے مستحب رکھا ہے کہ روزہ میٹھی چیز سے کھولا جائے خواہ کھجور ہو خواہ شہد ہو خواہ کچھ اور شربت وغیرہ ہو اور اگر کسی کو میٹھا میسر نہ ہو سکے تو پانی کے ساتھ ہی روزہ کھول ڈالے تا کہ اتباع سنت کی مشابہت حاصل ہو جائے اور کھجوروں کو طاق اس واسطے کھاتے تھے کہ اللہ طاق ہے اور اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ النَّحْرِ.

بقرہ عید کے دن کھانے کا بیان۔

٩٠١ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ يُّشْتَهٰى فِيْهِ اللَّحْمُ وَذَكَرَ مِنْ جِيْرَانِهٖ فَكَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَهٗ قَالَ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَدْرِيْ أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا.

٩٠١ ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر چکا ہو تو چاہیے کہ پھر قربانی کرے سو ایک مرد کھڑا ہوا اور عرض کی کہ اس دن میں گوشت کی زیادہ خواہش ہوتی ہے اور اس نے اپنے ہمسائیوں کے فقر و فاقہ کا ذکر کیا یعنی میرے ہمسائے محتاج تھے اس واسطے میں نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کی تا کہ ان کو کھلاؤں تو گویا کہ حضرت ﷺ نے اس کو اس بات میں سچا جانا اور اس نے کہا کہ میرے پاس سات مہینے کی ایک بکری ہے جو مجھ کو دو بکریوں کے گوشت سے زیادہ پیاری ہے یعنی اس واسطے کہ وہ بہت موٹی تازی ہے اور اس کی قیمت بہت ہے سو حضرت ﷺ نے اس کو رخصت دی (انس رضی اللہ عنہ نے کہا) سو میں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کو بھی اس کی رخصت پہنچی ہے یا نہیں یعنی اور کسی اور کو بھی اس کے ساتھ قربانی کرنی جائز

ہے یا نہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنی واجب ہے ورنہ آپ اس کو دوہرا کر کرنے کا حکم نہ فرماتے اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور انس رضی اللہ عنہ نے یہ جو کہا کہ میں نہیں جانتا کہ اور بھی اس کے ساتھ قربانی جائز ہے یا نہیں تو اسے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کو یہ دونوں حدیثیں نہیں پہنچیں پہلی حدیث یہ ہے کہ **لا تذبحوا الا مسنة** یعنی نہ حلال کرو قربانی میں مگر ایک سال کی بکری اور دوسری حدیث یہ ہے کہ **و لن تجزی عن احد بعدك** یعنی تیرے بعد اور کسی کو چھ مہینے کی بکری قربانی میں کافی نہیں اس واسطے اُس نے اپنا عدم علم بیان کیا ورنہ ان دونوں حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چھ مہینے کی بکری اور کسی کو جائز نہیں یہ حکم فقط اسی شخص کے ساتھ خاص تھا جس کو آپ نے فرمایا۔

٩٠٢ ۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَضْحٰى بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا نُسُكَ لَهُ فَقَالَ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ خَالُ الْبَرَآءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنِّيْ نَسَكْتُ شَاتِيْ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَأَحْبَبْتُ أَنْ تَكُوْنَ شَاتِيْ أَوَّلَ شَاةٍ تُذْبَحُ فِيْ بَيْتِيْ فَذَبَحْتُ شَاتِيْ وَتَغَدَّيْتُ قَبْلَ أَنْ اٰتِيَ الصَّلَاةَ قَالَ شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَنَا جَذَعَةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْنِ أَفَتَجْزِيْ عَنِّيْ قَالَ نَعَمْ وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

٩٠٢۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بقرہ عید کے دن نماز کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ سنایا اور فرمایا کہ جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہماری طرح قربانی کرے تو اس کی عبادت یا قربانی ادا ہوئی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو وہ پہلے نماز سے واقع ہوئی یعنی اس کو قربانی کا ثواب نہیں اور اس کی قربانی صحیح نہیں ۔ سو ابو بردہ بن دینار نے عرض کی کہ یا حضرت! میں نے اپنی بکری کو نماز سے پہلے ذبح کر ڈالا ہے اور میں نے جانا کہ یہ دن کھانے پینے کا ہے یعنی میں نے خیال کیا کہ قربانی فقط کھانے کے واسطے ذبح کرتے ہیں اس سے کوئی عبادت مقصود نہیں اور میں نے اچھا سمجھا اس بات کو کہ ہو بکری میری پہلی بکری جو ذبح کی جائے میرے گھر میں یعنی میں نے چاہا کہ سب سے پہلے میری بکری ذبح ہوتا کہ لوگ اس کو محبت سے کھائیں سو میں نے اپنی بکری کو حلال کیا اور نماز کی طرف جانے سے پہلے کھانا کھایا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری بکری گوشت کی بکری ہے یعنی تجھ کو اس سے فقط گوشت کھانا ملا ثواب حاصل نہیں ہوا اس نے عرض کیا کہ یا حضرت! ہمارے پاس ایک سال سے کم کی ایک جوان بکری

ہے جو مجھ کو دو بکریوں سے بہت پیاری ہے کیا وہ قربانی میں میری طرف سے کافی ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور نہیں کفایت کرے گی پیچھے تیرے کسی سے۔

فائدہ: بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ بقرہ عید کے دن مستحب ہے کہ پہلے نماز پڑھے پیچھے کھانا کھائے سو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اشارہ کیا ہے اس طرف کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ براء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے پہلے کھانا جائز ہے بلکہ مستحب ہے اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو فقط یہ فرمایا کہ تیری قربانی جائز نہیں اور یہ نہ فرمایا کہ نماز سے پہلے کھانا مکروہ یا منع ہے بلکہ اس کے کھانے کو برقرار رکھا اس سے معلوم ہوا کہ دونوں عیدوں کا ایک حکم ہے اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ عید الفطر کے دن نماز سے پہلے کھائے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز سے پیچھے کھائے ایسے ہی ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے لیکن ان کی اسناد میں کلام ہے اور بہت فقہاء نے ان پر عمل کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اگر نماز سے پہلے ذبح کر چکا ہو تو مستحب ہے کہ پہلے کھائے اور اگر پہلے ذبح نہ کیا ہو تو مختار ہے۔

بَابُ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلّٰى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ.

بغیر منبر کے عید گاہ کی طرف جانا یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عید گاہ کی طرف منبر کو اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر منبر کے عید پڑھایا کرتے تھے۔

فائدہ: کہتے ہیں عید گاہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے ہزار ہاتھ کے فاصلے پر تھی۔

٩٠٣ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ سَرْحٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ فَإِنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ

٩٠٣۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں میں عید گاہ کی طرف جایا کرتے تھے سو پہلے نماز پڑھتے پھر پھرتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے سو آپ ان کو وعظ اور نصیحت کرتے اور احکام دین سکھلاتے سو اگر آپ لشکر جدا کر کے کسی طرف بھیجنا چاہتے تو اس کو جدا کرتے اور تیاری کا حکم فرماتے یعنی فلاں فلاں جماعت فلانی جگہ جہاد کو جائے یا کسی اور چیز کا ارادہ ہوتا تو اس کا حکم فرماتے ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ ہمیشہ خلفاء اربعہ وغیرہ کے زمانے میں اسی طریقہ پر رہے یعنی خطبہ عید سے پیچھے پڑھتے تھے اور منبر پر نہیں پڑھتے

بِشَیْءٍ أَمَرَ بِهٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ قَالَ أَبُوْ سَعِیْدٍ فَلَمْ یَزَلِ النَّاسُ عَلٰی ذٰلِكَ حَتّٰی خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِیْرُ الْمَدِیْنَةِ فِیْ أَضْحٰی أَوْ فِطْرٍ فَلَمَّا أَتَیْنَا الْمُصَلّٰی إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِیْرُ بْنُ الصَّلْتِ فَإِذَا مَرْوَانُ یُرِیْدُ أَنْ یَّرْتَقِیَهٗ قَبْلَ أَنْ یُّصَلِّیَ فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهٖ فَجَبَذَنِیْ فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقُلْتُ لَهٗ غَیَّرْتُمْ وَاللّٰهِ فَقَالَ أَبَا سَعِیْدٍ قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ فَقُلْتُ مَا أَعْلَمُ وَاللّٰهِ خَیْرٌ مِّمَّا لَا أَعْلَمُ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ لَمْ یَكُوْنُوْا یَجْلِسُوْنَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ.

تھے یہاں تک کہ میں مروان کے ساتھ بقرہ عید یا عید الفطر میں عید گاہ کی طرف نکلا سو جب ہم عید گاہ میں آئے تو اچانک میں نے وہاں ایک منبر پکی اینٹوں سے بنا دیکھا جس کو کثیر بن صلت نے مروان کے واسطے بنایا تھا اور مروان اس وقت مدینے کا حاکم تھا سو یکایک مروان یہ چاہتا تھا کہ منبر پر چڑھے یعنی نماز پڑھنے سے پہلے سو میں نے اس کے کپڑے کو کھینچا یعنی پہلے نماز پڑھ اور اس نے مجھ کو کھینچا اور مجھ پر غالب آیا اور منبر پر چڑھا اور خطبہ پڑھا نماز سے پہلے سو میں نے کہا اللہ کی قسم! تم نے پیغمبر کے طریقے کو بدل ڈالا ہے سو مروان نے کہا کہ اے ابوسعید! بیشک وہ وقت گزر گیا جس کو تو جانتا ہے یعنی اب مصلحت یہی ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ پڑھا جائے سو میں نے کہا اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں بہتر ہے اس چیز سے جس کو میں نہیں جانتا مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد ہمارا خطبہ سننے کو نہیں بیٹھتے سو اس واسطے میں نے اس کو نماز سے پہلے ٹھہرا دیا ہے کہ لوگ اس کو خواہ مخواہ سنیں یعنی خطبہ سننا سنت ہے اور تاخیر اولیٰ ہے پس سنت پر محافظت کرنی اولیٰ ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید گاہ میں منبر لے جانا یا بنانا خلاف سنت ہے کہ حضرت ﷺ کے وقت عید گاہ میں منبر نہیں تھا بلکہ آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ لوگ عید کی نماز بغیر منبر کے پڑھتے رہے اور نیز ابن خزیمہ کی ایک روایت میں یہ لفظ صریح آ چکا ہے کہ خطب علی رجلیه یعنی آپ نے پاؤں پر خطبہ پڑھا پس اس سے معلوم ہوا کہ مروان وغیرہ بنی امیہ کے زمانے میں جو اماموں کے واسطے عید گاہ کی طرف منبر اٹھا کر لے جاتے تھے یہ حکم حضرت ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا پس عید کا خطبہ منبر پر پڑھنا سنت کے مخالف ہے سنت یہی ہے کہ امام اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کے خطبہ پڑھے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کو میدان میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے اس لیے کہ حضرت ﷺ نے اس پر ہمیشگی کی باوجودیکہ حضرت ﷺ کی مسجد افضل ہے اور یہی مذہب ہے حنفیہ کا اور اس پر عمل ہے سب لوگوں کا اور شافعیہ کہتے ہیں کہ مکے اور بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنی میدان سے افضل ہے بلکہ اگر مسجدیں فراخ ہوں تو سب مسجدوں

میں عید پڑھنی میدان سے افضل ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے اپنی مسجد میں اس واسطے عید کی نماز نہیں پڑھی کہ وہ تنگ تھی آدمی اس میں سما نہیں سکتے تھے بخلاف مسجد مکے اور بیت المقدس کے کہ وہ بہت فراخ ہیں اسی وجہ سے مکے میں قدیم زمانے سے عید مسجد میں پڑھتے ہیں اور مدینے میں بھی اب یہی عادت جاری ہے کہ عید کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں پس ان کے نزدیک اگر مسجد تنگ ہو تو میدان افضل ہے اور اگر مسجد فراخ ہو تو مسجد افضل ہے لیکن سب مسجدوں کو ان دونوں پر قیاس کر لینا ٹھیک نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جمعہ کی طرح ایک شہر میں عید کئی جگہ درست ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک شہر میں تین جگہ جائز رکھتے ہیں اور ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اول مروان نے عید گاہ میں منبر بنوایا اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے عثمان رضی اللہ عنہ نے عید گاہ میں منبر پر خطبہ پڑھا لیکن یہ روایت صحیح نہیں پس صحیحین کی اس حدیث کو ترجیح ہے اور احتمال ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک بار منبر پر خطبہ پڑھا ہو پھر چھوڑ دیا ہو پھر اس کے بعد مروان نے اس کا اعادہ کیا ہو اور ہمیشہ کی عادت ٹھہرا لی ہو اسی واسطے یہ فعل مروان کی طرف منسوب کیا گیا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کی نماز پہلے پڑھی جائے اور خطبہ پیچھے پڑھا جائے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت ہے لیکن اگر نماز سے پہلے خطبہ پڑھ لے تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک نماز صحیح ہو جاتی ہے مگر کراہت ہے اس لیے کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے باوجود انکار کے مروان کے ساتھ نماز پڑھی سو اگر نماز صحیح نہ ہوتی تو ابو سعید رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ نماز نہ پڑھتے لیکن سنت کی مخالفت ہے اس میں ثواب حاصل نہیں ہوتا بخلاف خطبے جمعہ کے کہ اس کو پہلے پڑھنا شرط ہے واسطے صحت جمعہ کے اور وہ فرض ہے اور عید کا خطبہ مستحب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے اگر کسی حاکم سے برا کام ہو تو اس کو بھی روکے اور اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے روکے ہاتھ کے ممکن ہوتے زبان سے منع کرنا کافی نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبے کے واسطے منبر بنانا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم کو اپنے قول کے سچے ہونے پر قسم کھانی جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم کو خلاف اول کے ساتھ عمل کرنا جائز ہے جب کہ حاکم اس کے مخالف ہو۔

بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوْبِ إِلَى الْعِيْدِ وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَّلَا إِقَامَةٍ.

عید گاہ کی طرف پیادہ اور سوار ہو کر جانے اور عید کی نماز میں اذان اور تکبیر نہ کہنے کا بیان یعنی جیسے کہ نماز پنجگانہ کے واسطے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے ویسے عید کی نماز میں اذان اور تکبیر نہیں کہنی چاہیے۔

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عید کی نماز میں نہ اذان کہنی جائز ہے اور نہ تکبیر اور اب اس پر سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے اور یہی مشہور ہے حضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے فعل سے اور اجماع کے پہلے اور پیچھے بعض لوگوں سے اس کا خلاف منقول ہے انتہی۔

٩٠٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ.

٩٠٤۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں کے دن پہلے نماز پڑھاتے پھر بعد نماز کے خطبہ پڑھتے۔

فائدہ: بعض نسخوں میں بخاری کے اس باب میں اتنا لفظ زیادہ ہے وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ یعنی نماز پہلے خطبے سے پڑھے پس یہ حدیث اس مسئلہ کے مطابق ہے۔

٩٠٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

٩٠٥۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف نکلے سو آپ نے نماز کو خطبے سے پہلے پڑھا۔

٩٠٦ - قَالَ وَأَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِيْ أَوَّلِ مَا بُوْيِعَ لَهٗ إِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ إِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ.

٩٠٦۔ حضرت عطاء نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا ابتدا اس وقت میں جب کہ ابن زبیر کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی اور حاکم بنے بعد مرنے معاویہ کے کہ عید الفطر کے دن اذان نہیں کہی جاتی تھی یعنی نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ خلفاء کے زمانے میں اور خطبہ بعد نماز کے ہے یعنی عید کے دن اذان دینی بدعت ہے۔

٩٠٧ - وَأَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى.

٩٠٧۔ اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ دونوں عیدوں میں کوئی اذان نہیں کہا کرتا تھا۔

٩٠٨ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ

٩٠٨۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن کھڑے ہوئے سو آپ نے پہلے نماز پڑھی پھر بعد نماز کے لوگوں کو خطبہ سنایا سو جب آپ خطبے سے فارغ ہوئے تو اترے یعنی اونچی جگہ سے یا مردوں کی صفوں سے آگے

فَأَتَى النِّسَآءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى يَدِ بِلَالٍ وَّبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِيْ فِيْهِ النِّسَآءُ صَدَقَةً قُلْتُ لِعَطَآءٍ أَتَرٰى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ الْآنَ أَنْ يَّأْتِيَ النِّسَآءَ فَيُذَكِّرَهُنَّ حِيْنَ يَفْرُغُ قَالَ إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ أَنْ لَّا يَفْعَلُوْا.

بڑھے سو عورتوں کے پاس آئے سو ان کو نصیحت کی اور بہشت دوزخ کا حال یاد دلایا اور آپ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تکیہ لگائے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے کہ عورتیں اس میں خیرات ڈالتی تھیں یعنی انگوٹھیاں اور بالیاں اُتار اُتار کر اس میں پھینکتی تھیں (ابن جریج کہتا ہے) کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا تو اب بھی امام پر لازم دیکھتا ہے کہ خطبے سے فارغ ہو کر عورتوں کے پاس آئے اور ان کو وعظ سنائے۔ عطاء نے کہا کہ یہ امام پر لازم ہے کہ عورتوں کو وعظ سنائے اور ترک کرنے میں اس کا کوئی عذر نہیں۔

فائدہ: عید گاہ کی طرف سوار ہو کر جانا ظاہرًا ان حدیثوں سے معلوم نہیں ہوتا لیکن ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنت ہے کہ عید گاہ کی طرف پیادہ جائے ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس پر عمل ہے اکثر اہل علم کا کہتے ہیں کہ مستحب ہے کہ آدمی عید گاہ کی طرف پیادہ جائے سوار نہ ہو اور ابن ماجہ میں سعد قرظ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف پیادہ جاتے تھے اور ایسے ہی نافع رحمہ اللہ سے بھی روایت آئی ہے اور سند ان تینوں کی ضعیف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سوار نہیں ہوئے نہ عید میں اور نہ جنازے میں سو شاید امام بخاری رحمہ اللہ کی اس باب سے یہ غرض ہوگی کہ یہ حدیثیں ضعیف ہیں یعنی دونوں طرح جانا جائز ہے خواہ سوار ہو کر جائے یا پیادہ جائے لیکن ان حدیثوں کی دلیل سے افضل یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیادہ جائے اور سوار ہو کر جانا بھی جائز ہے اس لیے کہ اگرچہ حدیثیں ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ سکتی ہیں اور شاید ترمذی نے بھی اسی وجہ سے اس کو حسن کہا ہوگا اور شافعیہ کہتے ہیں کہ عذر کے واسطے سوار ہونا جائز ہے اور پھر آنے کو مطلق جائز ہے بشرطیکہ کسی کو ایذا نہ دے واللہ اعلم۔ اور اسی طرح عید میں اذان کا جائز ہونا بھی اس باب کی حدیثوں سے ثابت نہیں ہوتا صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت قدیمہ کے موافق اشارہ کیا ہے اس طرف کہ ان حدیثوں کے بعض طریقوں میں اذان اور اقامت نہ کہنے کا ذکر آچکا ہے جیسے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نسائی میں آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی اور صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز خطبے سے پہلے پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے اور ایک روایت میں عبدالرزاق کے جابر رضی اللہ عنہ سے یہ لفظ آیا ہے کہ عید کے دن نہ اذان درست ہے اور نہ اقامت اور نہ اس کو کوئی چیز اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں کہا ہے کہ میں نے بہت علماء سے سنا ہے کہتے تھے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے سے لے کر آج تک عیدوں میں نہ اذان تھی اور نہ اقامت اور اس سنت میں کسی کو اختلاف نہیں پس مطابقت ان حدیثوں کی باب سے ظاہر ہوگئی اور اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن آدمیوں کو اطلاع کرنے کے واسطے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہنا بھی منع ہے اور یہ مذہب جمہور کا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ عید کے دن اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہنا جائز ہے کہ زہری سے مرسل حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہنے کا مؤذن کو حکم کرتے تھے یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن کسوف کی نماز پر قیاس کرنا اس کو مضبوط کرتا ہے کہ اس میں اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہنا ثابت ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ عید کے دن اذان دینی اول کس نے نکالی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت سب سے پہلے معاویہ نے نکالی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اول یہ بدعت زیاد نے نکالی اور بعض کہتے ہیں کہ مروان نے نکالی سوان قولوں میں مخالفت نہیں اس لیے کہ یہ سب قول اس پر محمول ہیں کہ پہلے اس کو معاویہ نے شروع کیا ہے اور چونکہ مروان اور زیاد اس کے نائب تھے اس واسطے انہوں نے بھی اس بدعت میں اس کی متابعت کی۔

بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيْدِ.

عید کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنے کا بیان یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت یہی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ پڑھتے اور جو کہ مروان وغیرہ نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا نکالا ہے وہ بدعت ہے۔

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سب ائمہ فتویٰ اور علماء شہروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

٩٠٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

٩٠٩ ـ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ عید میں حاضر ہوا سو وہ سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

٩١٠ ـ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

٩١٠ ـ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما عید کی نماز خطبے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

٩١١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا ثُمَّ أَتَى النِّسَآءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلْنَ يُلْقِيْنَ تُلْقِي الْمَرْأَةُ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا.

٩١١۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو رکعتیں پڑھیں نہ ان سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ اُن سے پیچھے پڑھی پھر عورتوں کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے سو آپ نے ان کو خیرات کرنے کا حکم فرمایا سو وہ بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں صدقہ ڈالنے لگیں کوئی عورت اپنی بالی ڈالتی تھی اور کوئی اپنا گلو بند پھینکتی تھی اور کوئی دونوں۔

٩١٢ - حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُّصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَبَحْتُ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُسِنَّةٍ فَقَالَ اجْعَلْهُ مَكَانَهُ وَلَنْ تُوْفِيَ أَوْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

٩١٢۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اول چیز جس کو ہم اپنے اس دن میں شروع کریں یہ ہے کہ نماز پڑھیں پھر پلٹ آئیں اور قربانی کریں سو جس نے ایسا کیا وہ ہماری سنت کو پہنچا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی سو وہ گوشت ہے کہ اُس نے اپنے بال بچوں کے واسطے پہلے کیا وہ عبادت سے کسی چیز میں داخل نہیں یعنی اس میں قربانی کا ثواب نہیں سو انصار کے ایک مرد نے (جس کا نام ابو بردہ تھا) کہا کہ یا حضرت! میں نماز سے پہلے حلال کر چکا ہوں اور میرے پاس سال سے کم کی ایک بکری ہے جو ایک برس کی بکری سے بہتر ہے فرمایا کہ اس کے بدلے اس کو قربانی کر لے اور تیرے پیچھے اور کسی کو کافی نہیں۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تو صریح ہے اس میں کہ خطبہ عید کی نماز سے پیچھے پڑھنا چاہیے پس مطابقت ان کی باب سے ظاہر ہے اور دوسری حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس طور سے باب کے مطابق ہے کہ آپ نے عورتوں کو وعظ کیا اور یہ بھی خطبے میں داخل ہے اور براء رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے اس طور پر مطابق ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آپ نے عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ پڑھا اور یہ فرمایا کہ عید کے دن سب سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے الخ

اور ثم کا لفظ اس بات کو مستلزم نہیں کہ نماز اور قربانی کے درمیان کوئی چیز واقع نہ ہو۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ.

عید کے دن اور حرم مکہ میں ہتھیار اٹھانے مکروہ یا حرام ہیں۔

فائدہ: اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے دن ہتھیار اٹھانے مکروہ یا حرام ہیں اور باب الحرب والدرق سے جو پہلے گزر چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے دن ہتھیار اٹھانے جائز یا مستحب ہیں سو تطبیق ان میں اس طور سے ہے کہ اگر تجربہ اور کثرت کے واسطے اٹھائے اور کسی کو ایذا نہ پہنچائے یا دشمن کا خوف ہو تو ہتھیار اٹھانے جائز ہیں جیسا کہ پہلے باب سے معلوم ہوتا ہے اور اگر فخر اور شر کے واسطے اٹھائے یا لوگوں کو اس سے ایذا پہنچے اور بے احتیاطی سے لے جائے یا مخلوق کا بہت ہجوم ہو یا راہ تنگ ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار ساتھ لے جانے مکروہ یا حرام ہیں جیسا کہ اس باب سے معلوم ہوتا ہے پس یہ دونوں باب دو حالتوں پر محمول ہیں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ نُهُوا أَنْ يَّحْمِلُوا السِّلَاحَ يَوْمَ عِيدٍ إِلَّا أَنْ يَّخَافُوا عَدُوًّا.

اور حسن بصری نے کہا کہ عید کے دن لوگوں کو ہتھیار اٹھانے سے منع ہوا ہے مگر دشمن کا خوف ہو تو جائز ہیں یعنی ضرورت کے وقت کچھ گناہ نہیں۔

٩١٣ ـ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيٰى أَبُو السُّكَيْنِ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِيْنَ أَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي أَخْمَصِ قَدَمِهِ فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّكَابِ فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا وَذٰلِكَ بِمِنًى فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ فَجَعَلَ يَعُودُهُ فَقَالَ الْحَجَّاجُ لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَكَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَنْتَ أَصَبْتَنِي قَالَ وَكَيْفَ قَالَ حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ وَأَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ الْحَرَمَ.

٩١٣۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں پر نیزے کی نوک لگی تو میں اس وقت اس کے ساتھ تھا سو اس کا پاؤں رکاب کے ساتھ جڑ گیا اور اس سے باہر نہ نکل سکا یعنی خون جم جانے یا ضعیف ہو جانے کے سبب سے سو میں اپنی سواری سے نیچے اترا اور اس کو رکاب سے باہر کھینچا اور یہ واقعہ منیٰ (جو حرم مکہ میں داخل ہے) میں تھا (عید کے دن جب کہ حجاج ظالم ملک حجاز پر قابض ہوا) سو حجاج کو یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نیزہ لگا ہے سو ان کی بیمار پرسی کو آیا اور کہا کہ اگر میں جانتا اس شخص کو جس نے تجھ کو نیزہ مارا تو اس کو سخت سزا دیتا سو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ خود تو نے مجھے کو نیزہ مارا ہے حجاج نے کہا میں نے کس طرح نیزہ مارا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تو نے ہتھیار اٹھائے اور لوگوں کو اجازت دی اس دن میں جس میں ہتھیار نہیں اٹھائے جاتے

اور نیز تو نے حرم مکہ میں ہتھیار داخل کیے ہیں حالانکہ اس کے اندر کوئی ہتھیار نہیں لایا کرتا تھا بہ سبب ہونے اس کے کی جگہ امن کے یعنی تو نے سنت کی مخالفت کی اس واسطے فساد واقع ہوا اور اگر تو اس دن میں ہتھیار اٹھانے کی کسی کو رخصت نہ دیتا تو کوئی ہتھیار نہ اٹھاتا اور نہ حرم مکہ کے اندر لاتا۔

فائدہ: جب حجاج ظالم بعد قتل کرنے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حجاز کے ملک پر حاکم ہوا تو عبدالملک (حاکم وقت) نے اس کو لکھ بھیجا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کسی کام میں مخالفت نہیں کرنی سو یہ بات حجاج کو ناگوار گزری پس اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نیزہ چبھوئے سو اس بدبخت نے حجاج کے حکم سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں میں نیزہ چبھا دیا کہتے ہیں کہ وہ نیزہ زہر آلود تھا سو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس زخم سے کئی دن بیمار رہے آخر اسی بیماری سے ۷۴ھ ہجری میں انتقال کیا اور شاید کہ متن کی حدیث میں بھی یہی تعریض ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عید کے دن ہتھیار اٹھانے میں کسی کو ایذا پہنچے اور احتیاط نہ ہو سکے تو جائز نہیں اور مراد ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی معلوم ہوتی ہے اور حرم میں ہتھیار اٹھانے کی ممانعت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ میں ہتھیار اٹھانا منع فرمایا اور حدیث باب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ہتھیار اٹھانے جائز نہیں پس مطابقت حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

٩١٤ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ كَيْفَ هُوَ فَقَالَ صَالِحٌ فَقَالَ مَنْ أَصَابَكَ قَالَ أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ يَعْنِي الْحَجَّاجَ.

۹۱۴۔ حضرت سعید بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجاج ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیمار پرسی کو آیا اور میں اس وقت اس کے پاس تھا سو حجاج نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا حال ہے انہوں نے کہا اچھا حال ہے سو حجاج نے کہا کہ تجھ کو کس نے نیز چبھایا اُس نے کہا کہ جس نے ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا ایسے دن میں جس میں ان کا اٹھانا جائز نہیں یعنی خود تو نے مجھ کو نیزہ چبھایا ہے۔

فائدہ: کہتے ہیں حجاج تین بار عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیمار پرسی کو گیا پہلی بار پوچھا کہ کس نے نیزہ چبھایا سو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اشارے سے جواب دیا دوسری بار پھر اس نے پوچھا کہ کس نے چبھایا؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تو نے نیزہ چبھایا تیسری بار پھر اُس نے پوچھا تب ابن عمر رضی اللہ عنہما چپ ہو رہے اور اس نابکار سے بالکل کلام نہ کی تب غصے سے اٹھ کر چلا آیا اور مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

بَابُ التَّبْكِيْرِ إِلَى الْعِيْدِ. عید کی نماز کے واسطے جلدی جانے کا بیان۔

فائدہ: عید کے وقت میں علماء کو اختلاف ہے شافعیہ کہتے ہیں کہ سورج نکلنے سے لے کر دو پہر تک اس کا وقت ہے اور حنفیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ جب آفتاب بقدر ایک نیزے کے بلند ہو جائے تو اس وقت سے لے کر دو پہر تک اس کا وقت ہے لیکن افضل سب کے نزدیک یہی ہے کہ ایک نیزہ سورج بلند ہونے کے وقت پڑھے ابن بطال نے کہا کہ سورج نکلنے سے پہلے اور عین نکلنے کے وقت عید پڑھنی بالاتفاق منع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عید کا وقت زوال تک باقی نہیں رہتا ہے اور عید گاہ کی طرف جانے میں بھی علماء کو اختلاف ہے بعض شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مقتدی نماز فجر کے بعد جائے یعنی سورج نکلنے سے پہلے اور امام تکبیر کے وقت جائے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ سورج نکلنے کے بعد عید گاہ کی طرف جائے خواہ امام ہو یا مقتدی ہو اور یہی مذہب ہے نافع اور عروہ اور عطاء اور شعبی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ بقرہ عید میں امام بعد طلوع آفتاب کے جائے اور عید الفطر میں تھوڑی دیر کر کے جائے۔

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ إِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَذٰلِكَ حِيْنَ التَّسْبِيْحِ.

اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس وقت میں یعنی چاشت کے وقت عید کی نماز سے فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

فائدہ: جب چاشت کے وقت عید کی نماز سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ سورج نکلنے کے بعد عید گاہ کی طرف جلدی چلے جاتے تھے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

٩١٥ ۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهٗ لِأَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ فَقَامَ خَالِيْ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّسِنَّةٍ قَالَ اجْعَلْهَا مَكَانَهَا أَوْ قَالَ اذْبَحْهَا وَلَنْ تَجْزِيَ جَذَعَةٌ

٩١٥ ۔ ترجمہ اس حدیث براء رضی اللہ عنہ کا سابق باب میں گزر چکا ہے۔

عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے دن نماز کی تیاری اور عید گاہ کی طرف جانے کے سوا اور کوئی کام کرنا لائق نہیں اور یہ مستلزم ہے اس بات کو کہ عید کی نماز سے پہلے کوئی کام کرنا لائق نہیں پس یہ مقتضی ہے اس بات کو کہ عید گاہ کی طرف اول وقت جائے پس یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے۔ واللہ اعلم

بَابُ فَضْلِ الْعَمَلِ فِيْ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ. تشریق کے دنوں میں عمل کرنے کی فضیلت کا بیان۔

فائدہ: تشریق کے چار دن ہیں ایک بقرہ عید کا دن اور تین دن اس سے پیچھے یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں اور بعض نے کہا کہ تین دن ہیں اور تشریق کا معنی لغت میں گوشت خشک کرنے کا ہے اور چونکہ عرب لوگ ان دنوں میں قربانی کا گوشت خشک کرتے تھے اس واسطے ان دنوں کا نام ایام تشریق رکھا گیا اور بعض نے کہا کہ تشریق کا معنی سورج بلند ہونے کا ہے اور چونکہ بقرہ عید کی نماز سورج بلند ہونے کے وقت پڑھی جاتی ہے اور باقی تین دن بھی نماز میں اس کے تابع ہیں اس لیے ان کو ایام تشریق کہا گیا اور ایام تشریق کو ایام منیٰ بھی کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ گاؤں والوں پر تشریق کی تکبیریں نہیں ہیں لیکن اس مسئلے میں کوئی اس کے موافق نہیں بلکہ صاحبین بھی اس کے مخالف ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ﴾ أَيَّامُ الْعَشْرِ وَالْأَيَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ مراد اس آیت میں ایام معلومات سے پہلے دس دن مہینہ ذو الحجہ کے ہیں پس معنی اس آیت کا یہ ہوا کہ یاد کرو اللہ کو معلوم دنوں میں یعنی ذوالحجہ کے پہلے دھاکے میں (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا) اور مراد ایام معدودات سے جو سورہ بقرہ میں واقع ہوا ہے تشریق کے دن ہیں اور وہ آیت یہ ہے ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ﴾ پس معنی اس کا یہ ہوا کہ یاد کرو اللہ کو گئی دن گنتی کے یعنی تشریق کے دنوں میں۔

فائدہ: اگر کوئی کہے کہ پہلی آیت قرآن کے مخالف ہے اس لیے کہ قرآن میں ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ کے بدلے ﴿وَيَذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ واقع ہوا ہے تو کہا جائے گا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی غرض تلاوت کی نہیں بلکہ ان کی غرض فقط ان دونوں لفظوں کی تفسیر کرنی ہے اور غرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس اثر سے یہ ہے کہ تشریق کے دن ذوالحجہ کے دس دنوں کے برابر ہیں جیسا کہ اثر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے پس ان میں عمل کرنے کا ثواب ایام عشر کے

برابر ہے پس ایام تشریق میں عمل کرنے کی فضیلت ثابت ہوگئی۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُوْ هُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوْقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ يُكَبِّرَانِ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيْرِهِمَا وَكَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ.

اور تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نکلتے طرف بازار کی ذوالحجہ کے پہلے دھاکے میں اس حال میں کہ تکبیر کہتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیر کہتے اور محمد بن علی نے نفل نماز کے بعد تکبیر کہی یعنی ایام تشریق میں۔

فائدہ: ان دونوں اثروں سے ایام عشر اور ایام تشریق میں عمل کرنا ثابت ہوا پس ان کو باب کے ساتھ اتنی مناسبت ہی کافی ہے۔

٩١٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا الْعَمَلُ فِيْ أَيَّامٍ أَفْضَلَ مِنْهَا فِيْ هٰذِهٖ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ.

٩١٦۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کرنا کوئی دنوں میں افضل نہیں ہے ان دنوں سے یعنی ذوالحجہ کے دس دنوں سے اصحاب نے کہا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی اس سے افضل نہیں فرمایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی اس سے افضل نہیں مگر اس مرد کا جہاد افضل ہے جو کہ نکلا اپنا جان اور مال نثار کرتا پھر نہ پلٹا کچھ لے کر یعنی شہید ہو گیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عشرہ ذوالحجہ کے برابر کوئی دنوں کی عبادت افضل نہیں اور چونکہ ایام تشریق بھی ان کے ہمسایہ ہیں اور ان کے ساتھ متصل پیچھے آتے ہیں اس لیے ہمسائیگی کے سبب سے ان کو بھی یہ فضیلت دی گئی اور نیز ذوالحجہ کے دس دنوں کو اس واسطے فضیلت حاصل ہوئی ہے کہ اس میں حج کے عمل واقع ہوتے ہیں اور باقی عمل حج کے جیسا کہ طواف اور رمی وغیرہ ہے تشریق کے دنوں میں واقع ہوتے ہیں تو اب اصل فضیلت میں دونوں شریک ہوئے کہ اعمال حج کے دنوں میں واقع ہوتے ہیں اسی وجہ سے تکبیر بھی دونوں شریک ہیں اور جب حج کے دس دنوں میں عمل کرنے کی فضیلت اس حدیث سے ثابت ہوگئی تو ایام تشریق میں عمل کرنے کی فضیلت خود ثابت ہوگئی پس مناسبت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی اور نیز آثار مذکورہ کی مناسبت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی ظاہر ہوگئی اور نیز عید کا دن دونوں میں شریک ہے اس لیے کہ عید ایام عشر کا بھی اخیر دن ہے اور ایام تشریق کا پہلا دن ہے تو اب جو فضیلت کہ ایام عشر کے واسطے ثابت ہوگی وہ ایام تشریق کے واسطے خود ثابت ہو جائے گی کیونکہ عید دونوں کی جزء ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کی بڑی فضیلت ہے اور اس کے درجے متفاوت ہیں اعلیٰ درجہ اس کا وہ ہے جس میں آدمی شہید ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذوالحجہ کے دس دن تمام سال کے دنوں سے افضل ہیں سو اگر

کوئی نذر مانے کہ میں سب دنوں سے افضل دن میں روزہ رکھوں گا تو عرفہ کا دن مقرر ہوگا اور وجہ عشرہ ذوالحجہ کے افضل ہونے کی یہ ہے افضل عبادتیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے ان میں سب جمع ہو جاتی ہیں اور وہ نماز ہے اور روزہ اور صدقہ اور حج اور یہ سب عبادتیں اور کسی دن میں جمع نہیں ہوتی ہیں۔

بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ.

منیٰ کے دنوں میں تکبیر کہنی اور جب ذوالحجہ کے نو تاریخ کو منیٰ سے عرفات جائیں تو راہ میں تکبیر کہنے کا بیان۔

فائدہ: مراد منیٰ کے دنوں سے وہی تشریق کے دن ہیں کما مر۔

وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهِ بِمِنًى فَيَسْمَعُهُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُكَبِّرُ أَهْلُ الْأَسْوَاقِ حَتّٰى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيْرًا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ بِمِنًى تِلْكَ الْأَيَّامَ وَخَلْفَ الصَّلَوَاتِ وَعَلٰى فِرَاشِهِ وَفِيْ فُسْطَاطِهِ وَمَجْلِسِهِ وَمَمْشَاهُ تِلْكَ الْأَيَّامَ جَمِيْعًا وَكَانَتْ مَيْمُوْنَةُ تُكَبِّرُ يَوْمَ النَّحْرِ وَكُنَّ النِّسَآءُ يُكَبِّرْنَ خَلْفَ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَيَالِيَ التَّشْرِيْقِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے خیمے میں (جو منیٰ میں گاڑا تھا) پکار کر تکبیر کہتے تھے سو مسجد والے اس کو سنتے سو وہ بھی اس کے ساتھ تکبیر کہتے اور بازار والے بھی تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ تکبیروں کی آواز سے گونج جاتی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریق کے دنوں میں منیٰ کے درمیان تکبیر کہا کرتے تھے اور نیز ہر نماز کے پیچھے تکبیر کہتے اور اپنے بچھونے پر بھی تکبیر کہتے اور اپنے خیمے میں بھی تکبیر کہتے اور بیٹھتے اور چلتے بھی تکبیر کہتے اور ان سب دنوں میں تکبیر کہتے، اور میمونہ رضی اللہ عنہا بھی بقرہ عید کے دن تکبیر کہتی تھیں اور عورتیں بھی تشریق کے دنوں میں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیریں کہتی تھیں۔

فائدہ: ان اثروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریق کے دنوں میں ہر وقت ہر حال میں میں تکبیر کہی جائے نماز پنجگانہ کے پیچھے بھی اور باقی سب وقتوں میں بھی اور اس مسئلے میں علماء کو اختلاف ہے کئی وجہ سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ تکبیر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور یہی ایک روایت ہے امام مالک رحمہ اللہ سے اور باقی اماموں کے نزدیک مستحب ہے وجہ دوم یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ابتدا اس کی عرفہ کے دن صبح کی نماز کے پیچھے سے ہے اور انتہا اس کی عید کے دن کی عصر تک ہے کہ مجموعہ ان کا آٹھ نمازیں ہوتی ہیں اور یہی مروی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام محمد اور امام ابو یوسف وغیرہ کے نزدیک عرفہ کی صبح سے لے کر تشریق کے پچھلے دن کی عصر تک ہے کہ مجموعہ ان کا تئیس نمازیں ہوتی ہیں امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ محققین کے نزدیک یہی

قول صحیح ہے اور دار قطنی میں ہے کہ حضرت ﷺ نے عرفہ کی صبح سے لے کر تشریق اخیر دن کی عصر تک تکبیر کہی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تکبیر عرفہ کی صبح سے لے کر آخر دنوں منیٰ کے عصر تک ہے اور یہی مروی ہے عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عید کی ظہر سے لے کر تشریق کے اخیر دن کی صبح تک ہے اور اس کے سوا اور بھی یہاں کئی قول ہیں جو بخوف طول ذکر نہیں کیے گئے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت شرط ہے تنہا نماز پڑھنے والے پر تکبیریں واجب نہیں اور باقی اماموں اور صاحبین کے نزدیک جماعت شرط نہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ تکبیریں فقط مردوں کے ساتھ خاص ہیں عورتوں کے واسطے نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ادائے نماز میں ہیں قضا میں نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فرضوں میں ہیں نفلوں میں نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مقیم پر ہیں مسافر پر نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شہر والوں پر ہیں گاؤں والوں پر نہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مختار قول یہی ہے کہ تکبیروں کا حکم ان سب لوگوں کو شامل ہے سب لوگ تکبیر کہیں۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک بار یہ ذکر کہے **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد** اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی ذکر ہے لیکن تکبیر تین بار کہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک فقط **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر** کہے اور اگر تہلیل اور تحمید زیادہ کرے تو وہ بہتر ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب موافق حنفیہ کے ہے لیکن شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ سب سے صحیح تکبیر یہ ہے جو کہ عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہا کہ تشریق کے دنوں میں یہ کہا کرو **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر کبیرا** اور یہی قول امام شافعی کا ہے لیکن وہ اتنا زیادہ کرتے ہیں **وللّٰہ الحمد** اور بعض کہتے ہیں کہ تین بار تکبیر کہے اور اس پر **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك له** الخ زیادہ کرے اور بعض کہتے ہیں کہ دو بار تکبیر کہے بعد اس کے یہ کہے **لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد** اور یہی مروی ہے عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور یہی قول ہے امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق کا انتہی۔

٩١٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلٰى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّيْ لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ.

٩١٧۔ حضرت محمد بن ابو بکر ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے تلبیہ کا مسئلہ پوچھا (اور ہم دونوں منیٰ سے عرفات کو جاتے تھے) کہ تم حضرت ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لبیک کہنے والا لبیک کہتا اس پر کوئی انکار نہ کرتا تھا اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا یعنی کبھی تلبیہ کہتے اور کبھی تکبیر کہتے تھے پس دونوں طرح جائز ہے جو جس کے جی میں آئے کہے درست ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب منیٰ سے عرفات کو جائے تو راہ میں تکبیر کہنی جائز ہے پس یہی وجہ ہے

مناسبت اس حدیث کی باب کے دوسرے مسئلے سے مگر رمی جمرہ عقبہ کے پہلے تلبیہ مطلق ترک کر دینا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں۔

٩١٨ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِیْ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيْدِ حَتّٰى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا حَتّٰى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ وَيَدْعُوْنَ بِدُعَآئِهِمْ يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهٗ.

٩١٨ ۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم کو حکم ہوتا تھا عید کے دن باہر نکلنے کا یہاں تک کہ باہر نکالیں ہم کنواریوں اور حیض والیوں کو بھی پس مردوں کے پیچھے ٹھہری رہیں اور ان کے موافق تکبیر کہیں اور ان کے ساتھ دعا میں شریک ہوں امید رکھیں اس دن کی برکت اور پاکی کی یعنی جو پاکی کہ گناہ سے حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن تکبیر کہنی سنت ہے کہ حیض والیوں کو بھی اس کے کہنے کی تاکید ہے پس تشریق کے دنوں میں تکبیر کہنی ثابت ہوگئی کہ عید بھی ان میں داخل ہے پس مناسبت اس حدیث کی باب سے پہلے مسئلے سے ثابت ہوگئی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبیر اور دعا حیض والی کو منع نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے واسطے عورتوں کو نکلنا مستحب ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک مطلق منع ہے، کما مر.

بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيْدِ.

عید کے دن برچھی کی طرف نماز پڑھنے کا بیان یعنی برچھی کو بمنزلہ سترے کے اپنے سامنے کھڑی کر کے اس کی طرف نماز پڑھنی جائز ہے۔

٩١٩ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ تُرْكَزُ الْحَرْبَةُ قُدَّامَهٗ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ ثُمَّ يُصَلِّيْ.

٩١٩ ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عید الفطر اور قربانی کے دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے برچھی گاڑی جاتی تھی یعنی بجائے سترے کے پھر آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔

بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيْدِ.

عید کے دن امام کے آگے برچھی یا نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان یعنی جائز ہے۔

فائدہ: اس باب اور پہلے باب میں یہ فرق ہے کہ پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ سترے میں یہ شرط نہیں کہ نمازی کے تمام بدن کو چھپا لے اور اس باب سے یہ مراد ہے کہ امام کے آگے کوئی ہتھیار اٹھا کر چلنا جائز ہے۔

٩٢٠ ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ إِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا.

٩٢٠۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو عید گاہ کی طرف جاتے تھے اور نیزہ آپ کے آگے اٹھایا جاتا اور عید گاہ میں آپ کے سامنے گاڑا جاتا سو آپ اس کی طرف نماز پڑھتے۔

فائدہ: یہ اکثر اوقات کا ذکر ہے ورنہ آپ نے منیٰ میں بغیر سترہ کے بھی نماز پڑھائی پس ترک سترہ جائز ہے معلوم ہوا کہ سترہ سنت ہے واجب نہیں۔

بَابُ خُرُوْجِ النِّسَآءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلّٰى.

عید کے دن عورتوں اور حیض والیوں کو عید گاہ کی طرف نکلنا جائز ہے۔

٩٢١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أَمَرَنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْدِ وَعَنْ أَيُّوْبَ عَنْ حَفْصَةَ بِنَحْوِهٖ وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ حَفْصَةَ قَالَ أَوْ قَالَتِ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْدِ وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى.

٩٢١۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ باہر نکالیں ہم کنواریوں پردہ نشینوں کو یا کہا کہ کنواریوں اور پردہ نشینوں کو اور حیض والیاں عید گاہ سے کنارے رہیں۔

بَابُ خُرُوْجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلّٰى.

عید کے دن نابالغ لڑکوں کو عید گاہ کی طرف جانا جائز ہے اگرچہ نماز نہ پڑھیں۔

٩٢٢ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

٩٢٢۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں عید الفطر یا قربانی کے دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلا سو آپ نے نماز پڑھی اور خطبہ پڑھا پھر عورتوں کے پاس آئے اور ان کو وعظ سنایا اور بہشت و دوزخ کا حال یاد دلایا اور ان کو

وَسَلَّمَ يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحٰى فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ.

خیرات دینے کا حکم فرمایا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کو عیدگاہ کی طرف جانا درست ہے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ میں گئے حالانکہ وہ اس وقت نابالغ تھے جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں اس کی تصریح آ چکی ہے، کما مر پس مناسبت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی اور بعض نے کہا کہ نابالغ لڑکوں کو اس وقت عید گاہ میں جانا درست ہے جب کہ اپنے نفس کو کھیل تماشے سے روک سکتے ہوں اور نماز کو سمجھتے ہوں اور نماز کے مفسدات کو یاد رکھتے ہوں اور بعض نے کہا کہ غرض لڑکوں کے باہر آنے سے یہ ہے کہ اسلام کی شوکت زیادہ ہو اور عید کی نماز میں جو اسلام کی ایک نشانی ہے مسلمانوں کی کثرت ہو پس یہ حکم سب کو شامل ہے خواہ نماز پڑھے خواہ نہ پڑھے اور یہی معلوم ہوتا ہے مذہب امام بخاری رحمہ اللہ کا لیکن اس صورت میں مناسب ہے کہ لڑکوں کے ساتھ کوئی آدمی محافظ ہو جو ان کو کھیل تماشے اور شور سے روکے اور جو لڑکے کہ بالکل تمیز نہیں رکھتے وہ اگرچہ نماز اور دعاء وغیرہ میں شامل ہو کر تبرک حاصل نہیں کر سکتے ہیں لیکن کثرت اہل اسلام کی اس میں ضرور متصور ہے اور یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ جو نماز اور دعاء وغیرہ میں شریک ہو اُسی کو ثواب ملے دوسرے کو نہ ملے اس لیے کہ نیکی کی مجلس میں فقط حاضر ہونے سے بھی ثواب ملتا ہے گو عبادت میں اُس کے ساتھ شریک نہ ہو جیسا کہ ان فرشتوں کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو نیکی کی مجلسیں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

بَابُ اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدِ فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقَابِلَ النَّاسِ.

عید کے خطبے میں امام کو لوگوں کی طرف متوجہ ہونا سنت ہے اور ان کو پیٹھ دینی قبیح ہے اور ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے روبرو کھڑے ہوئے۔

فائدہ: یہ حدیث باب آئندہ میں ابھی آتی ہے اور باب الخروج الی المصلی میں پہلے بھی گزر چکی ہے اور مطابقت اس کی باب سے ظاہر ہے۔

٩٢٣ ۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ زُبَيْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أَضْحٰى إِلَى الْبَقِيْعِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ وَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِيْ

٩٢٣ ۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقرہ عید کے دن بقیع کی طرف نکلے سو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے اس دن کی پہلی عبادت یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں پھر نماز سے پلٹ آئیں اور قربانی کریں سو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری

يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي ذَبَحْتُ وَعِنْدِيْ جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُسِنَّةٍ قَالَ اذْبَحْهَا وَلَا تَفِيْ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

سنت کی موافقت کی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو وہ صرف ایک چیز ہے جس کو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی تیار کیا اور باقی ترجمہ اس حدیث براء رضی اللہ عنہ کا پہلے گزر چکا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے خطبہ میں امام کو لوگوں کی طرف منہ کرنا سنت ہے اور غرض اس باب سے دفع کرنا ہے وہم اس شخص کا جو استقبال امام کو جمعہ کے خطبے کے ساتھ خاص ہونے کا وہم کرتا ہے یعنی امام کو لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ہر حال میں سنت ہے کسی وقت یا کسی خطبے کے ساتھ خاص نہیں۔

بَابُ الْعَلَمِ الَّذِيْ بِالْمُصَلّٰى.

عید گاہ میں نشان کھڑا کرنا تا کہ لوگ اس کو پہچان لیں کہ یہ عید گاہ ہے۔

٩٢٤ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهُ أَشَهِدْتَّ الْعِيْدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِيْ مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُّهُ حَتّٰى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِيْ عِنْدَ دَارِ كَثِيْرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَآءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ بِأَيْدِيْهِنَّ يَقْذِفْنَهُ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلٰى بَيْتِهِ.

٩٢٤۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی نے اُس سے پوچھا کہ کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا ہے اُس نے کہا ہاں اور اگر میرا قرب اور قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہوتا تو میں کم عمری کے سبب سے حاضر نہ ہوتا (سو اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کو چلے) یہاں تک کہ اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے نزدیک تھا سو آپ نے نماز پڑھی پھر خطبہ پڑھا پھر عورتوں کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے سو ان کو وعظ اور نصیحت کی اور خیرات کرنے کا حکم دیا سو میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ کانوں کی طرف جھکا کر بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں صدقہ ڈالتی تھیں پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بلال رضی اللہ عنہ گھر کو چلے آئے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید گاہ میں پہچان کے لیے نشان کھڑا کرنا جائز ہے کہ اصحاب نے اس کے

واسطے ایک نشان کھڑا کیا ہوا تھا اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور یہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر میرا قرب اور قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہوتا...... الخ سوا گران کے اس قول کا یہی معنی کیا جائے جو اس ترجمے میں کیا گیا ہے تو اس حدیث سے نابالغ لڑکے کا عیدگاہ کی طرف جانا ثابت نہیں ہو سکے گا حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اسی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت کیا ہے جیسا کہ تیسرے باب میں گزر چکا ہے پس مناسب یہی ہے کہ اس قول کا یہ معنی کیا جائے کہ اگر میری جگہ لڑکپن سے نہ ہوتی تو میں حاضر ہوتا یعنی اگر میں کم عمر نہ ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتوں میں نہ جاتا کہ بالغ جوان کو عورتوں میں جانا منع ہے۔

بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَآءَ يَوْمَ الْعِيْدِ.

عید کے دن امام کا عورتوں کو وعظ سنانا مستحب ہے۔

٩٢٥ ـ حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَطَآءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَآءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى يَدِ بِلَالٍ وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِيْ فِيْهِ النِّسَآءُ الصَّدَقَةَ قُلْتُ لِعَطَآءٍ زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِيْنَئِذٍ تُلْقِيْ فَتَخَهَا وَيُلْقِيْنَ قُلْتُ لِعَطَآءٍ أَتَرٰى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ ذٰلِكَ وَيُذَكِّرُهُنَّ قَالَ إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُوْنَهُ.

٩٢٥ ـ ترجمہ اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا باب المشي والركوب میں پہلے گزر چکا ہے اس میں اتنا مطلوب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو وعظ کیا اور خیرات کرنے کا حکم دیا سو وہ صدقہ ڈالنے لگیں ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ یہ صدقہ فطر تھا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں لیکن یہ اور صدقہ تھا کہ وہ اس وقت خیرات کرتی تھیں عورتیں اپنی انگوٹھیاں ڈالتی تھیں اور ہر قسم کا زیور پھینکتی تھیں پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

٩٢٦ ـ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يُصَلُّوْنَهَا

٩٢٦ ـ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر ہوا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اس میں حاضر ہوا وہ نماز کو خطبے سے پہلے پڑھتے تھے پھر نماز کے پیچھے خطبہ پڑھتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر چلے گئے گویا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں

قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِيْنَ يُجَلِّسُ بِيَدِهٖ ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتّٰى جَآءَ النِّسَآءَ مَعَهٗ بِلَالٌ فَقَالَ ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَ كَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ......غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ حِيْنَ فَرَغَ مِنْهَا اَنْتُنَّ عَلٰى ذٰلِكِ قَالَتِ امْرَاَةٌ وَاحِدَةٌ مِّنْهُنَّ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا نَعَمْ لَا يَدْرِيْ حَسَنٌ مَّنْ هِيَ قَالَ فَتَصَدَّقْنَ فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَآءٌ اَبِيْ وَاُمِّيْ فَيُلْقِيْنَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيْمَ فِيْ ثَوْبِ بِلَالٍ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ الْفَتَخُ الْخَوَاتِيْمُ الْعِظَامُ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ.

جب کہ آپ نے ہاتھ سے لوگوں کو بٹھایا پھر صفوں کو چیرتے آگے بڑھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے سو آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَ كَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ...... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی اے نبی! جب آئیں تیرے پاس مسلمان عورتیں اقرار کرنے کو اس پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد نہ ماریں اور بہتان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری بے حکمی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو ان سے اقرار کر اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے سو جب آپ اس آیت کے پڑھنے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم اس اقرار پر قائم ہو سو ان میں سے ایک عورت نے کہا (اس کے سوا اور کوئی نہ بولی) کہ ہم اس عہد پر قائم ہیں یعنی اور سب حیاء سے چپ رہیں فقط ایک نے کلام کی حسن (راوی) نہیں جانتا کہ وہ کون عورت تھی سو فرمایا کہ اگر تم اس اقرار پر قائم ہو تو خیرات کرو سو بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا بچھایا اور کہا کہ لاؤ یعنی اے عورتو! خیرات کو جمع کرو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں سو وہ بڑی اور چھوٹی انگوٹھیوں کو بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں عبدالرزاق (راوی) نے کہا کہ فتخ بڑی انگوٹھیوں کو کہتے ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں تھیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحب ہے کہ عید کے دن امام عورتوں کو وعظ سنائے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور یہ جو راوی نے کہا کہ آپ نے ہاتھ سے لوگوں کو بٹھایا تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ خطبے سے فارغ ہو کر عورتوں کی طرف چلے تو لوگ اٹھنے لگے اس غرض سے کہ اپنے گھروں کو جائیں یا حضرت ﷺ کے ساتھ عورتوں کے پاس جائیں سو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو جب تک کہ میں فارغ ہو کر آؤں اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو عیدگاہ کی طرف نکلنا جائز ہے اور ان کو صدقے کی رغبت دینی

مستحب ہے اور یہ کہنا جائز ہے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اور یہ کہ خاوند کے مال سے بلا اجازت خیرات کرنی جائز ہے اور یہ کہ صدقہ عذاب کو دفع کر دیتا ہے اور یہ کہ محتاجوں کے واسطے مالداروں سے صدقہ طلب کرنا جائز ہے۔

بَابُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيْدِ.

اگر عید کے دن کسی عورت کے پاس پہننے کی چادر نہ ہو تو ساتھ والی عورت اس کو اپنی چادر پہنا دے۔

٩٢٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ جَوَارِيَنَا أَنْ يَّخْرُجْنَ يَوْمَ الْعِيْدِ فَجَآءَ تِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ فَأَتَيْتُهَا فَحَدَّثَتْ أَنَّ زَوْجَ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِيْ سِتِّ غَزَوَاتٍ فَقَالَتْ فَكُنَّا نَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى وَنُدَاوِى الْكَلْمٰى فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَعَلٰى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَّهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَّا تَخْرُجَ فَقَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ حَفْصَةُ فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أَتَيْتُهَا فَسَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ فِيْ كَذَا وَكَذَا قَالَتْ نَعَمْ بِأَبِيْ وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِيْ قَالَ لِيَخْرُجَ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ أَوْ قَالَ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ شَكَّ أَيُّوْبُ وَالْحُيَّضُ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ

٩٢٧۔ حضرت حفصہ بنت سیرین سے روایت ہے کہ ہم اپنی جوان لڑکیوں کو عید کے دن باہر نکلنے سے منع کیا کرتے تھے سو ایک عورت آئی اور بنی خلف کے محل (بصرہ میں ایک جگہ کا نام ہے) میں اتری سو میں اس کے پاس گئی سو اُس نے کہا کہ میرے بہنوئی نے حضرت ﷺ کے ہمراہ کافروں سے بارہ جنگیں لڑی ہیں اور چھ لڑائیوں میں میری بہن بھی اس کے ہمراہ تھی سو اس کی بہن نے کہا کہ ہم بیماروں کی خبر گیری اور زخمیوں کو دوائی دیا کرتی تھیں سو اُس نے عرض کیا کہ یا حضرت! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو کیا اس کو عید گاہ کی طرف نہ نکلنے میں گناہ ہے؟ فرمایا چاہیے کہ اس کے ساتھ والی اس کو اپنی چادر پہنا دے یعنی اگر اس کے پاس کوئی چادر فاضلہ موجود ہو تو وہ اس کو بطورِ عاریۃً کے دے دے ورنہ جو چادر پہنی ہو اسی سے ایک کنارہ اس پر ڈال دے اور دونوں مل کر عید گاہ میں جائیں سو نیکی کی مجلس اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں ۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب ام عطیہ رضی اللہ عنہا آئی تو میں اس کے پاس گئی اور اس سے پوچھا کہ کیا تو نے حضرت ﷺ سے ایسا ایسا سنا ہے؟ یعنی عورتوں کا عید گاہ میں نکلنا اس نے کہا ہاں میں نے حضرت ﷺ سے سنا ہے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اورام عطیہ رضی اللہ عنہا جب حضرت ﷺ کو یاد کرتی تو یہ کلمہ کہتی آپ نے فرمایا چاہیے کہ

الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهَا الْحُيَّضُ قَالَتْ نَعَمْ أَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ عَرَفَاتٍ وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا.

باہر آئیں جوان لڑکیاں اور پردہ نشین اور حیض والیاں لیکن حیض والیاں عید گاہ سے کنارے رہیں اور نیکی کی مجلس اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا حیض والیاں بھی باہر آئیں اُس نے کہا کہ ہاں کیا وہ عرفات اور ایسی ایسی جگہ یعنی مزدلفہ اور رمی جمار وغیرہ میں حاضر نہیں ہوتی ہیں یعنی جیسا کہ عرفات وغیرہ حج کی جگہوں میں ان کو جانا جائز ہے ویسا ہی ان کو عید گاہ میں بھی آنا جائز ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کے پاس عید میں جانے کے واسطے چادر نہ ہو تو اس کے ساتھ والی اس کو اپنی چادر پہنا دے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے مبالغہ ہے یعنی ہر حال میں عورتیں عید گاہ کی طرف نکلیں اگرچہ دو دو ایک چادر میں ہوں۔

بَابُ اِعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلّٰى. حیض والی عورتیں عید گاہ سے کنارے رہیں۔

فائدہ: یہ مسئلہ پہلی حدیث کے ضمن میں آچکا ہے لیکن زیادہ اہتمام کے واسطے اس کا علیحدہ باب باندھا۔

٩٢٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أُمِرْنَا أَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ قَالَ ابْنُ عَوْنٍ أَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ.

٩٢٨ـ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم کو حکم ہوا عید کے دن باہر نکلنے کا سو ہم باہر نکالتی تھیں حیض والیوں کو اور جوان لڑکیوں کو اور پردہ نشینوں کو سو حیض والیاں تو نیکی کی مجلس اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوئیں لیکن عید گاہ سے کنارے رہیں۔

فائدہ: مناسبت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور یہ نہی تنزیہی ہے اس لیے کہ عید گاہ مسجد نہیں اور بعض نے کہا کہ اس میں ٹھہرنا حرام ہے لیکن پہلی بات ٹھیک ہے سو عورتیں عید گاہ میں نمازیوں سے کنارے رہیں اور مسجد کے دروازے پر کھڑی رہیں کہ مسجد میں ان کو آنا حرام ہے اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ عورت کو اجنبی آدمی کو دواء دینی جائز ہے بشرطیکہ اس کے معالجے میں مباشر کی حاجت نہ پڑے اور اگر اس کی حاجت ہو تو فتنے سے امن ہو اور یہ کہ جوان اور پردہ نشین لڑکیوں کو واجب ہے کہ پردے میں رہیں باہر نہ نکلیں مگر

جس چیز میں ان کو اجازت ملی ہے اس میں جائز ہے اور یہ کہ حضرت ﷺ کے زمانے میں دستور تھا کہ کنواری اور جوان لڑکیاں پردے میں رہتی تھیں باہر نہ نکلتی تھیں پس اب اس زمانے میں ان کو پردے میں رہنا بطریق اولیٰ واجب ہے کہ اب زمانہ خراب ہوگیا اور یہ کہ عید کی نماز واجب ہے مگر یہ بات ٹھیک نہیں اس لیے کہ غیر مکلفوں کو بھی اس میں نکلنے کا حکم ہوا ہے پس معلوم ہوا کہ غرض اس سے بہت کثرت کے ساتھ جمع ہو کر شعائر اسلام ظاہر کرنا ہے اور تا کہ سب کو برکت شامل ہو اور یہ کہ عورت کو عید کے واسطے چادر تیار رکھنی جائز ہے اور یہ کہ دوسری سے عاریۃً کپڑا لے کر پہننا جائز ہے اور یہ کہ عیدوں میں سب عورتوں کا نکلنا مستحب ہے خواہ جوان ہوں خواہ نہ ہوں اور خواہ خوبصورت ہوں یا نہ ہوں اور اس میں سلف علماء کو اختلاف ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نکلنے کو واجب کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مستحب ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ خوبصورتوں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور طحاوی نے اس حکم کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے یعنی جوان لڑکیوں اور پردہ نشینوں اور حیض والیوں کو عید میں نکلنے کا حکم اول اسلام میں تھا جب کہ مسلمان کم تھے سو آپ نے عورتوں کو نکلنے کا حکم فرمایا تا کہ مسلمانوں کی بہت کثرت معلوم ہو اور دشمن دیکھ کر ڈر جائیں اور اب اس کی حاجت نہیں پس یہ حکم منسوخ ہوا۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ نسخ احتمال سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے واسطے کئی شرطیں ہیں جن کا بیان تیسرے پارے میں گزر چکا ہے پس جب تک مدعی نسخ ان شرطوں کو ثابت نہ کرے تب تک دعویٰ نسخ مردود ہے بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ حضرت ﷺ نے عورتوں کو وعظ سنایا اور وہ بھی اس وقت وہاں حاضر تھا اور کم عمر تھا اور یہ قصہ بعد فتح کے ہوا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے **فلیطلب المخالف منه مخرجا** اور نیز حضرت ﷺ نے حکم کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ مسلمانوں کی دعا اور جماعت میں حاضر ہو کر تبرک حاصل کریں اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ کے بعد بھی یہی فتویٰ دیا اور اس کی مخالفت کسی صحابی سے ثابت نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت ہے کہ اگر حضرت ﷺ عورتوں کا حال اب دیکھتے تو ان کو منع کر دیتے سو یہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض نہیں باوجودیکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول منع میں صریح نہیں **کما مر** اور یہ جو طحاوی نے کہا کہ تا کہ مسلمانوں کی کثرت دیکھ کر دشمن ڈر جائے تو یہ بھی محض وہم فاسد ہے کیونکہ لڑائی میں عورتوں سے مدد چاہنی اور ان سے لشکر کی بہتات طلب کرنی دلالت کرتی ہے اس پر کہ مسلمان ضعیف تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا پس بہتر یہ ہے کہ اس نکلنے کو خاص کیا جائے ساتھ اس عورت کے جس پر یا جس کے سبب سے فتنے کا خوف نہ ہو اور اس کے حاضر ہونے میں کوئی فساد پیدا نہ ہو اور راہوں اور مجلسوں میں مردوں سے نہ ملے اور مفصل بحث اس مسئلے کی اوپر گزر چکی ہے۔

بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلَّى.

بقرہ عید کے دن عید گاہ میں نحر اور قربانی کرنے کا بیان یعنی سنت ہے کہ نماز کے بعد قربانی کو عید گاہ میں حلال کرے

گھر میں آ کر نہ کرے کہ بدعت یا خلاف سنت ہے۔

فائدہ: نحر کہتے ہیں گلے میں برچھی مارنے کو اور اس طور سے اونٹ کو ذبح کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کرتے ہیں اور اس کے گلے میں نیچے کی طرف نیزہ مارتے ہیں پس اس سے خون بہتا ہے اور اونٹ زمین پر گر پڑتا ہے اور گائے اور بکری کو چھری سے ذبح کرتے ہیں اور اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن نحر افضل ہے اسی طرح بکری اور گائے کو بھی نحر کرنا سنت ہے لیکن افضل ذبح ہے اور اگر دونوں قربانیوں کو عید میں جمع کرے یعنی اونٹ کو نحر کرے اور گائے بکری کو ذبح کرے تو جب بھی جائز ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ امام کی قربانی سے پہلے کوئی ذبح نہ کرے لیکن اس پر اجماع ہے کہ اگر قربانی اپنے وقت میں ذبح ہو تو جائز ہے خواہ امام قربانی کرے یا نہ کرے اس لیے کہ مدار قربانی کے وقت پر ہے امام کے فعل پر نہیں۔

٩٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْحَرُ أَوْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلّٰى.

٩٢٩۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کو عیدگاہ میں ذبح کیا کرتے تھے یعنی اونٹ کو نحر کرتے یا گائے بکری کو ذبح کرتے۔

بَابُ كَلَامِ الْإِمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ وَإِذَا سُئِلَ الْإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ.

عید کے خطبے میں امام کو بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی کلام کرنی جائز ہے اور جب کوئی امام سے خطبے میں کچھ پوچھے تو امام کو اس کا جواب دینا جائز ہے۔

فائدہ: اس باب میں دو حکم ہیں پہلا حکم عام ہے اور دوسرا خاص اور شاید زیادہ اہتمام کے واسطے اس کو خاص کیا ہوگا۔

٩٣٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَتِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

٩٣٠۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بقرہ عید کے دن نماز کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا سو فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور ہماری طرح قربانی کرے سو وہ قربانی کو پہنچا اور اس کی قربانی ادا ہوئی اور جو نماز سے پہلے قربانی کرے تو وہ گوشت کی بکری ہے یعنی اس میں فقط گوشت کھانا حاصل ہوا ثواب نہیں سو ابو بردہ کھڑا ہوا اور عرض کی کہ یا حضرت! قسم ہے اللہ کی میں تو نماز کی طرف نکلنے سے پہلے قربانی کر چکا ہوں اور میں نے جانا کہ یہ کھانے پینے کا دن

وَاللّٰهِ لَقَدْ نَسَكْتُ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ فَتَعَجَّلْتُ وَأَكَلْتُ وَأَطْعَمْتُ أَهْلِيْ وَجِيْرَانِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ قَالَ فَإِنَّ عِنْدِيْ عَنَاقَ جَذَعَةٍ هِيَ خَيْرٌ مِّنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَهَلْ تَجْزِيْ عَنِّيْ قَالَ نَعَمْ وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

ہے سو میں نے قربانی کو جلدی ذبح کر ڈالا اور اس کا گوشت کھایا اور اپنے گھر والوں اور ہمسایوں کو کھلایا سو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ فقط گوشت کی بکری ہے اس میں قربانی کا ثواب نہیں سو اس نے عرض کی کہ میرے پاس سال سے کم کی ایک جوان بکری ہے البتہ وہ گوشت کی دو بکریوں سے افضل ہے سو کیا وہ قربانی میں میری طرف سے کافی ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن تیرے سوا کسی کو کافی نہیں۔

٩٣١ ۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ فَأَمَرَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَنْ يُّعِيْدَ ذَبْحَهٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِيْرَانٌ لِّيْ إِمَّا قَالَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَإِمَّا قَالَ بِهِمْ فَقْرٌ وَإِنِّيْ ذَبَحْتُ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَعِنْدِيْ عَنَاقٌ لِّيْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْهَا.

٩٣١۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے بقرہ عید کے دن نماز پڑھی پھر خطبہ پڑھا پھر حکم فرمایا کہ جو عید کی نماز سے پہلے قربانی کر چکا ہو تو چاہیے کہ پھر قربانی کرے سو انصار کا ایک مرد کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی کہ یا حضرت! میرے ہمسائے محتاج تھے یا کہا بھوکے تھے اور میں نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کی اور میرے پاس سال سے کم کی ایک بکری ہے جو مجھ کو دو بکریوں سے پیاری ہے یعنی بوجہ موٹی تازی ہونے اور قیمت زیادہ ہونے کے سو حضرت ﷺ نے اس کو اس کی اجازت دی۔

٩٣٢ ۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ.

٩٣٢۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے بقرہ عید کے دن نماز پڑھی پھر آپ نے خطبہ پڑھا پھر قربانی ذبح کی اور فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کی ہو تو چاہیے کہ وہ اس کے بدلے دوسری قربانی ذبح کرے اور جس نے قربانی ذبح نہ کی ہو تو چاہیے کہ اللہ کے نام سے ذبح کرے۔

فائدہ: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عید کے خطبہ میں امام کو بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی کلام کرنی جائز ہے کہ حضرت ﷺ نے خطبہ میں ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے کلام کی اور ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بھی خطبے ہی میں آپ ﷺ سے پوچھا لیکن

عطاء اور نخعی وغیرہ سے اس کی ممانعت مروی ہے۔

بَابُ مَنْ خَالَفَ الطَّرِيْقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيْدِ.

جب عید کے دن عید کی نماز پڑھ کر گھر کو پلٹے تو دوسری راہ سے آئے یعنی جس راہ سے عید گاہ کو جائے اس راہ سے نہ آئے بلکہ کسی دوسری راہ سے آئے۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک یہ امر مستحب ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک راہ سے جائے اور دوسری راہ سے آئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم نے اماموں کو اس پر پایا کہ ایک راہ سے جاتے تھے اور دوسری راہ سے آتے تھے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو مستحب کہتے ہیں لیکن اس کے ترک میں ان کے نزدیک کچھ گناہ نہیں اور ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم امام کے حق میں اس کو مستحب کہتے ہیں اور یہی قول ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا لیکن کتاب الام میں امام اور مقتدی دونوں کے حق میں مستحب لکھا ہے اور ساتھ عموم کے قائل ہیں اکثر اہل علم اور بعض کہتے ہیں کہ جس علت کی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا تھا اگر وہ علت باقی ہے تو یہ حکم بھی باقی ہے ورنہ نہیں لیکن کوئی علت یہاں معین نہیں بلکہ جو علتیں کہ لوگوں نے بیان کی ہیں وہ سب احتمالات ہیں علت کو ان میں حصر کرنے کی کوئی دلیل نہیں باوجودیکہ بعض احتمال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں پس بہتر یہ ہے کہ اس حکم کو علت پر موقوف نہ رکھا جائے اور اتباع سنت کا حکم کیا جائے اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ حکم باقی ہے اگرچہ علت اس کی باقی نہ رہے جیسا کہ رمل وغیرہ میں علت باقی نہیں اور حکم باقی ہے۔

٩٣٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ تُمَيْلَةَ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ تَابَعَهُ يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ فُلَيْحٍ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ عَنْ فُلَيْحٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَحَدِيْثُ جَابِرٍ أَصَحُّ.

٩٣٣۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھنے کو جاتے تو راہ میں مخالفت کرتے تھے یعنی ایک راہ سے جاتے تھے اور دوسری راہ سے آتے تھے۔

فائدہ: علماء نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی بہت علتیں بیان کی ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم راہ میں اس واسطے مخالفت کرتے تھے کہ دونوں راہ آپ کی عبادت کی شہادت دیں یا جو جن اور آدمی دونوں راہ میں رہتے ہیں وہ

آپ کی گواہی دیں یا دونوں راہ کو برابر فضیلت اور تبرک حاصل ہو یا اس راہ سے مشک کی خوشبو آئے اس لیے کہ یہ بات لوگوں میں مشہور تھی کہ آپ جس راہ سے جاتے ہیں اس راہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے یا دونوں رہ میں نشانی اسلام کی ہے یا اللہ کا ذکر ظاہر ہو یا اس واسطے کہ یہود اور نصاریٰ جلیں اور یا کثرت مسلمانوں کی دیکھ کر ڈر جائیں اور یا اس واسطے کہ دونوں راہ کے لوگوں کو خوشی اور تبرک حاصل ہو اور آپ کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوں اور مسئلہ پوچھنے اور علم سیکھنے اور اقتداء کرنے اور صدقہ دینے اور سلام کہنے وغیرہ حاجتوں میں آپ سے فائدہ مند ہوں اور یا اس واسطے کہ دونوں راہ میں فرشتے کھڑے رہتے تھے سو آپ نے چاہا کہ وہ آپ کی شہادت دیں اور بعض نے کہا کہ حضرت ﷺ نے ان سب علتوں کے واسطے یہ کام کیا یعنی آپ کے فعل مبارک کو کسی علت معین میں حصر کرنا مناسب نہیں بلکہ آپ کا فعل ان سب بہتر چیزوں کو شامل ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ. جب کوئی آدمی عید کی نماز امام کے ساتھ نہ پائے تو دو رکعتیں پڑھ لے۔

فائدہ: اس باب میں دو مسئلوں کا بیان ہے ایک یہ کہ عید کی نماز کو قضا کر کے پڑھنی درست ہے خواہ اختیار سے قضا ہو یا اضطرار سے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عید کی قضا بھی اصل کی طرح دو ہی رکعتیں ہے کم وبیش نہیں اور اس مسئلے میں علماء کو اختلاف ہے سو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں اور مزنی وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ عید کی نماز کی قضا نہیں اور امام ثوری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر تنہا قضا کرے تو دو رکعت کے بدلے چار پڑھے اور یہی ہے مذہب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو ہی رکعتیں پڑھے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عید کی قضا نہیں اس لیے کہ جمعہ کی طرح بغیر وجود شرائط کے عید بھی درست نہیں ہے پس جیسے کہ تنہا جمعہ جائز نہیں ہے ویسے ہی تنہا عید بھی درست نہیں اور فتح الباری میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خواہ قضا کرے یا نہ کرے خواہ چار پڑھے خواہ دو۔

وَكَذٰلِكَ النِّسَآءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوْتِ وَالْقُرٰى لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا عِيْدُنَا يَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ. اور اسی طرح عورتیں بھی عید کی نماز پڑھیں اور جو گھروں اور گاؤں میں رہتا ہے وہ بھی عید کی نماز پڑھے واسطے اس حدیث کے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہماری عید ہے اے مسلمانو!۔

فائدہ: یعنی حضرت ﷺ نے اس دن کو سب مسلمانوں کی عید ٹھہرایا ہے کسی کو خاص نہیں کیا پس عموم اس حدیث کا کل افراد مسلمانوں کو شامل ہوگا خواہ مرد ہو یا عورت خواہ شہر میں رہتا ہو یا دیہات میں بستا ہو یا گھروں میں رہتا ہو اور خواہ کوئی امام کے ساتھ نماز پائے یا نہ پائے پس وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہوگئی۔

وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُ ابْنَ أَبِي عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيهِ وَصَلَّى كَصَلَاةِ أَهْلِ الْمِصْرِ وَتَكْبِيرِهِمْ.

اور انس رضی اللہ عنہ نے زاویہ میں اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو حکم دیا لوگوں کے جمع کرنے کا سو اس نے اس کے گھر کے لوگوں اور چھوٹے بچوں کو جمع کیا اور شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور ان کی طرح تکبیر کہی۔

فائدہ: زاویہ ایک جگہ کا نام ہے چھ میل بصرے سے انس رضی اللہ عنہ کا گھر وہیں تھا وہ اکثر اوقات جمعہ اور عید کی نماز اسی جگہ پڑھا کرتے تھے بیہقی نے روایت کی ہے کہ جب انس رضی اللہ عنہ سے عید کی نماز امام کے ساتھ فوت ہو جاتی تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے عید کی نماز جماعت سے پڑھتے پس اس سے معلوم ہوا کہ دیہات اور گھروں میں عید پڑھنی جائز ہے اور ایسے ہی عورتوں کو بھی جائز ہے۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ أَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُونَ فِي الْعِيدِ يُصَلُّونَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ.

اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شہر کے گرد رہنے والے عید کے دن جمع ہوں اور دو رکعتیں نماز پڑھیں جیسے کہ امام پڑھتا ہے۔

فائدہ: اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ دیہات میں رہنے والے عید کی نماز پڑھیں پس مطابقت اس قول کی اخیر ترجمے سے ثابت ہے اور اس قول عکرمہ رحمہ اللہ کو ترغیب پر محمول کرنا کہ دیہات والے شہر میں آ کر امام کے ساتھ عید پڑھیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ مخالف کے نزدیک تو گنہگاروں کے حق میں عید نماز کی ادا صحیح نہیں پھر شہر میں آ کر ان کو عید پڑھنا کیسے صحیح ہوگا؟۔

وَقَالَ عَطَآءٌ إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

اور عطاء رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر عید کی نماز فوت ہو جائے تو دو رکعت تنہا پڑھے۔

فائدہ: اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر عید کی نماز قضا ہو جائے تو اس کے بدلے میں دو ہی رکعت پڑھے بس ان اثروں سے باب کے کل مسئلے ثابت ہو گئے۔

٩٣٤ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ

٩٣٤۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ پر داخل ہوئے اور میرے پاس دو چھوٹی لڑکیاں دف بجا کر گاتی تھیں منیٰ کے دنوں میں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے لیٹے تھے سو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو ڈانٹا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کھول کر فرمایا کہ ان کو چھوڑ دے کہ یہ عید کے دن ہیں اور وہ دن منیٰ کے تھے یعنی تشریق کے دن تھے

فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيْدٍ وَّتِلْكَ الْأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُمْ أَمْنًا بَنِيْ أَرْفِدَةَ يَعْنِيْ مِنَ الْأَمْنِ.

کہ ان میں حاجی کنکر مارنے کے واسطے منیٰ میں ٹھہرتے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے حضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھ کو چادر سے چھپائے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھتی تھی اور وہ مسجد میں برچھیوں سے کھیلتے تھے سو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا سو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دے ازروئے امن کے اے ارفدہ کی اولاد! نہ ڈرو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا امناً امن سے مشتق ہے یعنی ان کو چھوڑ دے اس واسطے کے ہم نے ان کو امن میں دیا ہے اس حال میں کہ یہ ارفدہ کی اولاد ہیں یا امنا بنی ارفدہ علیحدہ کلام ہے یعنی کھیلو امن سے اور نہ ڈرو اے ارفدہ کی اولاد! یا یہ کہ امنا امن سے مشتق ہے جو خوف کی ضد ہے امان سے مشتق نہیں جو کفار کو دی جاتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے بعض طریقوں میں یہ لفظ آیا ہے **هٰذَا عِيْدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ** اور اہل اسلام کا لفظ سب مسلمانوں کو شامل ہے خواہ اکیلے اکیلے ہوں خواہ جماعت سے ہوں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے پس دوسرا مسئلہ باب کا اس حدیث سے ثابت ہو گیا اور چونکہ حضرت ﷺ نے منیٰ کے دنوں کو عید کے دن کہا اور عید کے دن کے واسطے یہ نماز شروع ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز ان سب دنوں میں ادا ہو جاتی ہے پس اگر پہلے دن قضا ہو جائے تو دوسرے یا تیسرے دن بھی پڑھ لینی صحیح ہے اور اس کو قضا کہنا بہ نسبت پہلے دن کے ہے ورنہ دراصل قضا نہیں بلکہ ادا ہے اپنے وقت میں واقع ہوتی ہے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کی نماز اور جمعہ گاؤں میں صحیح نہیں سو یہ قول علی رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کے عموم کے مخالف ہے **فلا يحتج به عند وجود السنة الصحيحة۔**

بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيْدِ وَبَعْدَهَا.

عید کی نماز کے پہلے اور پیچھے نفل پڑھنے کا بیان یعنی مکروہ ہیں۔

فائدہ: شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس مسئلے میں علماء سلف کو اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اوزاعی اور کوفیوں کے نزدیک عید سے پہلے نفل پڑھنے مکروہ ہیں پیچھے نہیں اور بصرے کے علماء کہتے ہیں کہ عید سے پہلے جائز ہیں پیچھے نہیں اور یہی مذہب ہے حسن بصری اور ایک جماعت کا اور مدینے کے علماء کہتے ہیں کہ عید سے پہلے

کوئی نماز پڑھے اور نہ اس سے پیچھے پڑھے اور ساتھ اسی کے قائل ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریج اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عید گاہ میں نفل پڑھنے منع ہیں اور مسجد میں ان کے دو قول ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امام کو نہ پہلے نفل پڑھنے جائز ہیں اور نہ پیچھے اور مقتدی کو جائز ہیں اور بعض نے امام کے عدم جواز کو عید گاہ کے ساتھ قید کیا ہے یعنی گھر میں امام کو بھی جائز ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ امام عید گاہ میں نفل نہ پڑھے سو جو ان کو جائز کہتا ہے وہ اس وجہ سے کہتا ہے کہ وہ مطلق نماز کا وقت ہے اور جو منع کرتا ہے تو اس وجہ سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں پڑھا سو جس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اس نے راہ پائی پس حاصل یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے اور پیچھے سنتیں ثابت نہیں اور مطلق نفل کی ممانعت کسی دلیل سے ثابت نہیں بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو یعنی عین دوپہر اور طلوع یا غروب کا وقت نہ ہو۔

وَقَالَ أَبُو الْمُعَلّٰى سَمِعْتُ سَعِيْدًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَرِهَ الصَّلَاةَ قَبْلَ الْعِيْدِ.

اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اُس نے عید سے پہلے نماز پڑھنے کو مکروہ جانا۔

فائدہ: اس حدیث سے پہلا مسئلہ باب کا ثابت ہوا۔

٩٣٥ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَمَعَهٗ بِلَالٌ.

٨٣٥ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف نکلے سو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں ان سے پہلے اور پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز سے پہلے اور پیچھے نفل پڑھنے منع ہیں اس سے پہلے اور پیچھے کوئی نماز نہ پڑھے اور یہی مذہب ہے ایک جماعت صحابہ اور تابعین کا ترمذی نے کہا کہ یہی قول صحیح ہے۔

❀......❀......❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبْوَابُ الْوِتْرِ — نماز وتر کے ابواب

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْوِتْرِ. — وتر کی نماز کا بیان۔

فائدہ: وتر میں کئی وجہ سے اختلاف ہے اول اس کے حکم میں اختلاف ہے سو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر واجب ہیں اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو سنن میں مروی ہے کہ اللہ نے تمہارے واسطے ایک نماز زیادہ کی ہے یعنی نماز پنجگانہ پر پس پڑھو اس کو درمیان عشاء اور طلوع صبح صادق کے اور نیز ان کے قضا کرنے کا حکم آیا ہے جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وتر سے سو جائے یا بھول جائے تو چاہیے کہ پڑھے جب کہ اس کو یاد آئے حاکم نے کہا اسناد اس کی شرط شیخین پر ہے اور نیز ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر حق ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے انکار سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ خبر واحد سے ثابت ہیں لیکن فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث وجوب میں صریح نہیں اور اسی قسم کی ایک حدیث امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اسی طرح الوتر حق کی حدیث بھی ضعیف ہے کہ ان کی سند میں ابو المنیب ضعیف راوی ہے اور برتقدیر ثبوت مدعی پر اس کا ثابت کرنا لازم ہے کہ حق کا معنی واجب کا ہے اور واجب اس کو کہتے ہیں جو خبر واحد سے ثابت ہو اور وتر کو قضا کر کے پڑھنے میں کوئی حدیث ثابت نہیں کما سیاتی اور نیز قضا وجوب کو مستلزم نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پہلی سنتیں عصر کے بعد قضا کر کے پڑھیں حالانکہ وہ بالاجماع واجب نہیں اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ کہتے ہیں کہ وتر سنت ہیں واجب نہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ پس اگر وتر واجب ہوتے تو درمیانی نماز ثابت نہ ہوتی اور نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف عامل کر کے بھیجا تو فرمایا کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگلی آدمی کو فرمایا کہ سوائے نماز پنجگانہ کے اور کوئی فرض نہیں اور حنفیہ ان دلیلوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وتر عشاء کے تابع ہیں اور نیز اعرابی کی حدیث میں حج کا ذکر نہیں اور نیز وتروں کا جواب آیت سے پیچھے ثابت ہوا ہے لیکن ان جوابوں سے وتروں کا فرض ہونا لازم آئے گا حالانکہ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔

اور دوسرا عدد میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ یعنی جب رات کے وقت چار یا چھ یا آٹھ یا دس رکعت نفل پڑھنے کے بعد اس کے وتر پڑھنے لگے تو تین رکعت جوڑ کر

پڑھے اس سے کم وبیش نہ کرے اور یہی مروی ہے بعض صحابہ اور تابعین سے اور یہی قول ہے فقہاء سبعہ کا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور جمہور علماء کے نزدیک وتر فقط ایک رکعت ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے پھر ایک رکعت علیحدہ پڑھے اور یہی مذہب ہے اکثر صحابہ اور تابعین کا عراقی نے کہا کہ جو لوگ فقط ایک ہی رکعت وتر پڑھتے تھے یہ ہیں خلفاء اربعہ اور سعد بن ابی وقاص اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور ابوموسیٰ اشعری اور ابودرداء اور حذیفہ اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر اور ابن عباس اور معاویہ اور تمیم داری اور ابوایوب انصاری اور ابوہریرہ اور فضالہ بن عبید اور عبداللہ بن زبیر اور معاذ بن حارث اور سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور عبداللہ بن عیاش اور حسن بصری اور ابن سیرین اور عطاء اور عقبہ اور زید اور نافع اور جابر بن زید اور زہری اور ربیعہ وغیرہ اور امام اوزاعی اور اسحاق اور ابوثور اور داؤد بن حزم رحمۃ اللہ علیہم انتہی کذا فی نیل الاوطار. اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ فقط ایک رکعت وتر پڑھنا صحیح ہے اور یہی ہے مذہب ہمارا اور جمہور کا انتہی۔ اور نیز جمہور علماء کے نزدیک وتر کا کوئی عدد معین نہیں بلکہ خواہ ایک رکعت پڑھے خواہ تین پڑھے خواہ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ یا تیرہ پڑھے اور خواہ ان سب اعداد کو ایک سلام سے پڑھے یا کئی سلاموں کے ساتھ پڑھے ہر طور سے جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے کذا قالہ النووی جمعا بین الاحادیث اور اگر کبھی فقط تین ہی وتر پڑھے تو اس طور سے پڑھے کہ پہلی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے پھر اٹھ کر ایک رکعت علیحدہ پڑھے اور اگر تینوں کو جوڑ کر پڑھے تو ان کے درمیان التحیات نہ پڑھے اخیر رکعت میں فقط ایک التحیات بیٹھ کر سلام پھیرے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ تین رکعت وتر معین ہیں نہ اس سے کم کرے اور نہ زیادہ پڑھے اور کہتے ہیں کہ تین وتروں کو دو التحیات سے پڑھے پہلی دو رکعت کے بعد التحیات پڑھ کر کھڑا ہو پھر اخیر التحیات پڑھ کر سلام پھیرے لیکن یہ قول حنفیہ کا صحیح حدیثوں کے صریح مخالف ہے اور جمہور علماء کے دلائل اس مسئلے میں بہت ہیں پہلی دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء اور فجر کے درمیان گیارہ رکعتیں نفل پڑھا کرتے تھے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے پھر ایک رکعت کے ساتھ وتر کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ کان یصلی عشر رکعات ویوتر بسجدۃ یعنی دس رکعتیں نفل پڑھتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ تیرہ رکعت نفل پڑھتے ان میں سے پانچ رکعتوں کے ساتھ وتر کرتے نہ بیٹھتے مگر ان کے اخیر میں اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے آٹھ رکعتیں پڑھتے پھر وتر پڑھتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پس یہ حدیث صریح ہے اس باب میں کہ وتر ایک رکعت بھی جائز ہے اور پانچ بھی جائز ہیں اس لیے کہ پہلی روایت میں لفظ کل رکعتین صریحا موجود ہے کہ آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے پس اخیر رکعت سے پہلے دو رکعتیں بھی اس میں داخل ہیں سو یہ نص ہے اس میں کہ وتر فقط ایک رکعت بھی جائز ہے ورنہ کل رکعتین کہنا بالکل صحیح نہ ہوگا اور نیز اگر دو رکعت کے

ساتھ ملا کر پڑھنا فرض کیا جائے تو پھر اسی طرح چار یا چھ رکعتوں کے ساتھ ملانا بھی ممکن ہے اور یہ حنفیہ کے مخالف ہے اور طحاوی نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ آپ نے ایک رکعت پہلے دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی اس لیے کہ بتیرا (یعنی ایک رکعت پوری نہ پڑھے) نماز کی ممانعت آ چکی ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ احتمال ہے کہ مراد بتیرہ سے وہ اکیلی رکعت ہے جس کے پہلے کوئی نماز نہ ہو اور وہ عام ہے خواہ وصل کے ساتھ ہو اور خواہ فصل کے ساتھ پس جس کے پہلے فصلی نماز ہوگی وہ بتیرا نہ ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ فصل پہلی دو رکعتوں کو وتر ہونے سے نکال دیتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ وہ نیت سے اس میں داخل ہے اور نیز اس صورت میں چاہیے کہ گیارہ رکعتوں کو بھی ملا کر پڑھے تاکہ فصل ان کو وتر ہونے سے نہ نکال دے اور اسی طرح دوسری روایت میں بھی تین رکعت وتر مراد رکھنے ممکن نہیں اس لیے کہ اگر تین وتر مراد ہوتے تو یوں کہا جاتا و یوتر بثلاث یعنی تین وتر پڑھتے تھے جیسا کہ دوسری حدیث میں کہا ہے اور نیز چونکہ دس رکعتوں کو ایک لفظ میں جمع کر دیا تو گیارہ رکعتوں کو بھی ایک لفظ سے بیان کرنا ممکن تھا یعنی احد عشر رکعات کہا جاتا ہے اس لیے کہ جو احتمال اس میں پیدا ہوتا ہے وہ پہلے لفظ میں بھی موجود ہے اور نیز یہ لفظ اس سے مختصر ہے اور بلاغت کے موافق ہے اور نیز اگر اخیر رکعت پہلی دو کے ساتھ ملا کر پڑھنا فرض کیا جائے تو پھر اسی طرح چار یا چھ وغیرہ رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا احتمال بھی باقی ہے حالانکہ وہ حنفیہ کے بالکل مخالف ہے اور اسی طرح تیسری روایت میں بھی پانچ رکعت کے وتر ہونے میں ایسی صریح ہے کہ تاویل کی اس میں مطلق گنجائش نہیں پس معلوم ہوا کہ تین وتر سے زیادہ اور کم وتر پڑھنے بھی جائز نہیں اور دوسری دلیل جمہور کی یہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ثمّ صلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر اس حدیث میں بھی تین وتر ایک سلام سے مراد لینے ممکن نہیں اس لیے کہ اگر تین وتر مراد ہوتے تو ثم رکعتین ثم اوتر کے بدلے ثم اوتر بثلاث کہا جاتا پس اس صورت میں یہ کلام بالکل لغو ہو جائے گی چہ جائیکہ بلاغت کے موافق ہو اور نیز اس میں ہر دو رکعت کے بعد ثم کا لفظ واقع ہوا ہے پس اگر اس میں ایک ثم سے اتصال مراد لیا جائے تو پھر سب میں اتصال ہی مراد رکھا جائے گا پس اب معنی اس حدیث کا یہ ہو جائے گا کہ تیرہ رکعت کو ایک سلام سے پڑھا حالانکہ یہ معنی اس حدیث کا بالا جماع نہیں اور نیز ثم تراخی اور مہلت پر دلالت کرتا ہے پس اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آپ نے ایک رکعت وتر علیحدہ پڑھے پس ثابت ہوا کہ فقط ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور تیسری دلیل جمہور کی یہ حدیث ہے جو بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہے سو جب کوئی فجر ہو جانے کا خوف کرے تو صلی رکعة واحدة یعنی فقط ایک رکعت وتر پڑھے کہ وہ طاق کر دے گی اس نماز کو جو پہلے پڑھ چکا ہے سو اس حدیث میں بھی تین رکعت وتر مراد لینے صحیح نہیں اس لیے کہ اگر تین وتر مراد ہوتے تو اوتر بثلاث کہا جاتا اور اس صورت میں صلی رکعة واحدة کہنا بالکل لغو ہے اور

نیز اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ رکعت پہلی سب نماز کو وتر کر دے گی سو اگر تین رکعت ہی وتر کے ہوتے تو پھر سب نماز کو وتر کر دینے کا کیا معنی ہوا اور اگر سب نماز کو وتر کہنا صحیح ہے تو پھر فقط تین رکعت وتر کی تعیین کا کیا معنی ہوا پس ثابت ہوا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے اور چوتھی دلیل جمہور کی یہ حدیث ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری میں روایت ہے کہ وہ دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ اپنے کسی کام کا حکم کرتے اور اس سے زیادہ تر صریح یہ حدیث ہے جو طحاوی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اُس نے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیری پھر اپنے غلام سے کہا کہ کوچ کر پھر کھڑے ہوئے اور فقط ایک رکعت پڑھی یعنی تین رکعت کو دو سلام سے پڑھا پھر خبر دی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے اور اسناد اس کی قوی ہے پس ثابت ہوا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا جائز ہے فتح الباری میں لکھا ہے کہ طحاوی نے اس حدیث میں سلام سے وہ سلام مراد لیا ہے جو التحیات میں **السلام علیك ایها النبی** کہا جاتا ہے اور اس تاویل کا بعید از عقل ہونا ظاہر ہے۔ پانچویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ حاکم اور محمد بن نصر وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین وتر نہ پڑھو مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو اور اسناد اس کی شیخین کی شرط پر ہے اور صحیح کہا ہے اس کو حاکم اور عراقی وغیرہ نے اور چھٹی دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وتر سات ہیں یا پانچ ہیں اور میں تین بتیرا کو مکروہ رکھتی ہوں اور کہا عراقی نے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ساتویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وتر سات ہیں یا پانچ ہیں اور میں تین بتیرا درست نہیں رکھتا۔ اور آٹھویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو میمونہ رضی اللہ عنہا سے نسائی میں روایت ہے کہ وتر سات ہیں یا پانچ ہیں تین نہیں۔ اور نویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ نسائی نے سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی نے اس سے تین وتر پڑھنے کا سوال کیا سو اس نے تین وتر کو مکروہ جانا اور کہا کہ نفلوں کو فرضوں کے مشابہ نہ کرو۔ اور دسویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ ابوداؤد اور نسائی میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر حق ہیں سو جو کوئی چاہے پانچ پڑھے اور جو کوئی چاہے تین پڑھے اور جو چاہے ایک پڑھے اور صحیح کہا ہے اس کو ابن حبان اور حاکم نے پس اس حدیث میں بھی تاویل کی مطلق گنجائش نہیں کہ تین عدد آپس میں ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں اور اگر کوئی کہے کہ اس میں تین وتر کا بھی ثبوت موجود ہے تو اس کا جواب آئندہ آئے گا، **فانتظرہ**۔ اور گیارہویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے فقط ایک رکعت وتر پڑھے اس کے سوا اور کچھ نہ پڑھا **اخرجه محمد بن نصر** وغیرہ **باسناد صحیح**۔ اور بارہویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ کتاب المغازی میں آئندہ آئے گی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے فقط ایک رکعت وتر پڑھی۔ اور تیرہویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ مناقب میں آئندہ آئے گی کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے فقط ایک رکعت وتر پڑھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو صواب کہا۔ اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس میں رد ہے ابن تین پر کہ

فقہا نے معاویہ کے فعل پر عمل نہیں کیا۔ اور چودھویں دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعت وتر پڑھتے تھے یعنی پہلے آٹھ رکعتیں پڑھتے اور التحیات بیٹھتے مگر آٹھویں پر التحیات پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھ کر التحیات بیٹھتے اور سلام پھیرتے اور جب آپ کا بدن بھاری ہوگیا تو سات وتر ایک سلام سے پڑھتے۔ اور پندرھویں دلیل یہ ہے جو کہ قاسم سے بخاری میں روایت ہے کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالی تب سے ہم نے لوگوں کو تین وتر پڑھتے پایا اور تحقیق وتر ہر طور سے جائز ہیں یعنی خواہ ایک رکعت پڑھے اور خواہ تین رکعت پڑھے خواہ زیادہ پڑھے کسی میں گناہ نہیں اور اسی قسم کی اور بھی بہت حدیثیں ہیں جو سنن وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تین وتر کی تعیین قطعا باطل ہے مختلف حالات میں مختلف طور سے پڑھا کرے اور حنفیہ جو تین وتر کو دو التحیات اور ایک سلام سے معین رکھتے ہیں تو وہ اس باب میں کئی دلائل پیش کرتے ہیں بڑی بھاری قوی دلیل ان کی یہ ہے کہ تین وتر موصول کے جائز ہونے پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور اس کے سوا اور عددوں میں اختلاف ہے پس اس کے ساتھ عمل کرنا بہتر ہے سو جواب اس کا کئی وجہ سے پہلی وجہ یہ ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے تین وتر کا ناجائز ہونا ثابت ہو چکا ہے، کما مر اور بہت احادیث صحیحہ سے بھی ان کی ممانعت آچکی ہے پس دعویٰ اجماع باطل ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع کن لوگوں کا ہے اور کس زمانے میں ہوا اس بات کا پتہ دینا لازم ہے اور شروط اجماع کے بیان کرنے ضروری ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اجماع کے واسطے خبر احاد کی طرح سلسلہ سند کا ہونا ضروری ہے چنانچہ توضیح میں لکھا ہے **اما الناقل فما ذکرنا فی السنة** پس اب مدعی کو لازم ہے کہ اس اجماع کا سلسلہ سند بیان کرے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جو اجماع کہ بطریق احاد منقول ہو وہ اکثر اہل اصول کے نزدیک حجت نہیں چنانچہ منہاج اسنوی میں لکھا ہے **وذهب الاكثر الى انه ليس بحجة انتهىٰ**۔ پانچویں وجہ یہ کہ اس اجماع سے تین وتروں کا دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھنا ثابت نہیں ہوتا احتمال ہے کہ اجماع ان تین وتروں پر ہوا ہو جن میں فقط ایک ہی التحیات ہے اور نیز اس میں یہ بھی مذکور نہیں کہ وہ تین وتر دو سلام سے ہیں یا ایک سلام سے پس یہ بھی احتمال ہے کہ مجمع علیہ وتر دو سلام سے ہوں نہ ایک سلام سے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف فقط تعیین اور تخصیص میں ہے جواز میں نہیں پس اس اجماع سے تین وتر کی تعیین ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ یہ اجماع فقط جواز پر ہے وجوب پر نہیں پس غایت درجہ اس سے تین وتر کا جواز ثابت ہوگا اور یہ جواز اور عددوں کے جواز کو منع نہیں کر سکتا بلکہ غیر کے استحباب کو بھی منع نہیں کر سکتا۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اگر بفرض محال سب کو تسلیم کیا جائے تو فقط اس سے جواز ثابت ہوگا سو کہا جائے گا کہ کبھی کبھی بعض اوقات میں تین وتر بھی جائز ہیں غیر کی نفی اس سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی ہے اور بعض دشمن عقل و نقل کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو

اوپر گزر چکی ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھو...... الخ سو یہ حدیث اجماع کے مخالف ہے پس مردود ہوگی سو یہ قول ان بعض کا مردود ہے ان کے منہ پر اس واسطے کہ یہ خیالی اجماع باطل ہے اور مردود ہے پہلی سات وجہ سے جیسا کہ ابھی گزرا پس اس حدیث کو رد کرنا بناء فاسد علی الفاسد ہے اور نیز یہ محرم ہے اور اجماع سے فقط جواز ثابت ہوتا ہے اور وقت تعارض کے محرم کو ترجیح ہوتی ہے مبیح پر پس اس حدیث کو ترجیح ہوگی اور نیز تطبیق بھی ممکن ہے کہ مراد اس حدیث سے وہ وتر ہوں جس میں دو التحیات اور ایک سلام ہے اور مجمع علیہ وتر سے وہ وتر مراد ہوں جس میں فقط ایک ہی التحیات اور ایک ہی سلام ہے اور بعض متعصب کہتے ہیں کہ پانچ یا سات یا نو وغیرہ وتر پڑھنے پہلے اسلام میں تھے پھر بعد اس کے یہ حکم منسوخ ہوگیا اور تین وتر پر امر قرار پایا سو جواب اس کا یہ ہے کہ نسخ بغیر شرائط کے ثابت نہیں ہوسکتا ہے جیسا کہ بیان اس کا تیسرے پارے میں ہو چکا ہے پس مدعی نسخ کو لازم ہے کہ شرائط نسخ کے بیان کرے ورنہ بغیر اس کے دعویٰ نسخ زبان پر لانا ہرگز جائز نہیں اور نیز یہاں اصل ناسخ کا بھی کوئی پتہ نہیں محض کوئی فرضی ناسخ ہے جس کا وجود عالم امکان میں مفقود ہے پس مدعی پر اس کا بیان کرنا لازم ہے اور نیز مسلم میں روایت ہے کہ سعد بن ہشام نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وتر کا مسئلہ پوچھا سو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تمام روئے زمین کے لوگوں سے عائشہ رضی اللہ عنہا وتر کا حال بہت جانتی ہیں تو اس کے پاس جا سو سعد بن ہشام عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور اس سے وتر کا مسئلہ پوچھا سو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول عمر میں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور اخیر عمر میں جب آپ کا بدن بھاری ہوگیا تو نو رکعتیں پڑھا کرتے تھے پس یہ حدیث صریح ہے اس باب میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخیر عمر میں نو رکعتیں وتر پڑھتے تھے پھر تین وتر پر امر کب قرار پایا اور نیز اگر تین وتر پر امر قرار پا جاتا تو پھر عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو ضرور بیان کرتیں اور نیز جمہور صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقط ایک رکعت وتر پڑھتے رہے جیسا کہ مفصل طور سے اوپر مذکور ہو چکا ہے بلکہ تین وتر کا پڑھنا دو تین اصحاب کے سوا اور کسی سے ثابت نہیں اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ اور اسحاق اور اوزاعی اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ جمہور علماء اور مجتہدین کے نزدیک بھی ایک رکعت وتر پڑھنا جائز ہے پس اگر تین وتر پر امر قرار پا جاتا تو پھر جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین ایک رکعت کو جائز نہ رکھتے اور نیز اس امر مقرر پر مجتہدین کو اطلاع ہونی ضروری تھی کہ ناسخ اور منسوخ کو جاننا مجتہد ہونے کی شرط ہے پھر کیا اندھیرا ہے کہ جمہور صحابہ اور ائمہ مجتہدین کو اس کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہ ہوئی اور پھر وہ مجتہد کیسے بن گئے اور نیز جائز ہے کہ اس کے برعکس دعویٰ کیا جائے اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے برخلاف ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ ابھی گزرا پس یہ دعویٰ نسخ منعکس ہے مدعی پر فما ھو جوابکم فھو جوابنا اور نیز جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت وتر پڑھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو صواب جانا پس اگر تین وتر پر امر قرار پایا ہوتا تو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو صواب نہ کہتے اور بعض حنفی یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ فقط ایک رکعت پڑھنی کافی نہیں سو جواب اس کا

کئی وجہ سے ہے پہلی وجہ یہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے انہ لیس ثابت عنہ پس استدلال اس سے صحیح نہیں۔ دوسری وجہ اگر فرضاً ثابت بھی ہو تو اس کو فرضوں پر محمول کیا جائے گا اس واسطے کہ کہتے ہیں کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حالت خوف میں چار فرضوں کے بدلے فقط ایک رکعت کافی ہے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے رد کے واسطے یہ کلام کہی یعنی ایک رکعت کبھی کافی نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے اور چونکہ یہ قول صحیح ہے اور پہلا ضعیف ہے اس لیے اس کو ترجیح دی جائے گی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جمہور صحابہ اور تابعین وغیرہ سے ایک رکعت وتر کا جائز ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے پھر اتنے صحابہ کے مقابلے میں ایک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اور نیز جب کہ احادیث صحیحہ سے ایک وتر کا پڑھنا ثابت ہو چکا ہے کما مر تو پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول کس گنتی میں شمار ہے اور بعض حنفی تین وتر ہونے پر فقہاسبعہ کا قول جو نقل کرتے ہیں سو وہ بھی اس قدر احادیث اور اقوال صحابہ وغیرہ کے مقابلے میں قابل حجت نہیں۔ اور نیز اس کی اسناد میں عمرو بن عبید ہے اور شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے تخریج میں لکھا ہے کہ یہ راوی متروک ہے اس کے قول کا کچھ اعتبار نہیں اور جو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ او رابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ بعض اصحاب سے وتر کو مثل نماز مغرب کی ٹھہرانا منقول ہے تو وہ بھی ثابت نہیں پس مدعی کو لازم ہے کہ اس کی سند نقل کر کے توثیق بیان کرے اور اس کی صحت کو ثابت کرے اور نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک رکعت وتر کا پڑھنا بھی ثابت ہو چکا ہے کما مر پس ایک قول سے استدلال کرنا اور دوسرے کو ترک کرنا جائز نہیں اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو تین وتر کا پڑھنا منقول ہے تو وہ بھی ثابت نہیں اور نیز جس صحابی سے تین وتر پڑھنا منقول ہے اسی سے ایک رکعت کا پڑھنا بھی ثابت ہو چکا ہے فقط انس رضی اللہ عنہ کا قول اختلاف سے سالم ہے سو احتمال ہے کہ نہی کی حدیث اس کو نہ پہنچی ہو اور بعض حنفی اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو تین وتر پر دلالت کرتی ہیں سو جواب ان سب کا یہ ہے جو کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد بن نصر نے کہا کہ میں نے ایسی کوئی حدیث صحیح نہیں پائی جو صریح ہو اس میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعت وتر دو التحیات سے پڑھے ہوں بلکہ اس کے برخلاف آپ سے ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ حاکم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت پڑھتے تھے نہیں بیٹھتے تھے مگر ان کے اخیر میں یعنی فقط ایک التحیات سے تین وتر پڑھتے تھے اور اسی طرح ایوب اور طاؤس سے بھی روایت آئی ہے کہ وہ تین وتر ایک التحیات سے پڑھتے تھے پس ان حدیثوں سے تین وتر ہونے پر استدلال کرنا باطل ہے اور جن حدیثوں میں وتروں کو مغرب سے مشابہت کرنے کی ممانعت آئی ہے تو ان سے مراد دو التحیات کے ساتھ پڑھنا ہے پس ان میں کوئی تعارض نہیں اب رہا قول ابو العالیہ کا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہم کو مغرب کی نماز کی طرح تین وتر سکھلایا کرتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ

اول تو یہ قول ثابت نہیں پس ثبوت اس کا مدعی کے ذمے ہے۔ دوم یہ کہ وتروں کو مغرب کی نماز کے مشابہ کرنا بہت حدیثوں سے منع ہو چکا ہے اور نیز جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ایک رکعت وتر کا جائز ہونا ثابت ہو چکا ہے کما مر بیانہ مفصلاً پس ابوالعالیہ کا تین وتر کو سب صحابہ کی طرف نسبت کرنا قطعاً غلط اور مردود ہے پس ضروری ہے کہ مراد اس سے بعض اصحاب ہوں اور نیز جن اصحاب سے تین تین وتر کا پڑھنا یا سکھانا منقول ہے انہیں سے ایک رکعت وتر کا پڑھنا یا جائز رکھنا بھی ثابت ہو چکا ہے سوائے انس رضی اللہ عنہ کے اور کسی کا قول نہیں جس سے اس کا برخلاف ثابت نہ ہوا ہو پس ثابت ہوا کہ یہ قول ابوالعالیہ کا صحیح نہیں اور قاسم کے قول کا بھی یہی جواب ہے باوجودیکہ اُس نے ہر طور سے وتر پڑھنے کو جائز رکھا ہے اور سب کو واسع اور فراخ بتلایا ہے پس حاصل اس مسئلے کا یہ ہے کہ وتر کا کوئی خاص عدد معین نہیں خواہ ایک پڑھے خواہ تین پڑھے خواہ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ وغیرہ پڑھے اور خواہ سب کو ایک سلام سے پڑھے یا کئی سلام سے پڑھے ہر طور سے جائز ہے، واللہ اعلم۔

٩٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى.

٩٣٦۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کا مسئلہ پوچھا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہے سو جب کوئی فجر ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت وتر پڑھے کہ وہ طاق کر دے گی اُس نماز کو جو پڑھ چکا ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ دو دو رکعتوں کا کیا معنی ہے اُس نے کہا کہ دو رکعتوں پر سلام پھیرے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے نفلوں میں ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرنی معین ہے لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ افضل ہے واجب نہیں پس یہ حدیث ان کے نزدیک افضلیت پر محمول ہے اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے برخلاف بھی ثابت ہو چکا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصل اور فصل دونوں برابر ہوں اور فصل کرنے کا آپ نے اس واسطے ارشاد فرمایا کہ دو رکعتوں پر سلام پھیرنے میں نمازی کو بہت تخفیف ہے اور اگر کوئی ضروری امر پیش آ جائے تو آدمی جلدی فارغ ہو سکتا ہے بخلاف چار اور زیادہ کے کہ اس میں اتنی تخفیف نہیں لیکن دو دو رکعتوں میں سلام سے فصل کرنا افضل ہے کہ اس کی حدیثیں بہت صحیح ہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کا وقت صبح صادق ہو جانے کے بعد باقی نہیں رہتا ہے اور اس سے زیادہ صریح وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب فجر ہو جائے تو رات کی نماز اور وتروں کا وقت گیا اور صحیح ابن خزیمہ میں

ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کو فجر نے پایا اس کے وتر درست نہیں لیکن یہ محمول ہے اس پر جو جان کر قضا کرے اور یا یہ معنی ہے کہ اس کے وتر ادا نہیں ہوتے اس لیے کہ ابوداؤد میں اسی سے یہ بھی روایت آ چکی ہے کہ جو شخص وتر کو بھول جائے تو چاہیے کہ اس کو پڑھے جب یاد کرے اور ابن منذر نے ایک جماعت سلف سے حکایت کی ہے کہ وتروں کا اختیاری وقت صبح صادق تک باقی رہتا ہے اور ضرورت کا وقت صبح کی نماز تک باقی رہتا ہے اور اسی مذہب کو حکایت کیا ہے قرطبی نے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اول وقت وتروں کا عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور اخیر وقت اس کا صبح صادق تک ہے اور ابن قدامہ نے کہا کہ وتر کو صبح تک عمدًا تاخیر کرنا لائق نہیں اور اس مسئلے میں بھی علماء سلف کو اختلاف ہے کہ وتروں کی قضا ہے یا نہیں سو اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ وتروں کی قضا نہیں اور محمد بن نصر نے کہا کہ میں نے کسی حدیث میں یہ مسئلہ نہیں پایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں کو قضا کیا ہو یا قضا کا حکم دیا ہو جس نے یہ گمان کیا کہ فجر کی نماز کے قضا ہو جانے کے دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں کو قضا کر کے پڑھا تھا تو اس نے خطا کی اور عطاء اور اوزاعی وغیرہ کہتے ہیں کہ بعد سورج نکلنے کے وتروں کو قضا کرے اور یہی ایک قول ہے شافعیہ کا اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیماری اور درد وغیرہ کے سبب سے رات کو سو جاتے اور وتر نہ پڑھتے تو دن کو بارہ رکعتیں پڑھ لیتے اور نیز دلیل ان کی وہ حدیث ہے جو ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ابھی گزر چکی ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتروں کے بعد کوئی نماز درست نہیں اور اس جگہ سلف کو دو مسئلوں میں اختلاف ہے پہلا اختلاف اس میں ہے کہ وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنے جائز ہیں یا نہیں سو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جائز ہیں اس لیے کہ مسلم میں ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور جس حدیث میں یہ حکم آیا ہے کہ رات کی نماز میں پچھلی نماز کو وتر کرو تو وہ حدیث ان کے نزدیک محمول ہے اس کے حق میں جو پچھلی رات کو وتر پڑھے اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ وتروں کے بعد نفل پڑھنے درست نہیں ان کے نزدیک حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو مذکور ہو چکی ہے محمول ہے اس پر کہ وہ دو رکعت نفل نہیں تھے بلکہ فجر کی سنتیں تھیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بیان جواز کے واسطے کیا ہے یعنی اگر کوئی کبھی کبھی پڑھ لے تو جائز ہے بلکہ اور نماز بھی جتنی چاہے پڑھے وتر مانع نہیں اور یہی مذہب ہے اوزاعی اور احمد کا اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نہ پڑھتا ہوں اور نہ کسی کو منع کرتا ہوں اور بعض نے کہا کہ یہ دو رکعت وتر کی سنت ہے جیسا کہ مغرب کی ہے لیکن اس صورت میں یہ حدیث استحباب پر محمول ہو گی نہ وجوب پر اور دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھ چکے پھر بعد اس کے اور نفل پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا پہلا وتر پڑھا ہوا اس کو کافی ہو جاتا ہے یا کہ ایک رکعت اور پڑھ کر پہلے وتر کو جفت کر لے پھر بعد اس کے نفل پڑھ لے پھر وتر پڑھے

سو اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر کو نہ توڑے اور جس قدر نفل چاہے پڑھے پہلا وتر اس کو کافی ہے اس لیے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو وتر ایک رات میں نہیں اور بعضوں نے کہا کہ پہلے وتر کو توڑ ڈالے یعنی ایک رکعت اور پڑھ کر اس کو جفت کر لے پھر بعد اس کے جس قدر نفل چاہے پڑھے اس واسطے کہ محمد بن نصر نے روایت کیا ہے کہ کسی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا سو اُس نے کہا کہ میں تو دو دو رکعتیں نفل پڑھتا ہوں سو جب فارغ ہونا چاہتا ہوں تو ایک رکعت پڑھتا ہوں پھر کسی نے کہا کہ بھلا بتلاؤ تو اگر میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں پھر رات کو نفل پڑھنے کو کھڑا ہوں اور پہلے وتر کو جفت کرلوں تو اس کا کیا حکم ہے سو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کا کوئی ڈر نہیں اور اصل یہ ہے کہ دونوں طور سے جائز ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتّٰى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ وتر کی ایک رکعت اور دو رکعتوں کے درمیان سلام کہا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنا کوئی کام غلام کو بتلاتے۔

فائدہ: تیسیر القاری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موقوف پہلی حدیث مرفوع کی مبین ہو سکتی ہے یعنی مراد اس سے یہ ہے کہ ایک رکعت وتر کو علیحدہ پڑھتے تھے دو کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھتے تھے پس ابن الہمام کا احتمال باطل ہوا۔

٩٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ وِسَادَةٍ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُوْلِهَا فَنَامَ حَتّٰى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَرِيْبًا مِنْهُ فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَرَأَ عَشْرَ اٰيَاتٍ مِنْ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَصَنَعْتُ مِثْلَهُ فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهٖ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِيْ وَأَخَذَ بِأُذُنِيْ يَفْتِلُهَا ثُمَّ صَلّٰى

٩٣٧- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کاٹی اور وہ میری خالہ تھی سو میں گدیلے (گدے) کی چوڑائی میں لیٹ گیا اور حضرت ﷺ اور آپ کی بی بی اس کے لمبائی میں لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ آدھی رات یا اس کے قریب گزر گئی سو آپ جاگے اور نیند کو اپنے منہ سے ملتے تھے یعنی ہاتھ سے اپنے منہ اور آنکھوں کو ملتے تھے تا کہ نیند کا غلبہ دور ہو جائے پھر آپ نے سورہ آل عمران کی اخیر دس آیتیں پڑھیں یعنی آمن الرسول سے آخر تک پھر ایک مشک لٹکی ہوئی کی طرف کھڑے ہوئے سو اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا یعنی تمام سنتوں اور مستحبات کو ادا کیا پھر نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے (سو میں بھی کھڑا ہوا) اور آپ کی طرح وضو کیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا سو آپ نے اپنے ہاتھ کو میرے سر پر رکھا اور میرے کان کو پکڑ کر مروڑا

رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَآءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر ایک رکعت وتر پڑھا پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن آپ کے پاس آیا یعنی نماز فجر کی اطلاع دینے کو پس آپ کھڑے ہوئے پس دو رکعتیں پڑھیں پھر آپ گھر سے تشریف لائے اور صبح کی نماز پڑھی۔

فائدہ: یہ حدیث پہلے بھی کئی بار گزر چکی ہے اور اس حدیث میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے اور دوسری روایتوں میں گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے سو جس نے تیرہ رکعت کا ذکر کیا ہے اس نے فجر کی دو سنتوں کو بھی اس میں داخل کیا ہے یا مراد اس سے عشاء کی دو سنتیں ہیں پس ان روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ بنی ہاشم کو نفلی صدقہ دینا جائز ہے اس لیے کہ اس حدیث کے ایک طریق میں اتنا لفظ زیادہ آیا ہے کہ حضرت ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہما کو صدقہ سے اونٹ دیے تھے اور ایک یہ کہ وعدے پر تقاضا کرنا جائز ہے اور ایک یہ کہ چھوٹے بچے اور اپنے قریبی مہمان کے ساتھ الفت کرنی چاہیے اور محبت اور حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے کہ حضرت ﷺ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت الفت اور محبت سے پیش آئے اور ایک یہ کہ کم عمر لڑکے کو محرمہ عورت کے پاس رات رہنا جائز ہے گو اس کا خاوند بھی اس کے پاس موجود ہو اور یہ کہ حیض والی کے ساتھ مل کر سونا جائز ہے اور ایک یہ کہ لڑکے نابالغ کی نماز صحیح ہے اور یہ کہ انست دلانے اور جگانے کے واسطے کان مروڑنا جائز ہے کہ حضرت ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کان مروڑا تا کہ اس کو اندھیرے میں ڈر نہ آئے اور سو نہ جائے اور ایک یہ کہ عشاء اور مغرب کے درمیان نفل پڑھنے جائز ہیں اور ایک یہ کہ رات کی نماز کی بڑی فضیلت ہے خاص کر دوسرے نصف میں تو بہت ہی ثواب ہے اور یہ کہ ہر وضو اور ہر نماز کے پہلے مسواک کرنی مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھے تو آل عمران کی اخیر کی آیتیں پڑھے اور یہ کہ اگر پیالے وغیرہ کسی چھوٹے برتن میں پانی ہو تو اس سے چلو کے ساتھ پانی لینا جائز ہے اس لیے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے مشک سے پیالے میں پانی ڈالا پھر اس سے چلو کے ساتھ وضو کیا اور مستحب ہے کہ وضو میں پانی کم خرچ کرے اور ایک یہ کہ مسجد کے واسطے کوئی مؤذن دائمی مقرر کرنا جائز ہے اور یہ کہ اگر مؤذن اذان کے بعد امام کو نماز کی اطلاع دے تو جائز ہے اور ایک یہ کہ نفلوں کی جماعت کرنی جائز ہے اور جو شخص تکبیر تحریمہ کے وقت امامت کی نیت نہ کرے تو اس کے پیچھے اقتداء کرنی جائز ہے اور یہ کہ بے وضو قرآن پڑھنا جائز ہے اور اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ کہ اگر مقتدی فقط ایک ہی ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو اور اگر بائیں طرف کھڑا ہو گیا ہو تو پھر دائیں طرف پھر جائے اور اگر خود دائیں طرف نہ پھرے تو امام اس کو دائیں

طرف پھیر لے اور یہ کہ تھوڑے کام سے نماز باطل نہیں ہوتی اور یہ کہ محرم کے ہوتے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر سونا جائز ہے حیا کے مخالف نہیں اگر چہ وہ محرم خوب تمیز رکھتا ہو اور یہ کہ سورہ آل عمران پڑھنی جائز ہے اور بعض اس کو مکروہ کہتے ہیں اور سب مسئلے اس حدیث کے کل طریقوں میں موجود ہیں اور اس حدیث سے وتروں کا پڑھنا ثابت ہوا اور یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے۔ واللہ اعلم

٩٣٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوْتِرُ لَكَ مَا صَلَّيْتَ قَالَ الْقَاسِمُ وَرَأَيْنَا أُنَاسًا مُنْذُ أَدْرَكْنَا يُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ وَّإِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ أَرْجُوْ أَنْ لَّا يَكُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ بَأْسٌ.

٩٣٨۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں سو جب تو نماز سے فارغ ہونا چاہے تو ایک رکعت پڑھ کہ وہ طاق کر دے گی تیری اس نماز کو جو تو پہلے پڑھ چکا ہے۔ قاسم نے کہا کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالی یعنی بالغ ہوئے تب سے ہم نے لوگوں کو تین وتر پڑھتے دیکھا اور وتر ہر طور سے جائز ہیں یعنی خواہ ایک وتر پڑھے خواہ تین پڑھے خواہ زیادہ پڑھے ہر طرح سے درست ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ کسی چیز میں اس سے گناہ نہیں ہوگا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا ہر شخص کو جائز ہے اس لیے کہ حضرت ﷺ نے اس کو فارغ ہونے کے ارادے پر موقوف رکھا ہے سو جو شخص نماز سے فارغ ہونا چاہے اس کو ایک رکعت وتر پڑھنی جائز ہو گی پس عموم اس حدیث سے رد ہو گیا قول اس شخص کا جو کہتا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنا فقط اسی شخص کو جائز ہے جو صبح صادق ہو جانے کا خوف کرتا ہو اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ظاہر ہے فصل میں اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو ابھی آتی ہے فصل اور وصل دونوں کی محتمل ہے سوان دونوں میں تعارض نہیں اس لیے کہ قاسم نے بیان کر دیا کہ دونوں امر جائز ہیں۔

٩٣٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ تَعْنِيْ بِاللَّيْلِ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ

٩٣٩۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ گیارہ رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے یہ آپ کی رات کی نماز تھی سو آپ اس سے ایک سجدہ میں اتنی دیر کرتے تھے جتنے میں کوئی پچاس آیتیں پڑھ سکے سر اٹھانے سے پہلے یعنی سجدہ میں بہت طول کرتے تھے اور دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن نماز

أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ.

فجر کی اطلاع دینے کو آپ کے پاس آتا۔

بَابُ سَاعَاتِ الْوِتْرِ.

نماز وتر کے وقتوں کا بیان۔

فائدہ: حاصل اس باب کا یہ ہے کہ تمام رات وتر کا وقت ہے نماز عشاء اور صبح صادق کے درمیان جس وقت وتر پڑھے جائز ہیں اور سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ وتر کے وقت کی ابتداء عشاء کی نماز سے بعد ہے جب کہ سفیدی غائب ہو جائے لیکن بعض نے مطلق یہ کہہ دیا ہے کہ نماز عشاء اور وتر کا ایک وقت ہے اور عشاء کی ابتداء جمہور کے نزدیک اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ دن کی سرخی غائب ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس وقت سے ہوتی ہے جب کہ سفیدی غائب ہو جائے اور انتہاء وقت وتر کا جمہور کے نزدیک طلوع صبح صادق تک ہے اور بعضوں نے کہا کہ اخیر وقت اس کا نماز فجر تک باقی رہتا ہے۔

قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ أَوْصَانِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی یعنی پہلی رات میں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کو عشاء کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت کی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی آئندہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی رات میں وتر پڑھتے تھے سو ان دونوں میں تعارض نہیں اس لیے کہ پہلی حدیث اس شخص کے واسطے ہے جو پچھلی رات نہ اٹھ سکے پس اس کو احتیاط کے واسطے یہی حکم ہے تا کہ وتر فوت نہ ہو جائیں اور دوسری حدیث اس کے حق میں ہے جو کہ پچھلی رات اٹھنے کی امید رکھتا ہو جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو پچھلی رات اٹھنے کی امید رکھتا ہو سو چاہیے کہ پچھلی رات میں اٹھ کر وتر پڑھے کہ وہ افضل ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو پچھلی رات نہ اٹھنے کا خوف کرے سو چاہیے کہ وہ پہلی رات میں وتر پڑھے پس معلوم ہوا کہ پہلی رات میں بھی وتر پڑھنے جائز ہیں اور یہی وجہ ہے مناسبت اس حدیث کی باب سے۔

٩٤٠ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ أَرَأَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ

٩٤٠۔ حضرت انس بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ بھلا بتلاؤ تو کہ میں صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتوں میں قرأت لمبی پڑھوں یا نہیں اس نے کہا کہ

صَلَاةِ الْغَدَاةِ أُطِيْلُ فِيْهِمَا الْقِرَآءَ ةَ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ وَّيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ قَالَ حَمَّادٌ أَيْ سُرْعَةً.

حضرت ﷺ رات میں دو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے پھر ایک رکعت وتر پڑھتے اور صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں سنت پڑھتے گویا کہ تکبیر کی آواز آپ کے کان میں ہے یعنی ان میں ایسی جلدی کرتے تھے جیسا کہ کوئی شخص تکبیر کی آواز سن کر نماز کی طرف جلدی آتا ہے اس خوف سے کہ اول وقت فوت نہ ہو جائے۔

فائدہ: پس معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں میں قراءت لمبی نہیں پڑھنی چاہیے بلکہ ان کو بہت ہلکا پڑھنا چاہیے پس اس سے انس کے سوال کا جواب ادا ہو گیا اور اس حدیث میں مطلق قراءت کا ذکر ہے اول یا اخیر وغیرہ کسی خاص حصے رات کی اس میں کوئی قید نہیں پس معلوم ہوا کہ تمام رات وتروں کا وقت ہے جس وقت چاہے پڑھے پس یہی وجہ ہے مناسبت اس حدیث کی باب سے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فصل افضل ہے آپ نے اس کا حکم فرمایا اور وصل فقط آپ کے فعل سے ثابت ہے قول سے نہیں۔

٩٤١ ـ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلَّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْتَهٰى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ.

۹۴۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے تمام رات میں وتر پڑھے ہیں اور آپ کے وتر سحری کے وقت تک تمام ہوئے یعنی عشاء کی نماز کے بعد تمام رات آپ کے وتروں کا وقت تھا کبھی پہلی رات میں وتر پڑھ لیتے تھے اور کبھی درمیان رات کو پڑھتے تھے اور کبھی پچھلی رات میں پڑھتے تھے لیکن اخیر عمر میں آپ وتروں کو ہمیشہ پچھلی رات یعنی سحری کے وقت پڑھتے رہے یا آپ کے وتروں کی انتہا سحری تک تھی اس سے پیچھے کبھی نہ پڑھتے تھے گو سحری سے پیچھے بھی صبح صادق ہونے تک وتر پڑھنے جائز ہیں۔

فائدہ: پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام رات وتر کا وقت ہے اور اس کے ہر حصے اور ہر جز میں وتر پڑھنے جائز ہیں جس وقت چاہے پڑھے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہو گئی۔

بَابُ إِيْقَاظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ.

حضرت ﷺ کا اپنے گھر والوں کو وتر کے واسطے جگانا۔

٩٤٢ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ

۹۴۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ

حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوْتِرَ أَيْقَظَنِيْ فَأَوْتَرْتُ.

(رات کو تہجد کی) نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپ کے بچھونے کی چوڑائی میں یعنی آپ کے سامنے لیٹی رہتی سو جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو مجھ کو جگاتے سو میں بھی اٹھ کر وتر پڑھتی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتروں کو اخیر رات میں پڑھنا مستحب ہے خواہ تہجد کرے یا نہ کرے لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ پچھلی رات اٹھنے کی امید رکھتا ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو وتر کے واسطے جگانا مستحب ہے پس یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے اور بعض حنفی اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں اس پر کہ وتر واجب ہیں اس لیے کہ حضرت ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہجد کے واسطے نہ جگایا اور وتر کے واسطے جگایا سو جواب اس کا یہ ہے کہ جگانے سے اس کا واجب ہونا لازم نہیں آتا اس سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ رات کے اور نفلوں سے ان کی زیادہ تاکید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلوں کے واسطے سوئے کو جگانا مستحب ہے پس فرضوں کے واسطے سوئے کو جگانا بطریق اولیٰ مستحب ہوگا اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ خاص اسی وقت جگانا جائز ہے جب کہ نماز قضا ہونے لگے بلکہ اول وقت اور جماعت پانے کے واسطے بھی سوئے کو جگانا جائز ہے۔

بَابُ لِيَجْعَلْ اٰخِرَ صَلَاتِهٖ وِتْرًا.

چاہیے کہ آدمی اپنی رات کی نماز میں پچھلی نماز کو وتر کرے

٩٤٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا.

٩٤٣۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی رات کی نماز میں پچھلی نماز کو وتر کرو یعنی تہجد کے بعد وتر پڑھنے چاہییں۔

فائدہ: بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے لیکن یہ واسطے بیان جواز کے ہے کما مر اور سنت یہی ہے کہ تہجد کے بعد وتر پڑھے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تہجد ان نفلوں کو کہتے ہیں جو وتروں سے پہلے جفت جفت پڑھے جاتے ہیں اور وتر اور تہجد ایک چیز کا نام ہے تہجد ان کو اس واسطے کہا جاتا ہے کہ نیند سے اٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور وتر اس واسطے کہا جاتا ہے کہ طاق ہیں اور بعض حنفی اس حدیث سے بھی وتر کے واجب ہونے پر دلیل پکڑتے ہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ رات کی نماز واجب نہیں سو اس کا اخیر بھی واجب نہیں اور نیز اصل عدم وجوب ہے پس بے دلیل وجوب ثابت نہ ہو سکے گا۔

بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ.

سفر میں سواری پر وتر پڑھنے جائز ہیں۔

٩٤٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ أَسِيْرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ فَقَالَ سَعِيْدٌ فَلَمَّا خَشِيْتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ ثُمَّ لَحِقْتُهُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ خَشِيْتُ الصُّبْحَ فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْوَةٌ حَسَنَةٌ فَقُلْتُ بَلٰى وَاللّٰهِ قَالَ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ عَلَى الْبَعِيْرِ.

٩٤٤۔ حضرت سعید بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کی راہ میں جاتا تھا سو جب میں صبح ہونے سے ڈرا تو سواری سے نیچے اتر کر وتر پڑھے پھر میں اس کو پیچھے سے جا ملا سو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تو کہاں تھا؟ سو میں نے کہا کہ میں فجر ہونے سے ڈرا سو میں نے نیچے اتر کر وتر پڑھے سو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کیا تجھ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں پیروی بہتر نہیں؟ میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم! ان کی پیروی بہتر ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وتر پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: دوسری حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آئندہ آئے گا کہ وہ سفر میں رات کو سواری پر وتر پڑھا کرتے تھے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں سواری پر وتر پڑھنے جائز ہیں امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہی ہے مذہب ہمارا اور مذہب امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور کا کہتے ہیں کہ سفر میں سواری پر وتر پڑھنے جائز ہیں اور یہ کہ وتر سنت ہیں واجب نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وتر واجب ہیں اور سواری پر وتر پڑھنے جائز نہیں اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو طحاوی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ نفل سواری پر پڑھتے تھے اور وتر زمین پر پڑھتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور موقوف حدیث اکثر اہل اصول کے نزدیک حجت نہیں اور نیز یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض نہیں ہوسکتی اس لیے کہ زمین پر پڑھنے بالاتفاق افضل ہیں پس اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی موقع پر زمین پر پڑھے ہوں تو افضیلت کے واسطے پڑھے ہوں گے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سواری پر وتر پڑھنے جائز نہ ہوں یہ جب ہوسکتا ہے جب کہ ان کا فعل وجوب پر دلالت کرے حالانکہ اہل اصول کے نزدیک مجرد فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وجوب پر دلالت نہیں کرتا چہ جائیکہ صحابی کا فعل وجوب پر دلالت کرے جواز ثابت ہوا اور نیز یہ بخاری کی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے پس اس کو ترجیح ہو گی اور نیز عبدالرزاق نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ سفر میں اپنی سواری پر وتر پڑھتے تھے اور اکثر اوقات سواری سے نیچے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے پس اس سے تعارض دفع ہوگیا اور سواری پر وتر پڑھنے کا جواز ثابت ہوگیا

اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ پانی اور کیچڑ کے سبب سے سواری پر وتر پڑھتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کے الفاظ اس تاویل کو صریح باطل کرتے ہیں اس لیے کہ سعید بن یسار رضی اللہ عنہ نے زمین پر وتر پڑھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو کہا کہ تجھ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کافی نہیں جو اتر کر وتر پڑھتا ہے اور اسی طرح عبدالرزاق کی روایت بھی اس کے بطلان میں صریح ہے اور اگر پانی کیچڑ تھا تو پھر فرض کہاں پڑھے تھے وہ بھی لامحالہ سواری پر پڑھے ہوں گے پس اس کا کیا جواب ہے اور نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیچڑ عذر ہے پس کہا جائے گا کہ اسی طرح سفر بھی عذر ہے بلکہ اس کا عذر ہونا تو متفق علیہ ہے پس جب پانی کیچڑ کے عذر سے سواری پر وتر جائز ہیں تو سفر کے عذر سے بطریق اولیٰ جائز ہوں گے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ دعویٰ نسخ باطل ہے ساتھ ان وجوہات کے جن کا بیان تیسرے پارے میں ہو چکا ہے علاوہ ازیں جائز ہے کہ اس کے برعکس دعویٰ کیا جائے یعنی سواری پر وتر پڑھنے اول اسلام میں منع تھے پھر جب آپ نے سواری پر وتر پڑھے تو وہ حکم منسوخ ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ معین کا ذکر ہے عام حکم نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی ہیں سو انہوں نے سعید کو سواری پر وتر پڑھنے کا حکم دیا اور خود بھی اکثر اوقات پڑھتے رہے پس یہ صریح ہے اس کے عموم میں پس واقعہ عین کا باطل ہوا وباللہ التوفیق اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ طحاوی نے کہا کہ کوفے والے سواری پر وتر پڑھنے کو منع کرتے ہیں مگر یہ سنت ثابتہ کے خلاف ہے اور اس حدیث میں فقط اونٹ پر وتر پڑھنے کا ذکر ہے لیکن اونٹ وغیرہ سب سواریاں اس حکم میں شریک ہیں کہ فرض کسی پر جائز نہیں پس معلوم ہوا کہ سب کا حکم یہی ہے پس یہی وجہ ہے مناسبت اس حدیث کی باب سے۔

بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ. سفر میں وتر پڑھنے سنت ہیں۔

فائدہ: ضحاک سے منقول ہے کہ سفر میں وتر پڑھنے مسنون نہیں سو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اشارہ کیا ہے اس طرف کہ یہ قول مردود ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ اگر میں سفر میں نفل پڑھتا تو فرضوں کو پورا کرتا سو اس سے مراد فرضوں کی معمولی سنتیں ہیں وتر وغیرہ مراد نہیں جیسا کہ اس حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے اور نیز احتمال ہے کہ مراد اس کی یہ ہو کہ دن اور رات کے نفلوں کے درمیان فرق ہے اس لیے کہ دوسری حدیث سے اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سفر میں سواری پر نفل پڑھتے تھے۔

٩٤٥ ـ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَآءَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ

۹۴۵۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر وتر پڑھا کرتے تھے جس طرف کہ وہ آپ کو لے کر متوجہ ہوتی رکوع وسجود اشارے سے کرتے اور تہجد کی نماز پڑھتے مگر فرضوں کو سواری پر نہ پڑھتے اور وتر کو بھی

تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ إِيْمَآءً صَلَاةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَآئِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ. اپنی سواری پر پڑھتے۔

فائدہ: بعض نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے اس پر کہ وتر فرض نہیں اور خاص کر حضرت ﷺ پر فرض نہیں تھے اس لیے کہ آپ نے ان کو سواری پر پڑھا پس اگر فرض واجب ہوتے تو سواری پر جائز نہ ہوتے اور بعضوں نے کہا کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ فرض سواری پر جائز نہیں لیکن یہ استدلال قوی نہیں ہے کہ مجرد ترک منع کی دلیل نہیں ہوسکتی لیکن یہ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ مسافر پر اکثر اوقات فرض کا وقت آتا ہے سو اس کو کبھی سواری پر نہ پڑھنا دلالت کرتا ہے اس پر کہ وہ سواری پر جائز نہیں اور حنفیہ جو وتروں کو واجب کہتے ہیں تو وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث فقط فرض کی نفی پر دلالت کرتی ہے اور فرض کی نفی سے نفی واجب کی لازم نہیں آتی ہے لیکن یہ جواب اسی وقت تمام ہوسکتا ہے جب کہ اس بات کو ثابت کیا جائے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرض اور واجب کے درمیان فرق جانتے تھے اور یہ بات ثابت نہیں پس جواب بھی تمام نہیں واللہ اعلم۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ تمہارے نزدیک حضرت ﷺ پر وتر واجب ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وتر آپ پر واجب تھے لیکن آپ کا وتر کو سواری پر پڑھنا ثابت ہو چکا ہے سو اگر واجب ہوتے تو سواری پر جائز نہ ہوتے جیسا کہ مثلاً ظہر کی نماز ہے اور فرض اور واجب میں فرق کرنا یہ محض حنفیوں کی اصطلاح ہے جمہور اس کو تسلیم نہیں کرتے اور برتقدیر تسلیم جھگڑے کو اس سے کچھ فائدہ نہیں اور اگر کوئی کہے کہ سواری پر وتر پڑھنا آپ کا خاصہ تھا اور وتر آپ پر واجب تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ وتر آپ پر واجب تھے تا کہ اس کے واسطے تکلف کیا جائے۔

بَابُ الْقُنُوْتِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ. نماز میں رکوع سے پہلے اور پیچھے دعائے قنوت پڑھنے کا بیان یعنی جائز ہے۔

فائدہ: قنوت کا معنی کھڑے ہونے کا ہے اور چونکہ اس دعا کو کھڑا ہو کر پڑھتے ہیں اس لیے اس کو دعائے قنوت کہا گیا اور موطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں دعائے قنوت پڑھنی بدعت ہے سو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ دعائے قنوت پڑھنی جائز ہے تو گویا اس میں اشارہ ہے اس طرف کے یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مردود ہے اس لیے کہ قنوت کا پڑھنا حضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہے سو اس کا درجہ مباح سے بلند ہے اور اس مقام میں بیان وتر کا ہے اور باب کی حدیثوں میں وتر کا ذکر نہیں لیکن چوتھے طریق میں آئندہ آئے گا کہ صبح اور شام کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور شام کی نماز دن کے وتر ہیں سو جب دن کے وتروں میں قنوت کا پڑھنا ثابت ہوا تو رات کے وتروں میں بھی ثابت ہوا کہ وتر ہونے میں دونوں نمازیں آپس میں شریک ہیں علاوہ ازیں دوسری حدیث میں دعائے قنوت پڑھنے کا صریح حکم آچکا ہے جیسا کہ سنن میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ﷺ نے مجھ کوکئی کلمے سکھلائے جن کو میں وتر میں پڑھا کروں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ .

٩٤٦ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَقَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصُّبْحِ قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ أَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ قَالَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَسِيْرًا.

٩٤٦۔ حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ کسی نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے؟ اس نے کہا ہاں پڑھی ہے پھر پوچھا گیا کہ کیا آپ نے دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی ہے یا پیچھے؟ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رکوع سے پیچھے تھوڑے دن یعنی ایک مہینہ۔

٩٤٧ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَدْ كَانَ الْقُنُوْتُ قُلْتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ أَوْ بَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ قَالَ فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِيْ عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ كَذَبَ إِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا أُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ زُهَآءَ سَبْعِيْنَ رَجُلًا إِلٰى قَوْمٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ دُوْنَ أُولٰٓئِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَّدْعُوْ عَلَيْهِمْ.

٩٤٧۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے دعائے قنوت کا مسئلہ پوچھا سو اُس نے کہا کہ نماز میں قنوت پڑھی جاتی تھی میں نے کہا کہ رکوع سے پہلے یا بعد؟ اس نے کہا رکوع سے پہلے عاصم نے کہا کہ فلانے شخص نے مجھ کو تجھ سے خبر دی کہ تو نے قنوت کو رکوع سے پیچھے پڑھنی کہا ہے انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا کہ حضرت ﷺ نے تو صرف ایک مہینہ رکوع سے پیچھے قنوت پڑھی ہے میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے مقدار ستر آدمی کے قاریوں کا گروہ ایک قوم مشرکین کی طرف بھیجا تھا سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ بد دعا کرتے تھے اور ان کے اور حضرت ﷺ کے درمیان قول و قرار تھا سو انہوں نے توڑ ڈالا سو حضرت ﷺ نے ایک مہینہ قنوت پڑھی ان پر بد دعا کرتے تھے۔

٩٤٨ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زَآئِدَةُ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيْ مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَنَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

٩٤٨۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی رعل اور ذکوان دونوں قبیلوں پر بد دعا کرتے تھے۔

وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَّذَكْوَانَ.

٩٤٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ الْقُنُوْتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

۹۴۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مغرب اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھی جاتی تھی۔

فائدہ: یہ جو انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط ایک مہینہ رکوع سے پیچھے قنوت پڑھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رکوع سے بعد متواتر آپ نے فقط ایک مہینہ قنوت پڑھی اس کا یہ معنی نہیں کہ پھر اس کے بعد آپ نے کبھی قنوت نہیں پڑھی اور یہ جو انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے جھوٹ کہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر اس نے رکوع سے پیچھے ہمیشہ کا پڑھنا مجھ سے نقل کیا ہے تو اس نے خطا کی اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اوقات رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی ہے اور دوسری حدیث میں اس کا بیان صریح آ چکا ہے جیسا کہ ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی نے انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کا مسئلہ پوچھا سو اس نے کہا کہ رکوع سے پہلے بھی جائز ہے اور پیچھے بھی جائز ہے اور ابن منذر نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صبح کی نماز میں بعض اصحاب نے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی ہے اور بعض نے پیچھے پڑھی ہے او رمحمد بن نصر نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قنوت کو ہمیشہ رکوع سے پہلے پڑھنا اول عثمان رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا تا کہ لوگ اول رکعت کو پالیا کریں اور کتاب المغازی میں آئندہ آئے گا کہ کسی نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا پیچھے؟ اس نے کہا کہ جب قرأت سے فارغ ہو تو اس وقت پڑھے اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا روایت کیا ہے اس کو عبدالرزاق نے اور صحیح کہا ہے اس کو حاکم نے اور اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے لیکن متابعت اور شہادت کے واسطے کافی ہے پس انس رضی اللہ عنہ کی ان سب روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مصیبت اور حادثے کے وقت قنوت پڑھے تو رکوع سے پیچھے پڑھے اور اگر بدون حاجت کے ہو تو رکوع سے پہلے پڑھے اور اس مسئلے میں علماء کو اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنی مستحب ہے اور جب کوئی حادثہ اور مصیبت پیش آئے تو تمام نمازوں میں قنوت پڑھا کرے اور دلیل ان کی یہ حدیثیں ہیں جو ابھی گزر چکی ہیں اس لیے کہ وہ عموما اور خصوصا صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور ترمذی میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی پڑھتے رہے اور عراقی نے کہا کہ جو لوگ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کو جائز رکھتے ہیں یہ

ہیں ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور ابوموسیٰ اشعری اور ابن عباس اور براء رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری اور حمید طویل اور ربیع بن خثیم اور سعید بن مسیب اور طاؤس اور اوزاعی اور ابن مہدی وغیرہ اور حنفیہ وغیرہ بعض کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنی جائز نہیں بلکہ وہ وتروں کے ساتھ خاص ہے اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ایک مہینے کے سوا کبھی قنوت نہیں پڑھی سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ تخریج ہدایہ میں لکھا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے پس استدلال کرنا اس سے صحیح نہ ہوگا چہ جائیکہ صحیح حدیثوں کے معارض ہو اور نیز بیہقی نے کہا کہ ایک مہینہ پڑھ کر چھوڑ دینے کا یہ معنی ہے کہ آپ نے قنوت میں اس قوم پر بد دعا کرنا چھوڑ دیا نہ یہ کہ مطلق قنوت کو چھوڑ دیا اس لیے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ جن لوگوں نے بئر معونہ کے دن اصحاب کو قتل کیا آپ نے قنوت میں اُن پر بھی بد دعا کی اور ایسا ہی لکھا ہے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں کہ آپ نے فقط ان پر بد دعا کرنی چھوڑ دی تھی قنوت نہیں چھوڑی اور یہ تاویل کرنی ضروری ہے اس لیے کہ دوسری حدیث میں صریح آ چکا ہے کہ آپ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے یہاں تک کہ انتقال فرمایا پس اس سے سب حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی اور اگر آپ مطلق قنوت ترک کر دیتے تو پھر اس قدر اصحاب آپ کے بعد اس پر عمل نہ کرتے اور نیز ایک مہینہ پڑھ کر ترک کر دینا اس کے عدم جواز کو مستلزم نہیں بلکہ جواز ایک دو بار سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز میں قنوت پڑھنا بالاجماع منسوخ ہے پس اسی طرح صبح میں بھی منسوخ ہونا چاہیے اور بعض مطلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قنوت منسوخ ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ نسخ بغیر شرائط کے ثابت نہیں ہو سکتا ہے کما مر اور شرائط نسخ کا ثابت ہونا اس جگہ مشکل ہے پس دعویٰ نسخ باطل ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا بالکل غلط اور مردود ہے مغرب میں قنوت منسوخ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ صبح میں بھی منسوخ ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور نیز یہی تقریر ہے بعینہ وتر کی قنوت میں بھی ہو سکتی ہے پس اس سے لازم آئے گا کہ وتر میں قنوت پڑھنی بھی منسوخ ہو فما ھو جوابکم فھو جوابنا اور نیز اس سے لازم آتا ہے کہ مصیبت کے وقت بھی قنوت پڑھنی جائز نہ ہو کہ منسوخ ہونے کے بعد جواز کیا اور اگر حادثے کے وقت جائز ہے تو پھر منسوخ کیا چیز ہوئی اگر بغیر حاجت کے بھی قنوت پڑھنی منسوخ ہوئی ہے تو پھر اس سے لازم آئے گا کہ پہلے بغیر حاجت کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قنوت پڑھا کرتے تھے حالانکہ یہ واقعہ کے مخالف ہے پس معلوم ہوا کہ نہ حادثے کی قنوت منسوخ ہے اور نہ بے حادثے کی منسوخ ہے اور جو شخص دونوں میں کسی نسخ کا دعویٰ کرے اس کو سخت مصیبت درپیش آئے گی کہ بغیر قنوت کے اس کا ٹلنا مشکل ہوگا اور نیز اگر منسوخ ہوتی تو پھر اتنے صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیوں پڑھتے ان کو اس کا علم نہ ہوا وعلی ہذا القیاس۔ اس تقریر سے صدھا احکام محکمہ کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ محض خیال فاسد ہے اور نیز پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں کہ آپ نے انتقال فرمایا پس اب اس خیال فاسد کی

گنجائش کہاں ہے اور نیز اس دعویٰ کا معارضہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ اس طور سے ہے کہ سب کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ آپ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی اور ترک میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ترک کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ ترک نہیں کیا سو جس پر اجماع ہے اس کو لیا جائے گا یہاں تک کہ اختلاف ثابت ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ سے روایت ہے کہ وہ قنوت نہیں پڑھتے تھے سو جواب اس کا یہ ہے کہ ان سے قنوت کا پڑھنا بھی ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور عراقی نے کہا کہ تعارض کے وقت اثبات مقدم ہوتا ہے نفی پر اور یا کبھی کیا ہوگا اور کبھی نہیں کیا ہوگا سو یہ بھی جواز کے منافی نہیں اور بعض حنفی کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قنوت کو بدعت کہا ہے سو جواب اس کا اوپر گزر چکا ہے کہ یہ قول صحیح حدیثوں کے بالکل مخالف ہے پس مردود ہوگا اور نیز حادثے وغیرہ کے وقت کو بھی شامل ہے پس لازم آئے گا کہ مصیبت کے وقت بھی قنوت جائز نہ ہو حالانکہ حادثے کے وقت حنفیہ بھی جائز کہتے ہیں اور نیز اس سے لازم آئے گا کہ وتر کی قنوت بھی بدعت ہو فما هو جوابكم فهو جوابنا اور نیز مجرد انکار یا ترک صحابی کا نسخ کی دلیل نہیں ہو سکتا جب تک کہ نسخ کی تصریح نہ کرے اور اسی طرح جن لوگوں سے ترک مروی ہے وہ بھی نسخ کی دلیل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ احتمال ہے کہ انہوں نے اس کو جائز جان کر چھوڑ دیا ہو محض ترک منع کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ قنوت کو رکوع سے پہلے پڑھنا چاہیے یا پیچھے سو امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رکوع سے پیچھے پڑھنے چاہیے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رکوع سے پہلے پڑھے اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں طرح کی روایت آئی ہے مگر اصل یہ ہے کہ دونوں طرح سے جائز ہے خواہ رکوع سے پہلے پڑھے خواہ پیچھے پڑھے اختیار ہے اور یہ اختلاف مباح ہے یا مصیبت کی قنوت کو رکوع سے پیچھے پڑھے اور روزمرہ کی قنوت کو رکوع سے پہلے پڑھے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اوپر گزر چکا ہے اور نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ قنوت کو پکار کر پڑھنا چاہیے یا آہستہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مستحب ہے کہ پکار کر پڑھے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ آہستہ پڑھے اور بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانے مستحب ہیں اور نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ قنوت میں کون سی دعا پڑھے سو امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ...... الخ پڑھے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ...... الخ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کے واسطے کوئی دعا معین نہیں بلکہ ہر دعا کافی ہے جس طرح کی ہو باقی رہا وتر میں قنوت پڑھنا سو اس میں سب اماموں کا اتفاق ہے کہ وتر میں قنوت پڑھنی چاہیے فقط اتنا فرق ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ ہر روز پڑھے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فقط ماہ رمضان کے پچھلے نصف میں پڑھے اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے اس کا خلاف بھی مروی ہے لیکن اصل محقق مسئلہ یہ ہے کہ صبح اور وتر کی نماز میں تو ہمیشہ قنوت پڑھنی مستحب ہے اور اگر کوئی مصیبت، قحط یا وبا یا دشمن وغیرہ کی پیش آئے تو سب نمازوں میں پڑھنی مستحب ہے، واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبْوَابُ الْاِسْتِسْقَآءِ — قحط کے وقت اللہ سے مینہ مانگنے کا بیان

فائدہ: استسقاء کا معنی لغت میں پانی مانگنے کا ہے اور شرح میں استسقاء کہتے ہیں قحط کے وقت اللہ سے مینہ مانگنے کو خاص طور پر یعنی سب لوگوں کا جمع ہو کر میدان میں جانا اور نماز پڑھ کر اللہ سے مینہ مانگنا اور صورت اس کی یہ ہے کہ جب لوگوں میں قحط پڑے اور مینہ نہ برسے تو مستحب ہے کہ سب لوگ بے زیب و زینت کے بڑی عاجزی اور ڈر کے ساتھ میدان کی طرف نکلیں سو امام پہلے تھوڑی دیر دعا کرے پھر لوگوں کو دو رکعتیں نماز پڑھائے بغیر اذان اور اقامت کے اور عید کی نماز کی طرح پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہے اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے اور ہاتھ اٹھائے اور قرأت پکار کر پڑھے اور بعد سلام کے امام خطبہ پڑھے اور وعظ کرے پھر وہ اور سب لوگ قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جائیں اور الٹے ہاتھ اٹھا کر مینہ کے واسطے دعا کریں اور اسی دعا کے درمیان امام اور سب لوگ اپنی چادروں کو پلٹیں یعنی نیچے کے کنارے کو اوپر کی طرف پھیر لیں اور یا دائیں طرف کو بائیں طرف کر لیں پھر دیر تک دعا کرتے رہیں امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ مینہ برسے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ استسقاء کے سنت ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہے مگر سنیت نماز میں اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور سنت کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو سنت نہیں جانتے ہیں اور بیان اس کا آئندہ آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَآءِ وَخُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْتِسْقَآءِ.

مینہ کے واسطے اللہ سے دعا کرنے کا بیان اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مینہ مانگنے کے لیے میدان میں جانا۔

٩٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ وَحَوَّلَ رِدَآءَهٗ.

٩٥٠۔ حضرت عباد کے چچا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مینہ مانگنے کو میدان کی طرف نکلے سو اپنی چادر کو پلٹا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مینہ مانگنے کے واسطے میدان کی طرف نکلنا جائز بلکہ مستحب ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استسقاء کا وقت بیان نہیں کیا لیکن ابوداؤد اور ابن حبان نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے واسطے باہر نکلے جب کہ آفتاب آپ پر ظاہر ہوا اور یہ بات معلوم ہے کہ جب آفتاب خوب ظاہر ہو تو وہ عید کا

وقت ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ عید کی نماز اور استسقاء کا ایک وقت ہے اور یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ استسقاء کا کوئی وقت معین نہیں بلکہ دن رات میں جس وقت کرے جائز ہے لیکن مستحب ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ استسقاء عید کے وقت کرے اور اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ بڑی عاجزی اور خوف کے ساتھ نکلے زیب وزینت سے نہ نکلے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مینہ کے واسطے کمال خشوع اور خضوع کے ساتھ نکلے بے زیب وزینت کے اور ابن قدامہ نے اجماع نقل کیا ہے اس پر کہ استسقاء کی نماز مکروہ وقت میں نہ پڑھی جائے۔

بَابُ دُعَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ.

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار قریش پر بد دعا کرنا کہ الٰہی! ان کے برسوں کو قحط کے برس کر دے یوسف علیہ السلام کے سے قحط کے برس۔

فائدہ: اس باب میں استسقاء کا ذکر نہیں بلکہ یہ ذکر ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے واسطے دعا کی اور کفار کے حق میں بد دعا کی پس اس مسئلے کو استسقاء میں اس واسطے ذکر کیا کہ جیسے مسلمانوں کے واسطے مینہ کی دعا مانگنی جائز ہے ویسے ہی کافروں کے حق میں قحط کی دعا مانگنی بھی جائز ہے اور یا اس واسطے ذکر کیا کہ جب نماز میں کافروں کے واسطے بد دعا کرنی جائز ہے تو اس میں مسلمانوں کے واسطے دعا کرنی بھی جائز ہوگی اور مسلمانوں کے نفع کے لیے بھی دعا کرنی استسقاء ہے پس استسقاء کی نماز اس سے ثابت ہوگئی بخلاف اس کے جو اس سے انکار کرتا ہے۔

٩٥١ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مُغِيْرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأٰخِرَةِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ اللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ قَالَ ابْنُ

٩٥١۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پچھلے رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا مانگتے یا الٰہی! نجات دے عیاش بن ابی ربیعہ کو الٰہی! نجات دے سلمہ بن ہشام کو الٰہی! نجات دے ولید بن ولید کو الٰہی! نجات دے بے زور مسلمانوں کو الٰہی! اپنا سخت عذاب ڈال مضر کی قوم پر الٰہی! (ان پر) سات برس کا قحط ڈال جیسے یوسف علیہ السلام کے وقت میں قحط پڑا تھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ غفار کے قبیلے کو بخش دے اور اسلم کو سلامت رکھے ابوالزناد نے کہا کہ یہ سب دعا صبح کی نماز میں تھی۔

أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ هٰذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ.

فائدہ: حضرت ﷺ نے ان دو قبیلوں کو اس واسطے خاص کیا کہ قبیلہ غفار اول اسلام لائے تھے اور قبیلہ اسلم نے حضرت ﷺ سے صلح کر لی تھی کہ نہ ہم آپ سے لڑتے ہیں اور نہ آپ ہم سے لڑیں اس واسطے حضرت ﷺ نے ان دونوں گروہوں کو قحط کی بد دعا سے مستثنیٰ کر لیا اس سے معلوم ہوا کہ قحط کی بد دعا خاص انہیں کافروں کے حق میں کرنی لائق ہے جو مسلمانوں سے لڑیں اور جو کافر مسلمانوں سے صلح رکھیں ان کے حق میں قحط کی بد دعا کرنا مناسب نہیں پس مناسبت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہو گئی۔

٩٥٢ ـ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأٰى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا قَالَ اللّٰهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى أَكَلُوا الْجُلُوْدَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ وَيَنْظُرَ أَحَدُهُمْ إِلَى السَّمَآءِ فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوْعِ فَأَتَاهُ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿إِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَاٰيَةُ الرُّوْمِ.

٩٥٢ـ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے جب دیکھا کہ کفار قریش نے اسلام سے پیٹھ پھیری یعنی اسلام قبول نہ کیا تو ان پر یہ دعا مانگی کہ الٰہی! ان پر سات برس کا قحط ڈال جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں قحط پڑا تھا سو حضرت ﷺ کی بد دعا کی تاثیر سے ان پر ایسا قحط پڑا کہ اُس نے ہر چیز کو جڑ سے اکھاڑ دیا یعنی گھاس وغیرہ کوئی سبزہ زمین پر نہ رہا یہاں تک کہ انہوں نے چمڑوں اور مردوں اور مردار کو کھایا اور ان میں سے کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اس کو دھواں نظر آتا سو ابو سفیان حضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد! تو حکم کرتا ہے اللہ کی بندگی کرنے کا اور برادر پروری کا اور بیشک تیری قوم (قحط سے) ہلاک ہوئی سو آپ ان کے واسطے اللہ سے دعا کیجئے کہ قحط دور کرے (سو حضرت ﷺ نے کمال رحمت سے دعا کی تو مینہ برسا اور قحط دور ہو گیا) پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی سو تو راہ دیکھ جس دن کہ لائے گا آسمان دھواں صریح جو گھیرے لوگوں کو یہ ہے دکھ کی مار اے رب کھول دے ہم سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آ چکا ہے ان کے پاس رسول کھول کر سنانے والا پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہم کھولتے ہیں

عذاب تھوڑے دنوں تم پھر وہی کرتے ہو جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ ہم بدلہ دینے والے ہیں...... الخ' سو بڑی پکڑ تو جنگ بدر کے دن واقع ہوئی کہ اس میں کفار کے سب رئیس قتل ہوئے سو گزر چکا ہے عذاب دھوئیں کا اور بڑی پکڑ کا اور لزام کا اور آیت روم کا۔

فائدہ: دھوئیں کے عذاب سے مراد وہ ہے جو قحط کے دنوں میں بھوک کے سبب سے آسمان پر نظر آتا ہے اور بڑی پکڑ سے مراد جنگ بدر کا دن ہے اور لزام سے مراد وہ عذاب ہے جو بدر کے دن کفار قریش کے قیدیوں میں پکڑے آئے یا سب مردوں کو جمع کر کے بدر کے کنوئیں میں ڈالا گیا اور آیت روم سے پہلی آیت سورہ روم کی مراد ہے یعنی الم غلبت الروم الآیۃ یعنی روم مغلوب ہو گئے قریب کی زمین میں پس حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ وعدے عذاب کے جو کافروں کے حق میں نازل ہوئے ہیں سب واقع ہو چکے ہیں اب کوئی باقی نہیں لیکن یہ رائے صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے اور جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سب وعدے عذاب کے آئندہ واقع ہوں گے بعض تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بعض قیامت میں، واللہ اعلم۔

بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الْاِسْتِسْقَآءَ إِذَا قَحِطُوْا.

قحط کے وقت لوگوں کا امام سے مینہ مانگنے کی درخواست کرنا یعنی اگر قحط کے وقت لوگ امام سے اس بات کی درخواست کریں کہ وہ آگے ہو کر اللہ سے مینہ کے واسطے دعا مانگے تو جائز ہے۔

٩٥٣ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ قُتَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِيْ طَالِبٍ وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا سَالِمٌ عَنْ أَبِيْهِ رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلٰى وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ فَمَا يَنْزِلُ حَتّٰى

٩٥٣۔ حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ ابو طالب (والد حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا شعر پڑھتا تھا اور وہ شعر یہ ہے وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید چہرہ ہیں کہ آپ کے چہرہ مبارک کے وسیلے سے مینہ مانگا جاتا ہے پناہ واسطے یتیموں کے اور بچاؤ ہیں واسطے بیوہ عورتوں کے کہ کوئی ان کو نہ ستائے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اکثر اوقات قول شاعر ابو طالب کا یہ شعر یاد کیا اور میں آپ کے چہرے مبارک کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ

يَجِيشَ كُلُّ مِيزَابٍ وَّأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي طَالِبٍ.

آپ مینہ کے لیے دعا مانگتے ہیں سو آپ منبر سے نیچے نہ اترے یہاں تک کہ ہر نالا پانی سے جوش مارتا اور ابیض یستقی...... الخ یہ قول ابو طالب کا ہے۔

فائدہ: اگر کوئی کہے کہ حضرت ﷺ نے ابو طالب کی زندگی میں کبھی استسقاء نہیں کیا تھا بلکہ یہ معاملہ آپ سے ہجرت کے بعد واقع ہوا تو پھر ابو طالب نے یہ شعر کیوں کہا کہ آپ کے چہرے مبارک کے وسیلے سے مینہ مانگا جاتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ شاید ابو طالب نے آپ کے اخلاق حمیدہ سے کمال کی نشانیاں دیکھی ہوں گی جن سے اس کو یقین ہو گیا ہوگا کہ آپ کے چہرے مبارک میں یہ تاثیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ابتداء زمانے میں ایک بار قریش پر قحط پڑا تھا اس وقت حضرت ﷺ بہت کم عمر تھے سو ابو طالب نے حضرت ﷺ کو ساتھ لے کر قریش کے واسطے مینہ کی دعا مانگی تو مینہ برسا تو اس نے سمجھا کہ یہ سب آپ کی تاثیر سے ہوا ہے تب اُس نے یہ شعر کہا اور اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب حضرت ﷺ کی نبوت کو پہچانتا تھا اور اس قسم کی اور بھی کئی حدیثیں آ چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ﷺ کی نبوت کو پہچانتا تھا پس شیعہ ان سے دلیل پکڑتے ہیں کہ ابو طالب مسلمان ہو کر مرا اور حشویہ یہ کہتے ہیں کہ کفر میں مرا لیکن یہ خیال اور استدلال سب باطل اور مردود ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ میں بیان کیا۔

٩٥٤ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ.

٩٥٤۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگوں میں قحط پڑتا اور مینہ بند ہو جاتا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ (حضرت ﷺ کے چچا) کے وسیلے سے مینہ مانگتے تھے سو اس طور سے دعا کرتے تھے کہ الٰہی! ہم وسیلہ پکڑتے تھے طرف تیری ساتھ نبی اپنے کے سو تو ہم پر مینہ برساتا تھا اور اب ہم وسیلہ پکڑتے ہیں طرف تیری ساتھ چچا نبی اپنے کے سو ہم کو پانی دے اور ہم پر مینہ کو برسا انس رضی اللہ عنہ نے کہا سو اللہ ان پر مینہ کو برساتا تھا۔

فائدہ: پہلی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوا کہ لوگ حضرت ﷺ کے وسیلے سے مینہ کی دعا مانگا کرتے تھے اور جب آپ کے وسیلے سے مینہ کی دعا مانگنی جائز ہوئی تو آپ کو مینہ مانگنے کے واسطے آگے کرنا بطریق اولیٰ لائق ہو گا پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے اس طور پر مطابق ہے کہ اس کے بعض طریقوں میں یہ لفظ آ گیا ہے کہ جب حضرت ﷺ کے زمانے میں قحط پڑتا تو لوگ آپ کے وسیلے سے مینہ کے

واسطے دعا مانگتے تو گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت قدیمہ کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ یہ مسئلہ اس کے بعض طریقوں میں ثابت ہے اور عبدالرزاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ مینہ کی دعا مانگنے کے واسطے عید گاہ میں گئے سو عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اٹھ اور مینہ کے واسطے دعا مانگ سو عباس رضی اللہ عنہ اٹھ کر ان کے ساتھ دعا مانگنے لگے پس اس قصہ سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے مینہ مانگنے کی درخواست کی پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب امام کسی کو مینہ مانگنے کے واسطے حکم کرے تو وہ بھی قائم مقام امام کے سمجھا جاتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکوکار اور پرہیز گار لوگوں کو شفیع اور وسیلہ بنانا جائز ہے اور اسی طرح اہل بیت نبوت سے استسقاء اور استشفاع چاہنا جائز ہے۔

بَابُ تَحْوِيْلِ الرِّدَآءِ فِي الْإِسْتِسْقَآءِ.
استسقاء کی نماز میں چادر پلٹ کر اوڑھنے کا بیان۔

فائدہ: چادر پلٹنے کی صورت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے چادر کے نیچے کے بائیں کھونٹ پکڑے اور بائیں ہاتھ سے اس کے نیچے کی دائیں کھونٹ پکڑے پھر نیچے کی طرف کو پلٹ کر اوپر کی طرف لائے اور اوپر کی طرف کو پھیر کر نیچے کی طرف لے جائے اور یا چادر کی دائیں طرف کو بائیں مونڈھے پر پھیرے اور اس کی بائیں طرف کو دائیں مونڈھے پر کرے۔

٩٥٥ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰى فَقَلَبَ رِدَآءَهُ.

٩٥٥۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینہ کے واسطے دعا کی سو اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔

٩٥٦ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ يُحَدِّثُ أَبَاهُ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَآءَهُ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ هُوَ صَاحِبُ الْأَذَانِ وَلٰكِنَّهُ وَهْمٌ فِيْهِ لِأَنَّ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ

٩٥٦۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف نکلے سو آپ نے مینہ کے لیے دعا مانگی اور قبلے کی طرف منہ کیا اور اپنی چادر کو پلٹا اور دو رکعتیں نماز پڑھی۔

الْمَازِنِيُّ مَازِنُ الْأَنْصَارِ.

فائدہ: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ استسقاء میں چادر کو پلٹنا مستحب ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس میں دلیل ہے واسطے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے کہ استسقاء میں چادر کو اوڑھنا مستحب ہے یعنی امام کو بھی اور مقتدیوں کو بھی جیسا کہ دوسرے طریق میں یہ لفظ زیادہ آیا ہے کہ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ چادریں پلٹائیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چادر پھیرنی مستحب نہیں اور لیث اور ابو یوسف کہتے ہیں کہ فقط امام چادر پلٹے مقتدی نہ پلٹیں اور بعضوں نے کہا کہ عورتیں بھی چادر کو نہ پلٹیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استسقاء میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں پس اس میں رد ہے اس پر جو نماز سے منکر ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استسقاء میں خطبہ نماز سے پہلے پڑھنا چاہیے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی حدیث میں تصریح آ چکی ہے کہ آپ نے نماز خطبے سے پہلے پڑھی پس مستحب یہی ہے کہ نماز خطبہ سے پہلے پڑھی جائے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اخیر قول بھی یہی ہے اور لیث وغیرہ بعض کہتے ہیں کہ پہلے خطبہ پڑھے پھر نماز پڑھے لیکن یہ اختلاف سب افضلیت میں ہے جواز میں اختلاف نہیں سو اگر نماز سے پہلے خطبہ پڑھے تو جب بھی درست ہے لیکن افضل یہی ہے کہ نماز خطبے سے پہلے پڑھے پیچھے خطبہ پڑھے جیسا کہ عیدین میں ہے اور اس میں یہ بھی اختلاف ہے کہ نماز استسقاء میں عید کی طرح زائد تکبیریں کہے یا نہیں سو جمہور علماء کہتے ہیں کہ زیادہ تکبیریں نہ کہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن زبیر اور ابن مسیب اور مکحول وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں عید کے برابر تکبیریں کہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ نے عید کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں اور جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ یہ نماز عدد اور جہری قرأت اور خطبے سے پہلے پڑھنے میں عید کی نماز کی طرح ہے لیکن اس تاویل کی کچھ حاجت نہیں اس لیے کہ اس باب میں ایسی کوئی حدیث صحیح نہیں آئی جو تکبیروں کی ممانعت میں صریح ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو استسقاء میں چادر پلٹنے کو مستحب نہیں جانتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ چادر کا پلٹ کر اوڑھنا اتفاقاً واقع ہوا ہے شرعاً جائز کرنے اور تشریع سنت کے واسطے آپ نے یہ فعل نہیں کیا یا اس میں کوئی بھید ہوگا جو ہم کو معلوم نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ اتفاقاً وہاں صادق آتا ہے جیسا کہ چادر مونڈھوں سے نیچے گرنے لگے یا ابتدا سے اوڑھے اور جو چادر کہ آدمی نے آگے سے اوڑھی ہو اس کو قصداً پلٹ کر اوڑھنے پر اتفاق صادق نہیں آ سکتا اور نیز اگر یہ معاملہ اتفاقاً ہوتا تو پھر راوی اس کو ہرگز بیان نہ کرتا معلوم ہوا کہ راوی نے اس کو تشریع جانا اسی واسطے ذکر کیا ورنہ اس کا ذکر کرنا محض لغو تھا اور نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب افعال تشریع پر محمول ہیں جب تک کہ منع کی کوئی دلیل ثابت نہ ہو اور نیز دوسری روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح موجود ہے کہ سب لوگوں نے آپ کے ساتھ چادریں پلٹیں پھر وہاں اتفاقاً کیسے صادق آئے گا پس ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے اس فعل کو تشریع پر محمول کیا اور اس سے

اس فعل کا مشروع اور جائز ہونا سمجھا اور کسی صحابی نے اس کا خلاف یا انکار نہ کیا پس معلوم ہوا کہ اس کے مشروع ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اب اس کو مشروع نہ کہنا اجماع صحابہ کے مخالف ہے پس یہ قول قطعا باطل اور مردود ہے اور نیز ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ پہلے حضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ چادر کے نیچے کی طرف کو پلٹ کر اوپر لائیں سو وہ چادر آپ کو بھاری معلوم ہوئی پھر دائیں طرف کو پلٹ کر بائیں طرف کیا سو یہ حدیث بھی صریح ہے اس باب میں کہ یہ امر اتفاقی نہیں تھا بلکہ آپ نے قصدا کیا اور اسی طرح اس کو کسی مخفی بھید پر محمول کرنا بھی باطل ہے اس لیے کہ تمام صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ یہ فعل کیا سو اگر اس میں کوئی راز ہوتا تو اصحاب اس کو نہ کرتے یا حضرت ﷺ ان کو اس سے منع کرتے پس صحابہ کے فعل میں اس بھید کی کوئی گنجائش نہیں اور آپ کی یہ تقریر اس کے جواز میں صریح ہے اور نیز اس پر کوئی دلیل نہیں محض خیال اور مجرد احتمال ہے جس سے استدلال جائز نہیں اور نیز دار قطنی اور حاکم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے یہ فعل نیک فالی کے واسطے کیا کہ قحط کا حال بدل جائے اور مینہ برسے اور راوی اس کے ثقہ ہیں اور دار قطنی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے پس یہ حدیث محض تخمین اور ظن سے ہر حال مقدم ہے اور بعض نے کہا کہ آپ نے اس واسطے چادر پلٹی تھی کہ ہاتھ اٹھانے کے وقت مونڈھوں پر ٹھہری رہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ پھر سب اصحاب نے آپ کے ساتھ چادریں کیوں پلٹیں پس اس میں اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور نیز ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا اس کے ٹھہرے رہنے پر دلالت نہیں کر سکتا ہے پس اس تخمین سے حدیث کا اتباع اولیٰ ہے اور نیز یہ دونوں تاویلیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تحویل رداء جائز نہیں حالانکہ حجاز کے حنفیہ بھی قائل ہیں۔

بَابُ اِنْتِقَامِ الرَّبِّ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ مِنْ خَلْقِهٖ بِالْقَحْطِ اِذَا انْتُهِكَ مَحَارِمُهٗ.

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے قحط کے ساتھ بدلہ لینا جب کہ اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کی حرمت نہ رہے۔

فائدہ: یہ باب حدیث سے خالی ہے کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت تھی کہ پہلے باب لکھتا تھا پھر حدیثوں میں نظر کرتا سو جو حدیث اس کے مطابق پاتا اس کے تحت میں داخل کرتا اور اس باب کے مطابق وہ حدیث ہے جو استسقاء کے دوسرے باب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے گزر چکی ہے کہ حضرت ﷺ کی بد دعا سے کفار قریش پر ایسا قحط پڑا کہ انہوں نے ہڈیوں اور مردار کو کھایا سو شاید بخاری نے اس حدیث کو اس کے تحت داخل کرنے میں اس واسطے تاخیر کی ہوگی کہ کسی دوسری سند سے اس کو تلاش کر کے لکھیں گے لیکن پھر کوئی مانع پیش آ گیا ہوگا جس کی وجہ سے لکھنے کا موقع نہ ملا، واللہ اعلم۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَآءِ فِی الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ.

جامع مسجد میں مینہ طلب کرنے کا بیان۔

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ استسقاء تین قسم پر ہے ایک یہ کہ صرف مینہ کے واسطے دعا کرے نماز نہ پڑھے

دوسرا یہ کہ جمعہ کے خطبے میں یا فرضوں کے بعد استسقاء کرے اور پہلی قسم سے افضل ہے تیسری یہ کہ پہلے روزہ رکھے اور صدقہ دے اور توبہ کرے پھر دو رکعتیں نماز پڑھ کر دو خطبے پڑھے پھر مینہ کے واسطے دعا مانگے اور یہ طریقہ سب سے افضل ہے سو تیسرے باب میں تیسری قسم کا ذکر تھا اور اس باب میں دوسری قسم کا ذکر ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ استسقاء کے واسطے میدان میں نکلنا شرط نہیں۔

٩٥٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ وِجَاهَ الْمِنْبَرِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيْثُنَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اسْقِنَا اللّٰهُمَّ اسْقِنَا اللّٰهُمَّ اسْقِنَا قَالَ أَنَسُ وَلَا وَاللّٰهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ مِنْ سَحَابٍ وَّلَا قَزَعَةٍ وَّلَا شَيْئًا وَّمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِّنْ بَيْتٍ وَّلَا دَارٍ قَالَ فَطَلَعَتْ مِنْ وَّرَآئِهٖ سَحَابَةٌ مِّثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَآءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ قَالَ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِّنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَّخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ

٩٥٧۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد جمعہ کے دن منبر کے سامنے کے دروازے سے مسجد میں آیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ پڑھتے تھے سو وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا سو اُس نے عرض کی کہ یا حضرت! جانور مر گئے کہ مینہ نہ برسنے کی وجہ سے ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی اور راستے بند ہو گئے کہ سواری کے اونٹ بھوک سے مر گئے یا راہ چلنے سے عاجز ہو گئے کہ راہ میں گھاس پانی نہیں ملتا یا آدمیوں کے پاس راہ کا خرچ نہیں رہا اور سواریوں میں قوت نہیں سو آپ دعا کیجئے اللہ مینہ برسادے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی تین بار الٰہی! ہماری فریاد رسی کر ہم پر مینہ کو برسا الٰہی! ہم پر مینہ برسا الٰہی! ہم کو پانی دے انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم آسمان پر اکٹھا یا متفرق کچھ بادل نہ دیکھتے تھے بلکہ ہوا وغیرہ کوئی اور نشانی بھی بادل کی نہ تھی جو مینہ پر دلالت کرے اور ہمارے اور سلع (پہاڑ) کے درمیان نہ کوئی گھر تھا اور نہ کوئی محل تھا جو درمیان میں آڑ ہو یعنی آسمان بالکل صاف پڑا تھا سو یکا یک ایک پہاڑ کے پیچھے سے ڈھال کی طرح چھوٹی گول بدلی اٹھی اور جب آسمان کے درمیان پہنچی تو سب آسمان پر پھیل گئی پھر برسنے لگی۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا سو اللہ کی قسم! سات دن سورج نظر نہ پڑا یعنی ایک ہفتہ لگا تار پانی برستا رہا اور جھڑی لگی رہی سو آئندہ جمعہ میں ایک مرد اسی دروازے سے پھر آیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكُهَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَانْقَطَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ قَالَ شَرِيْكٌ فَسَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ قَالَ لَا أَدْرِيْ.

کھڑے خطبہ پڑھتے تھے سو وہ مرد آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کی کہ یا حضرت! جانور پانی کی کثرت سے مر گئے اور راہیں بند ہو گئیں آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ مینہ کو روکے سو حضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی کہ الٰہی! ہمارے آس پاس پانی برسے ہم پر اب نہ برسے الٰہی! ٹیلوں پر اور پہاڑیوں پر اور نالوں میں اور جنگل کے درختوں میں مینہ برسے سو بادل برسنے سے رک گیا اور سورج نکل آیا سو ہم سورج کی روشنی میں چلتے باہر نکلے شریک نے کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ وہی پہلا مرد تھا یا کوئی اور تھا اس نے کہا میں نہیں جانتا۔

فائدہ: دوسری حدیث میں آیا ہے کہ مدینے کے اوپر سے بادل ٹل گیا مدینہ ڈھال کی طرح خالی ہو گیا آس پاس برسا کیا یہ آپ کا معجزہ تھا؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدان کی طرف نکلنا استسقاء میں شرط نہیں بلکہ اگر جامع مسجد میں استسقاء کرے تو تب بھی جائز ہے اور یہی ہے وجہ مطابقت اس حدیث کی باب سے اور اس حدیث سے اور بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ جمعہ کے خطبے میں کلام کرنی جائز ہے اور وہ کلام اور مینہ سے قطع نہیں ہوتا اور یہ کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے اور یہ کہ جماعت کی طرف سے ایک آدمی کا مختار ہو کر کلام کرنا جائز ہے اور یہ اہل خیر اور پرہیزگاروں سے دعا کروانی جائز ہے اور یہ کہ ایک دعا کو تین بار مانگنا چاہیے اور یہ کہ مینہ مانگنے کی دعا جمعہ کے خطبے میں داخل کرنی جائز ہے اور یہ کہ منبر پر استسقاء کرنا جائز ہے اور جمعہ کی نماز استسقاء کی نماز کے بدلے کافی ہو جاتی ہے اور اس حدیث کے سیاق سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے جمعہ کے ساتھ استسقاء کی نیت کر لی تھی اور اس قسم میں تحویل رداء اور استقبال قبلہ کو ترک کرنا جائز ہے اور یہ کہ اس میں نبوت کی نشانی ہے کہ آپ کی دعا سے فوراً مینہ برسنا شروع ہوا اور آپ کی دعا سے بند ہوا اور یہ کہ دفع ضرر کے واسطے دعا مانگنی توکل کے منافی نہیں اگرچہ تفویض الی اللہ افضل ہے اور یہ کہ خطیب کو لوگوں کے حالات سے تعجب کر کے منبر پر ہنسنا جائز ہے اور حاجت کے واسطے مسجد میں پکار کر بولنا جائز ہے اور یہ کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانے جائز ہیں اور یہ کہ حاجت کے واسطے صحت کی دعا مانگنی جائز ہے۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِيْ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ.

جمعہ کے خطبے میں مینہ کے واسطے دعا مانگنی جائز ہے اور اس میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

٩٥٨ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ مِّنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَّخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيْثُنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا قَالَ أَنَسٌ وَّلَا وَاللّٰهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ مِنْ سَحَابٍ وَّلَا قَزَعَةٍ وَّمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِّنْ بَيْتٍ وَّلَا دَارٍ قَالَ فَطَلَعَتْ مِنْ وَّرَآئِهٖ سَحَابَةٌ مِّثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَآءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ فَلَا وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِبْتًا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِّنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَّخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهٗ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اللّٰهُمَّ عَلَى الْأَكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَأَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ قَالَ

٩٥٨۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد جمعہ کے دن مسجد میں آیا اس دروازے سے جو دار القضا کی طرف تھا...... الخ باقی ترجمہ اس کا وہی ہے جو ابھی گزرا یہاں فقط اس لفظ سے غرض ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں مینہ کے واسطے دعا مانگی اور جمعہ کے خطبے کو استقبال قبلہ کا ترک کرنا لازم ہے پس وجہ مناسبت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

شَرِيْكٌ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ فَقَالَ مَا أَدْرِيْ.

بَابُ الْإِسْتِسْقَآءِ عَلَى الْمِنْبَرِ.

منبر پر مینہ کے واسطے دعا مانگنی جائز ہے۔

٩٥٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَآءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَحَطَ الْمَطَرُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّسْقِيَنَا فَدَعَا فَمُطِرْنَا فَمَا كِدْنَا أَنْ نَّصِلَ إِلٰى مَنَازِلِنَا فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ قَالَ فَقَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّصْرِفَهُ عَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا قَالَ فَلَقَدْ رَأَيْتُ السَّحَابَ يَتَقَطَّعُ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا يُمْطَرُوْنَ وَلَا يُمْطَرُ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ.

٩٥٩۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس حالت میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تھے کہ اچانک ایک مرد آیا سو اُس نے عرض کیا کہ یا حضرت! مینہ بند ہو گیا سو آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم کو پانی دے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی سو اللہ نے ہم پر مینہ کو برسایا پس نہیں نزدیک تھا کہ ہم پانی کی کثرت سے اپنے گھروں میں پہنچیں یعنی پانی کا اس قدر زور تھا کہ ہم مشکل سے اپنے گھروں میں پہنچے سو آئندہ جمعہ تک ہمیشہ لگا تار پانی برستا رہا سو پھر وہی مرد یا کوئی اور کھڑا ہوا سو عرض کی کہ یا حضرت! اللہ سے دعا کیجئے کہ مینہ کو روکے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی کہ الٰہی! ہمارے آس پاس برسے ہم پر اب نہ برسے سو البتہ میں نے بادل کو دیکھا کہ دائیں بائیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا یعنی مدینہ سے ٹل گیا آس پاس کے لوگوں پر برستا اور مدینہ والوں پر نہ برستا۔

فائدہ: یہ آپ کا معجزہ تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منبر پر مینہ کے واسطے دعا مانگنی جائز ہے۔

بَابُ مَنِ اكْتَفٰى بِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ فِي الْإِسْتِسْقَآءِ.

جمعہ کی نماز استسقاء کی نماز کے بدلے کافی ہو جاتی ہے۔

٩٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَدَعَا فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ تَهَدَّمَتِ

٩٦٠۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا سو عرض کی کہ یا حضرت! پانی کی قلت سے جانور مر گئے اور راہیں بند ہو گئیں سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینہ کے واسطے دعا کی سو اللہ نے ہم پر مینہ برسایا اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک پھر کوئی مرد آیا سو عرض کی کہ یا حضرت! گھر پانی کی کثرت سے گر گئے اور راہیں بند ہو گئیں اور جانور

الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكُهَا فَقَامَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ عَلَى الْأٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

مر گئے سو حضرت ﷺ نے یہ دعا کی کہ الٰہی! ٹیلوں پر اور پہاڑیوں پر اور نالوں میں اور درخت اگنے کی جگہوں میں مینہ برسے پس بادل مدینے سے ٹل گیا اور جدا ہو گیا جیسا کہ کپڑا بدن سے جدا ہو جاتا ہے یا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جیسا کہ کپڑا قطع کے وقت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز استسقاء کی نماز کے بدلے کافی ہو جاتی ہے کہ حضرت ﷺ نے استسقاء میں فقط جمعہ کی نماز پر کفایت کی۔

بَابُ الدُّعَآءِ إِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ.

جب پانی کی کثرت سے راہیں بند ہو جائیں اور راہوں میں پانی کے نالے بہہ چلیں تو اس وقت مینہ بند ہونے کے واسطے دعا مانگنی جائز ہے۔

٩٦١ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمُطِرُوْا مِنْ جُمُعَةٍ إِلَى جُمُعَةٍ فَجَآءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ عَلَى رُءُوْسِ الْجِبَالِ وَالْأٰكَامِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

٩٦١ ـ اور مطلب اس حدیث انس رضی اللہ عنہ کا وہی ہے جو اوپر گزرا اور غرض یہاں صرف اس لفظ سے ہے کہ حضرت ﷺ نے دعا کی پس مدینے سے بادل ٹل گیا اور مینہ بند ہو گیا اور مطلب اس باب کا یہ ہے کہ جیسے قحط کے وقت مینہ کے واسطے دعا مانگنی جائز ہے ویسے ہی مینہ کی کثرت اور طغیانی کے وقت بھی دعا مانگنی جائز ہے تاکہ لوگوں کو ضرر نہ پہنچے۔

بَابُ مَا قِيْلَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

بعض کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے جمعہ کے دن استسقاء

وَسَلَّمَ لَمْ يُحَوِّلْ رِدَآءَهُ فِي الْإِسْتِسْقَآءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

میں چادر کو نہیں پلٹا۔

٩٦٢ـ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَاكَ الْمَالِ وَجَهْدَ الْعِيَالِ فَدَعَا اللّٰهَ يَسْتَسْقِيْ وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَآءَهُ وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

٩٦٢ـ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے جانور مرنے اور بال بچوں کی بھوک اور تکلیف کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی یعنی قحط پڑ گیا ہے اور مینہ نہیں برسا سو آپ نے مینہ کے واسطے اللہ سے دعا کی اور انس رضی اللہ عنہ نے نہ یہ ذکر کیا کہ آپ نے چادر کو پلٹا اور نہ یہ کہ آپ نے قبلے کی طرف منہ کیا۔

فائدہ: اس حدیث سے بعض دلیل پکڑتے ہیں کہ استسقاء میں چادر پلٹ کر اوڑھنی سنت نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ احتمال ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے نیچے دوم درجے کے راوی کا یہ قول ہو نہ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا اور نیز راوی کے نہ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی نہ ہو اور نیز اگر فرضا آپ نے اس موقع میں چادر کو نہ بھی پلٹا ہو تو اس سے تحویل رداء کی نفی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ استسقاء کئی طور سے آیا ہے پس ایک کے ذکر سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی اور نہ جس حدیث میں تحویل رداء کا ذکر ہے وہ بھی عدم تحویل رداء کی نفی پر دلالت کرے گی اور یہ جھگڑے کو مضر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے چھ یا سات بار استسقاء کیا ہے سوایک بار کے سوا آپ نے کبھی چادر کو نہیں پلٹا سو جواب اس کا وہی ہے جو اوپر گزرا کہ استسقاء کئی قسم پر ہے ایک قسم دوسری سے علیحدہ ہے ایک میں تحویل کا ذکر ہے دوسری میں نہیں اور ایک میں استقبال قبلے کا ذکر ہے اور دوسری میں نہیں اور ایک میں نماز کا ذکر ہے اور دوسری میں نہیں سو چادر کا دوسرے وقتوں میں نہ پلٹنا اس کی نفی پر دلالت نہیں کرتا اور نیز عدم ذکر عدم وقوع کو مستلزم نہیں اور نیز یہ زیادتی علم کی ہے پس لابد مقدم ہوگی اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ابوداؤد میں روایت آچکی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں چادر کو پلٹ کر اوڑھا پس معلوم ہوا کہ آپ نے کئی بار چادر کو پلٹا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے استسقاء کیا اور چادر کو نہ پلٹا سو جواب اس کا بعد تسلیم صحت کے ہے کہ اس سے دوسرے طریقوں کی نفی نہیں نکلتی ہے ورنہ کسی اور طریقے سے استسقاء جائز نہ ہوگا حالانکہ جواز میں کسی کو بھی کلام نہیں اور نیز خالی نہیں اس سے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل یا تو تحویل کے عدم استحباب پر دلالت کرے گا اور یا عدم جواز پر کرے گا سو شق اول ہم کو مضر نہیں کہ ہم استحباب کو اور حدیثوں سے ثابت کر لیں گے اور شق ثانی سے اور سب طریقے ناجائز ٹھہریں گے اور یہ جھگڑے کو مضر ہے اس لیے کہ استسقاء میں نماز وغیرہ کے جواز کا وہ بھی قائل ہے اور نیز اس کے بعض

طریقوں میں خطبے کا بھی ذکر آ گیا ہے جیسا کہ زبیر نے انساب میں بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عباس رضی اللہ عنہ کو والد کی طرح جانتے تھے...... الخ پس جھگڑے کو لازم آئے گا کہ خطبے کا قائل ہو اور اسی طرح فال کے واسطے چادر کو پلٹنا اس کے ترک کو مستلزم نہیں بلکہ اس کے ہمیشہ کرنے کو مستلزم ہے اور نیز کسی حکم میں کسی علت کا پایا جانا اس کے سنت ہونے کے منافی نہیں۔

بَابُ إِذَا اسْتَشْفَعُوْا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ.

جب لوگ امام کو استسقاء کے واسطے شفیع بنانا چاہیں کہ وہ اللہ سے ان کے لیے مینہ مانگے تو وہ ان کے سوال کو رد نہ کرے۔

٩٦٣ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ فَدَعَا اللّٰهَ فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ فَجَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ عَلٰى ظُهُوْرِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِيْنَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

٩٦٣۔ ترجمہ اور مطلب اس حدیث انس رضی اللہ عنہ کا وہی ہے جو اوپر گزرا۔

فائدہ: پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگ امام کو استسقاء میں سفارشی بنا دیں اور اس سے مینہ مانگنے کی درخواست کریں تو وہ ان کی درخواست کو رد نہ کرے بلکہ ان کے واسطے اللہ سے مینہ کی دعا کرے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مینہ مانگنے والے آدمی کے سوال کو رد نہ کیا بلکہ ان کے واسطے مینہ کی دعا کی پس مطابقت اس حدیث کی ترجمہ سے ظاہر ہے اور اگر کوئی کہے کہ یہ باب پہلے بھی گزر چکا ہے کہ جب قحط پڑ جائے تو لوگ امام سے مینہ مانگنے کی درخواست کریں

چنانچہ وہ باب یہ ہے سوال الناس الامام اذا قحطوا پس ان دونوں بابوں میں فرق کیا ہے تو کہا جائے گا کہ پہلے باب میں یہ ذکر ہے کہ قحط کے وقت لوگوں کو چاہیے کہ امام سے درخواست کریں اور اس باب میں یہ ذکر ہے کہ امام ان کے سوال کو رد نہ کرے پس پہلے میں اس چیز کا ذکر ہے جو لوگوں پر لازم ہے اور دوسرے میں اس چیز کا ذکر ہے جو امام پر لازم ہے پس فرق ظاہر ہے۔

بَابُ إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُوْنَ بِالْمُسْلِمِيْنَ عِنْدَ الْقَحْطِ.

جب قحط میں مشرک مسلمانوں کو مینہ مانگنے کے واسطے شفیع بنا دیں تو مسلمان ان کی سفارش کو قبول کریں اور ان کے واسطے مینہ مانگیں۔

٩٦٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ وَالْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ أَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ إِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَئُوْا عَنِ الْإِسْلَامِ فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتّٰى هَلَكُوْا فِيْهَا وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ فَجَآءَهٗ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ جِئْتَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ هَلَكُوْا فَادْعُ اللّٰهَ فَقَرَأَ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ ثُمَّ عَادُوْا إِلٰى كُفْرِهِمْ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَزَادَ أَسْبَاطٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُقُوا الْغَيْثَ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا وَّشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَأْسِهٖ فَسُقُوا النَّاسُ حَوْلَهُمْ.

٩٦٤۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا سو اُس نے کہا کہ کفار قریش نے اسلام میں دیر کی یعنی اسلام کو قبول نہ کیا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بددعا کی سو ان کو قحط نے پکڑا یہاں تک کہ وہ اس میں ہلاک ہوئے اور ہڈیوں اور مردار کو کھا گئے سو ابوسفیان آپ کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد! تو برادر پروری کا حکم کرتا ہے اور البتہ تیری قوم قحط سے ہلاک ہوئی سو اللہ سے دعا مانگ سو آپ نے یہ آیت پڑھی کہ تو راہ دیکھ جس دن کہ لائے گا آسمان دھواں صریح جو گھیر لے لوگوں کو آخر تک پھر وہ کفر کی طرف پلٹ گئے پس یہ مورد ہے اس آیت کا جس دن پکڑیں گے ہم بڑے گھروں کو دن کے یعنی جب انہوں نے عہد توڑا اور کفر کی طرف پلٹ گئے تو یہ آیت اس کے رد میں نازل ہوئی کہ ہم بدر میں بدلہ لیں گے اور اسباط نے اپنی روایت میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے واسطے مینہ کی دعا کی پس پانی دیے گئے سو سات دن لگا تار ان پر پانی برسا لوگوں نے پانی کی کثرت سے شکایت کی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی کہ الٰہی! ہمارے آس پاس مینہ برسے ہم پر اب نہ برسے پس آپ کے سر سے بادل ٹل گیا اور آس پاس کے لوگ پانی دیے گئے یعنی آس پاس لوگوں پر برسایا گیا تھا مدینہ خالی ہوگیا۔

فائدہ: فتح الباری میں لکھا ہے کہ جب کفار قریش نے سجدے میں اونٹ کی اوجھڑی حضرت ﷺ کی پیٹھ پر رکھ دی تب آپ نے ان کے حق میں قحط کی بد دعا کی پھر ان کے واسطے مینہ کی دعا کی لیکن حضرت ﷺ کے سوا اور کسی کے واسطے کافروں کے حق میں مینہ کی دعا کرنا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ حضرت ﷺ کا خاصہ تھا کہ آپ کو اس کی مصلحت پر اطلاع ہوگئی تھی پس آپ کے سوا اور کسی امام کو کافروں کے واسطے دعا کرنی جائز نہیں لیکن اگر یہ امید ہو کہ کافر لوگ کفر کو چھوڑ دیں گے یا اس سے عام مسلمانوں کو نفع پہنچے گا تو ایسی حالت میں کافروں کے واسطے مینہ کی دعا کرنی جائز ہے واللہ اعلم۔ اور حضرت ﷺ کی دعا سے سات دن لگا تار پانی برسنا دو بار واقع ہوا ہے ایک بار تو یہ معاملہ مکے میں ہوا ہے کہ پہلے آپ نے کفار قریش پر قحط کی بد دعا کی اور پھر جب تنگ ہو گئے اور ابو سفیان نے آپ سے مینہ کی درخواست کی تو ان کے واسطے مینہ کی دعا مانگی اور اس حدیث میں اسی مکے کے معاملہ کا ذکر ہے اور دوسری بار یہ معاملہ مدینے میں واقعہ ہوا ہے کہ آپ نے جمعہ کے خطبے میں مینہ کی دعا مانگی جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہو چکا ہے پس یہ واقع متعدد ہے اور شاید احتمال ہے کہ اس وقت مکے میں ابو طالب بھی موجود ہو گا اسی واسطے اُس نے حضرت ﷺ کی مدح میں شعر کہا کما مر ذکرہ۔

بَابُ الدُّعَآءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا.

جب مینہ کثرت سے برسے تو اس وقت یہ دعا مانگنی جائز ہے کہ الٰہی ہمارے آس پاس پانی برسے ہم پر اب نہ برسے۔

فائدہ: غرض اس باب سے یہ ہے کہ اگر مینہ کی کثرت سے دعا مانگے تو اس قسم کے لفظوں سے دعا مانگے اس لیے کہ مینہ اللہ کی رحمت ہے سو اس کے مطلق بند ہونے کے واسطے دعا مانگنی مناسب نہیں بلکہ ایسے طور سے دعا کرے کہ نفع باقی رہے اور ضرر دفع ہو جائے جیسا کہ حضرت ﷺ کی اس دعا کا مضمون ہے کہ ہمارے آس پاس برسے ہم پر نہ برسے۔

٩٦٥ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ فَقَامَ النَّاسُ فَصَاحُوْا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَحَطَ الْمَطَرُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ فَادْعُ اللهَ يَسْقِيْنَا فَقَالَ اللّٰهُمَّ اسْقِنَا مَرَّتَيْنِ وَايْمُ اللهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ قَزَعَةً مِّنْ سَحَابٍ

٩٦٥۔ ترجمہ اور مطلب اس حدیث کا وہی ہے جو اوپر گزرا اس میں اتنا زیادہ ہے کہ مدینہ کھل گیا یعنی اس کے اوپر سے بادل ٹل گیا سو اس کے آس پاس برسنے لگا اور مدینے میں ایک قطرہ بھی نہیں برستا تھا سو میں نے مدینے کی طرف دیکھا اور بیشک وہ مثل تاج کی نظر آتا تھا یعنی اور سب طرفوں میں بادل باقی تھا فقط مدینے پر بادل نہیں رہا تھا سو جتنی جگہ کہ مدینے کے اوپر بادل میں خالی ہو گئی تھی وہ جگہ ایسی گول تھی جیسا کہ بادشاہی تاج ہوتا ہے۔

فَنَشَأَتْ سَحَابَةٌ وَّأَمْطَرَتْ وَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ تَزَلْ تَمْطِرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ صَاحُوْا إِلَيْهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يَحْبِسُهَا عَنَّا فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَكَشَطَتِ الْمَدِيْنَةُ فَجَعَلَتْ تَمْطُرُ حَوْلَهَا وَلَا تَمْطُرُ بِالْمَدِيْنَةِ قَطْرَةٌ فَنَظَرْتُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ وَإِنَّهَا لَفِيْ مِثْلِ الْإِكْلِيْلِ.

بَابُ الدُّعَآءِ فِي الْإِسْتِسْقَآءِ قَآئِمًا.

استسقاء میں کھڑے ہوکر دعا کرنے کا بیان یعنی خواہ خطبے میں ہو خواہ غیر خطبے میں ہو۔

فائدہ: حکمت اس میں یہ ہے کہ لوگ امام کو دیکھ کر اس کی پیروی کریں۔

٩٦٦ ۔ وَقَالَ لَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْأَنْصَارِيُّ وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَآءُ بْنُ عَازِبٍ وَزَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاسْتَسْقٰى فَقَامَ بِهِمْ عَلٰى رِجْلَيْهِ عَلٰى غَيْرِ مِنْبَرٍ فَاسْتَغْفَرَ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَآءَةِ وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ قَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ وَرَاٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْأَنْصَارِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

٩٦٦ ۔ حضرت ابو اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن یزید مینہ کے واسطے میدان کی طرف نکلا اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ نکلے سو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مینہ کے واسطے دعا کی سو وہ ان کے واسطے اپنے دونوں پاؤں پر بغیر منبر کے کھڑا ہوا یعنی زمین پر سو اللہ سے مغفرت چاہی اور مینہ کے واسطے دعا مانگی پھر دو رکعتیں نماز ادا کی اور اس میں قرأت پکار کر پڑھی اور اس کے ساتھ نہ اذان کہی اور نہ تکبیر کہی ابو اسحاق نے کہا کہ عبداللہ بن یزید نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسقاء میں کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہیے پس مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ استسقاء کی نماز میں اذان اور تکبیر یعنی مشروع نہیں اور اس پر اجماع ہو چکا ہے، قالہ ابن بطال

٩٦٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ أَنَّ عَمَّهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ لَهُمْ فَقَامَ فَدَعَا اللّٰهَ قَائِمًا ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَ الْقِبْلَةِ وَحَوَّلَ رِدَآءَهُ فَأُسْقُوْا.

٩٦٧۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے واسطے لوگوں کے ساتھ میدان کی طرف نکلے سو کھڑے ہو کر اللہ سے مینہ کے لیے دعا کی پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا سو پانی دیے گئے یعنی مینہ برسا۔

فائدہ: مطابقت اس حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَآءَةِ فِي الْإِسْتِسْقَآءِ.

استسقاء کی نماز میں پکار کر قراءت پڑھنے کا بیان۔

٩٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ وَحَوَّلَ رِدَآءَهُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ فِيْهِمَا بِالْقِرَآءَةِ.

٩٦٨۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے واسطے میدان میں نکلے سو قبلے کی طرف منہ کر کے دعا کرنے لگے اور اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا پھر بلند قراءت سے دو رکعتیں نماز پڑھی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسقاء کی نماز میں قرأت پکار کر پڑھنی سنت ہے پس مسئلہ باب کا ثابت ہوگیا۔

بَابُ كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ.

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کو لوگوں کی طرف کس طرح سے پھیرا۔

٩٦٩ - حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِيْ قَالَ فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ ثُمَّ حَوَّلَ رِدَآءَهُ ثُمَّ صَلّٰى لَنَا رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَآءَةِ.

٩٦٩۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس دن کہ آپ مینہ مانگنے کے واسطے باہر نکلے سو آپ نے لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور قبلے کی طرف منہ کیا اس حالت میں کہ دعا کرتے تھے پھر اپنی چادر کو پلٹا پھر ہم کو دو رکعتیں نماز پڑھائی ان میں قرأت پکار کر پڑھی۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ آپ نے دائیں طرف سے قبلے کی طرف منہ پھیرا یا بائیں طرف سے پس ظاہر اس سے تخییر ثابت ہوتی ہے کہ جس طرف سے چاہے پھیرے لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دائیں طرف سے منہ پھیرا ہوگا کہ آپ ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے۔

بَابُ صَلَاةِ الْإِسْتِسْقَآءِ رَكْعَتَيْنِ. استسقاء کی نماز دو رکعتیں ہے۔

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ تمام علماء سلف اور خلف صحابہ اور تابعین وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ استسقاء میں نماز سنت ہے اور اس میں کوئی مخالف نہیں ہوا مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دلیل اس کی وہ حدیثیں ہیں جن میں نماز کا ذکر نہیں اور جمہور علماء کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جو صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں کہ حضرت ﷺ نے استسقاء کے واسطے دو رکعتیں نماز پڑھی اور جن حدیثوں میں نماز کا ذکر نہیں سو ان میں سے بعض تو راوی کے نسیان پر محمول ہیں اور بعض وہ ہیں کہ آپ نے جمعہ کے خطبہ میں استسقاء کیا اور اس کے پیچھے نماز آتی ہے سو آپ نے نماز استسقاء کے بدلے جمعہ کی نماز پر اکتفا کیا اور وہی نماز اس کے بدلے کافی ہوگئی اور اگر استسقاء میں مطلق نماز نہ پڑھے تو یہ بیان ہوگا کہ بغیر نماز کے بھی استسقاء جائز ہے اور جواز میں کسی کو بھی اختلاف نہیں اور جو حدیثیں کہ نماز کی مثبت ہیں وہ ان پر مقدم ہوں گی اس لیے کہ وہ علم کی زیادتی ہے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں کہ وہ تین قسم پر ہے کما مر اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ سب شہروں کے علماء اس پر متفق ہیں کہ استسقاء میں نماز مشروع ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مشروع نہیں پس جمہور صحابہ اور تابعین وغیرہ کے عمل کے سبب سے سنیت کو ترجیح ہوگی اور نیز بعض حدیثوں میں جو نماز مذکور نہیں تو یہ عدم ذکر عدم وقوع کو مستلزم نہیں پس معلوم ہوا کہ استسقاء میں نماز سنت ہے اور نیز حنفیہ کے نزدیک امام کا قول مفتی بہ نہیں بلکہ اُن کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق استغفار کرنا فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ﴿استغفروا ربکم﴾ الآیۃ پس نماز اس میں داخل نہیں ہو گی سو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اس آیت سے استدلال کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ نماز مطلق جائز نہ ہو اس لیے کہ اس میں فقط استغفار کا ذکر ہے پس نماز سے زیادۃ علی النص بخبر الواحد لازم آئے گی اور وہ بموجب اصول حنفیہ کے جائز نہیں حالانکہ نماز کے جواز کے حنفیہ بھی قائل ہیں اور نیز ہم کہتے ہیں کہ نماز بھی استسقاء میں داخل ہے بلکہ اس کا عین ہے پس نماز کی نفی اس سے نہیں نکلتی ہے اور نیز اگر نماز اور استغفار کے درمیان فرق تسلیم کیا جائے تو کہا جائے گا کہ خبر واحد کے ساتھ عموم کتاب کی تخصیص کرنی ائمہ اربعہ وغیرہ اہل اصول کے نزدیک جائز ہے پس اس آیت کو ساتھ حدیث نماز کے مخصوص کیا جائے گا اور نیز اگر استسقاء میں فقط استغفار ہی پر کفایت کی جائے تو تب بھی جائز ہے اس لیے کہ استسقاء کئی طرح سے ثابت ہو چکا ہے پس تطبیق مقدم ہے اہمال پر اور نیز سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں استغفار سے استسقاء مراد نہیں اس لیے کہ مال اور اولاد اور باغوں وغیرہ کئی

چیزوں کو اس کے ساتھ معلق کیا ہے اور مقصود استسقاء میں فقط مینہ ہوتا ہے لا غیر پس معلوم ہوا کہ مراد استغفار سے اس آیت میں ایمان ہے پس استدلال کرنا اس سے صحیح نہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں استسقاء کیا اور فقط دعا مانگی اور نماز نہ پڑھی سو جواب اس کا یہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ استسقاء کئی طور سے آیا ہے پس احتمال ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے واسطے بیان جواز کے فقط دعا پر کفایت کی ہو اس لیے کہ فقط دعا پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے کما مر اور مستحب یا جائز امر کے ترک کرنے پر انکار کرنا کچھ ضروری نہیں ہے اور نیز تمام صحابہ اور تابعین وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ نماز سنت ہے کما مر من کلام النووی پس عمر رضی اللہ عنہ کی نماز نہ پڑھنے سے کچھ حرج نہیں اور نیز عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعض طریقوں میں خطبہ پڑھنا بھی ثابت ہو چکا ہے کما مر پس اس سے لازم آئے گا کہ خطبہ بھی مشروع ہو حالانکہ حنفیہ اس کے قائل نہیں اور نیز اس سے لازم آئے گا کہ استقبال قبلہ بھی مسنون نہ ہو کہ اس حدیث عبداللہ کے سوا اور کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں اور نیز حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے پس عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور نیز لوگوں نے عمر پر انکار کیا کہ یہ استسقاء نہیں ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ استسقاء کی نماز میں جماعت ثابت نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس باب کی حدیثوں میں تصریح موجود ہے فصلی لنا رکعتین یعنی آپ نے ہم کو دو رکعتیں نماز پڑھائی پس یہ خیال فاسد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ﷺ کا خاصہ تھا سو جواب اس کا یہ ہے کہ خاصہ محض احتمال سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور نیز اس سے لازم آئے گا کہ نماز بالکل جائز نہ ہو حالانکہ نماز حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے بلکہ اسی پر فتویٰ ہے پس اس کا خاصہ ہونا خود انہی کے فتویٰ سے باطل ہو گیا اور نیز اگر خاصہ ہوتا تو تمام صحابہ اور تابعین وغیرہ اس کے جائز ہونے کے قائل نہ ہوتے حالانکہ جواز کے سب قائل ہیں اور کسی نے اس کا خاصہ ہونا نہ سمجھا حالانکہ وہ اہل زبان تھے اور آپ کی کلام کو خوب سمجھتے تھے پس معلوم ہوا کہ اس کو خاصہ کہنا محض خیال فاسد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ استسقاء کے باب میں حدیثیں مختلف آئی ہیں پس یہ دلیل ہے ان کے مضطرب ہونے کی سو جواب اس کا یہ ہے کہ اضطراب مستلزم ہے اس بات کو کہ استسقاء کسی طور سے جائز نہ ہو اور یہ بات بالا جماع باطل ہے پس دعویٰ اضطراب بالا جماع باطل ہے اور نیز اس کا مضطرب ہونا مستلزم ہے اس بات کو کہ استسقاء میں نماز جائز نہ ہو حالانکہ نماز بالا جماع جائز ہے اور نیز حنفیہ کا فتویٰ بھی اسی پر ہے پس دعویٰ اضطراب خود حنفیہ کے قول سے باطل ہوا اور نیز استسقاء کی حدیثوں کا مختلف طور سے آنا ان کے مضطرب ہونے کے مستلزم نہیں بلکہ ہر طور سے جائز ہے اور ہر طریقہ بجائے خود مستقل ہے پس جس طور سے چاہے کرے لیکن سنت یہی ہے کہ استسقاء میں نماز پڑھے اور چونکہ حنفیہ کا فتویٰ بھی اسی پر ہے تو یہ بھی اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے ورنہ حنفیہ امام کے قول کو چھوڑ کر اس پر فتویٰ نہ دیتے۔

٩٧٠۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا — ٩٧٠۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ

سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَآءَهٗ.

نے استقاء کیا سو دو رکعتیں نماز پڑھی اور اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی حدیث میں نماز کا ذکر نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے بلکہ اور کئی حدیثوں میں بھی نماز کا ذکر آ گیا ہے جیسے کہ حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استقاء کے واسطے دو رکعتیں نماز پڑھی پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں اور طبرانی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استقاء میں دو رکعتیں نماز پڑھی اور ان میں فقط ایک ایک تکبیر کہی اور نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنن اربعہ میں روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استقاء کے واسطے عید گاہ کی طرف نکلے سو آپ نے عید کی طرح دو رکعتیں نماز پڑھی اور ظاہر ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات متعدد ہیں تاکہ سب حدیثوں میں تطبیق ہو جائے پس ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استقاء میں کئی بار نماز پڑھی ہے پس سنت ہونا اس کا ثابت ہو گیا۔

بَابُ الْاِسْتِسْقَآءِ فِي الْمُصَلّٰى.

عید گاہ میں استقاء کرنے کا بیان یعنی مستحب ہے کہ عید گاہ میں جا کر استقاء کرے۔

فائدہ: استقاء کے اول ایک باب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کی طرف نکلنا مذکور ہو چکا ہے اور اس باب میں خاص عید گاہ کا ذکر ہے پس پہلا باب مطلق ہے اور یہ مقید ہے لیکن خانے کعبے کی مسجد اور بیت المقدس اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں بہ نسبت عید گاہ کے زیادہ ثواب ہے۔

٩٧١ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَآءَهٗ قَالَ سُفْيَانُ فَأَخْبَرَنِي الْمَسْعُوْدِيُّ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ جَعَلَ الْيَمِيْنَ عَلَى الشِّمَالِ.

٩٧١۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استقاء کے واسطے عید گاہ کی طرف نکلے اور قبلے کی طرف منہ کیا سو دو رکعتیں نماز پڑھی اور چادر کو پلٹا اس کے دائیں طرف کو بائیں مونڈھے پر کیا اور بالعکس۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسقاء کے واسطے عید گاہ کی طرف نکلنا مستحب ہے۔

بَابُ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الْاِسْتِسْقَآءِ.

استسقاء میں قبلے کی طرف منہ کرنا مستحب ہے۔

٩٧٢ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ عَبَّادَ بْنَ تَمِيْمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدِ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلّٰى يُصَلِّيْ وَأَنَّهُ لَمَّا دَعَا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَآءَهُ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ هٰذَا مَازِنِيٌّ وَالْأَوَّلُ كُوْفِيٌّ هُوَ ابْنُ يَزِيْدَ.

٩٧٢۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مینہ کی دعا کرنے کے واسطے عید گاہ کی طرف نکلے اور جب دعا کرنے لگے تو قبلے کی طرف منہ کیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسقاء میں قبلے کی طرف منہ کرنا مستحب ہے۔

بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْاِسْتِسْقَآءِ.

استسقاء میں جب امام دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے تو مستحب ہے کہ لوگ بھی اس کے ساتھ ہاتھ اٹھائیں اور اس کے ساتھ دعا میں شریک ہوں۔

وَقَالَ أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ أَتٰى رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ مِّنْ أَهْلِ الْبَدْوِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَاشِيَةُ هَلَكَ الْعِيَالُ هَلَكَ النَّاسُ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ يَدْعُوْ وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ مَعَهُ يَدْعُوْنَ قَالَ فَمَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک دیہاتی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا سو اس نے عرض کی کہ یا حضرت! پانی کی قلت کی وجہ سے جانور مر گئے اور بال بچے اور سب لوگ بھوک سے ہلاک ہو گئے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی دعا کے واسطے آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم مسجد سے باہر نہ نکلے تھے یہاں تک کہ اللہ نے ہم پر مینہ برسایا سو ہمیشہ ہم پر مینہ برستا رہا یہاں تک کہ دوسرا جمعہ آ گیا سو کوئی آدمی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا حضرت!

خَرَجْنَا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى مُطِرْنَا فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ حَتّٰى كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْأُخْرٰى. فَأَتَى الرَّجُلُ إِلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَشِقَ الْمُسَافِرُ وَمُنِعَ الطَّرِيْقُ وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ وَشَرِيْكٍ سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

مسافر چلنے سے تھک گئے اور عاجز ہو گئے اور راہ بند ہو گیا یعنی پانی کی کثرت سے کوئی چل نہیں سکتا اور ایک روایت میں اتنا لفظ اور زیادہ ہے کہ حضرت ﷺ نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے اور ان کو بہت بلند کیا یہاں تک کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسقاء میں لوگوں کو امام کے ساتھ ہاتھ اٹھانے مستحب ہیں اور غرض اس باب سے رد کرنا ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ استسقاء میں فقط امام کی دعا کافی ہے۔

بَابُ رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهُ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ. مینہ مانگنے کی دعا میں امام کو اپنے ہاتھ کو اٹھانا۔

فائدہ: غرض اس باب سے یہ ہے کہ مینہ کی دعا میں امام کو ہاتھ اٹھانے جائز ہیں اور پہلے باب سے یہ مقصود تھا کہ مقتدی امام کا اتباع کریں اور یا غرض پہلے باب سے استسقاء میں ہاتھ اٹھانے کا جواز ثابت کرنا ہے اور غرض اس باب سے ہاتھ اٹھانے کی کیفیت بیان کرنی ہے کہ کہاں تک اٹھائے پس دونوں بابوں میں فرق ظاہر ہے۔

٩٧٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ دُعَآئِهٖ إِلَّا فِي الْإِسْتِسْقَآءِ وَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ.

٩٧٣۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ اپنے ہاتھ کسی دعا میں نہیں اٹھاتے تھے مگر مینہ کی دعا میں سو بیشک آپ اس میں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔

فائدہ: ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ استسقاء کے سوا اور کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے حالانکہ یہ واقعہ کے مخالف ہے اس لیے کہ دوسری بہت حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مینہ کی دعا کے سوا اور دعاؤں میں بھی آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس قسم کی حدیثیں بے شمار ہیں پس ان میں تعارض ہے سو بعض کہتے ہیں کہ ان بہت حدیثوں کے ساتھ عمل کرنا اولیٰ ہے اور یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی محمول ہے اس پر کہ اُس نے آپ کو اور جگہوں میں ہاتھ

اٹھاتے نہیں دیکھا اور اس کے نہ دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے نے بھی آپ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہ دیکھا ہو پس مثبت کو نافی پر مقدم کیا جائے گا خاص کر ایسی حالت میں کہ مثبت جماعت ہے اور نافی ایک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کی نفی خاص صفت پر محمول ہے یعنی استسقاء میں ہاتھوں کو بہت بلند اٹھاتے تھے اور اس کے سوا دوسری دعاؤں میں تھوڑا بلند کرتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ استسقاء کے سوا اور دعاؤں میں مطلق ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ جو دعا کہ کسی بلا کے دفع کرنے کے واسطے کی جائے اس میں سنت یہ ہے کہ الٹے ہاتھ سے دعا کرے یعنی ہاتھوں کی پیٹھ کو آسمان کی طرف کرے اور جو دعا کہ کسی چیز کے حاصل کرنے اور دعا مانگنے کے واسطے کی جائے اس میں سنت یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ سے دعا کرے یعنی ہاتھوں کی پیٹھ کو زمین کی طرف کرے جیسا کہ معمول اور مروج ہے پس احتمال ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے انکار کا یہ معنی ہو کہ میں نے آپ کو استسقاء کے سوا اور کسی دعا میں الٹے ہاتھ سے دعا کرتے نہیں دیکھا پس اس تاویل سے سب حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی۔

بَابُ مَا يُقَالُ إِذَا مَطَرَتْ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَصَيِّبٍ الْمَطَرُ.

جب مینہ برسنے لگے تو اس وقت کیا دعا پڑھی جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ مراد صیب سے مینہ ہے۔

فائدہ: غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تفسیر کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حدیث آئندہ میں جو صیب کا لفظ آیا ہے تو مراد اس سے مینہ ہے اور یہی قول جمہور علماء کا اور کشاف میں کہا کہ صیب کا معنی مینہ برسنے والا ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ صَابَ وَأَصَابَ يَصُوْبُ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا اور کسی نے کہا کہ صَابَ يَصُوْبُ اور أَصَابَ يُصِيْبُ مجرد اور مزید دونوں کا ایک معنی ہے یعنی اتارنا اور صیب اجوف واوی سے مشتق ہے یعنی صوب سے جس کا معنی بلندی سے نیچے آنے کا ہے اور اس کے فعل اس طور سے مستعمل ہیں صَابَ يَصُوْبُ وَأَصَابَ يُصِيْبُ.

فائدہ: خلاصہ یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کلام میں فقط صیب کے معنی کا بیان ہے اور غیر کی کلام میں اس کے اشتقاق کا بیان ہے کہ اس کا اصل کیا ہے اور کس لفظ سے مشتق ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی مناسبت باب کے ساتھ اس طور سے ہے کہ چونکہ صیب لفظ حدیث میں واقع ہوا ہے اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے معنی پہلے بیان کر دیے اور نیز امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب کوئی لفظ قرآن کا حدیث کے لفظ کے مطابق ہو تو اس لفظ قرآن کا معنی بھی اس جگہ میں بیان کر دیتا ہے۔

۹۷٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا تَابَعَهُ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنْ نَافِعٍ.

۹۷٤۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مینہ دیکھتے تو یوں دعا کرتے الٰہی! نفع دینے والا مینہ برسا یعنی ضرر دینے والا نہ ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مینہ برسنے لگے تو یہ دعا پڑھے کہ الٰہی! مینہ نافع ہو مضر نہ ہو پس مطابقت حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتّٰى يَتَحَادَرَ عَلٰى لِحْيَتِهِ.

جو شخص مینہ میں کھڑا ہو کر قصداً اپنے بدن پر مینہ برسانا چاہے یہاں تک کہ اس کی داڑھی پر ٹپکنے لگے اس نیت سے کہ وہ اللہ کے پاس سے تازہ وارد ہوا ہے اور ابھی دنیا خسیس کے ساتھ آلودہ نہیں ہوا تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور موجب ثواب ہے۔

فائدہ: صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کو اپنے بدن سے کھولا یہاں تک کہ آپ کے بدن پر مینہ برسا میں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کام کس واسطے کیا ہے فرمایا کہ وہ اللہ کے نزدیک سے تازہ وارد ہوا ہے اور زمین کے ساتھ ابھی آلودہ نہیں ہوا۔

۹۷۵ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَامَ أَعْرَابِيٌّ

۹۷۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت لوگوں میں قحط پڑا سو جس حالت میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھتے تھے کہ (اچانک) ایک دیہاتی کھڑا ہوا سو اس نے عرض کی کہ یا حضرت! پانی کی قلت سے جانور مر گئے اور بال بچے بھوک سے مرتے ہیں سو آپ اللہ سے ہمارے واسطے دعا کیجئے کہ ہم کو پانی دے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے اور آسمان پر کہیں بدلی کا نشان نہ تھا سو پہاڑوں کی طرح بادل

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا اَنْ يَّسْقِيَنَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَمَا فِي السَّمَآءِ قَزَعَةٌ قَالَ فَثَارَ سَحَابٌ اَمْثَالُ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِّنْبَرِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ قَالَ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَفِي الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِىْ يَلِيْهِ اِلَى الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى فَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِيُّ اَوْ رَجُلٌ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَآءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا قَالَ فَمَا جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى صَارَتِ الْمَدِيْنَةُ فِيْ مِثْلِ الْجَوْبَةِ حَتّٰى سَالَ الْوَادِىْ وَادِىْ قَنَاةَ شَهْرًا قَالَ فَلَمْ يَجِیْٓءْ اَحَدٌ مِّنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.

اٹھا پھر حضرت ﷺ منبر سے نیچے نہ اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی داڑھی سے ٹپکتا ہے سو ہم مینہ برسائے گئے اُس دن بھی اور اس سے پچھلے دن بھی اور اس سے پچھلے دن بھی اور جو اس کے ساتھ متصل ہے آئندہ جمعہ تک یعنی برابر سات دن تک جھڑی لگی رہی سو پھر وہی گنوار یا کوئی اور مرد کھڑا ہوا سو عرض کی کہ یا حضرت! پانی کی کثرت سے گھر گر گئے اور جانور ڈوب گئے سو آپ اللہ سے ہمارے واسطے دعا کیجیے سو حضرت ﷺ نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی کہ الٰہی! ہمارے آس پاس برسے ہم پر نہ برسے سو حضرت ﷺ اپنے ہاتھ سے آسمان کی کسی طرف اشارہ نہیں کرتے تھے مگر کہ بادل اس طرف سے کھل جاتا تھا سو مدینے کے اوپر سے بادل ٹل گیا اور مدینہ ڈھال کی طرح خالی ہوگیا یہاں تک کہ قناہ کا نالا ایک مہینہ تک بہتا رہا سو کوئی آدمی کسی طرف سے نہیں آتا تھا مگر کہ بہت مینہ کی خبر دیتا تھا یعنی ہر طرف سے مینہ کی خبر آتی تھی۔

فائدہ: غرض امام بخاری کی اس حدیث سے یہ ہے کہ مینہ کا حضرت ﷺ کی داڑھی سے ٹپکنا اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ قصداً آپ مینہ میں کھڑے رہے تا کہ مینہ آپ کے بدن پر پڑے اس لیے کہ اگر یہ امر قصداً نہ ہوتا تو آپ مینہ کی ابتداء میں منبر سے نیچے اتر آتے لیکن آپ دیر تک خطبہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ مینہ کی کثرت ہوگئی اور آپ کی داڑھی سے پانی ٹپکنے لگا اور مسلم کی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی ہے وہ صریح ہے اس میں کہ آپ قصداً مینہ میں کھڑے رہے پس معلوم ہوا کہ مینہ میں کھڑے ہونا اور اپنے بدن پر مینہ برسانا مستحب ہے۔

بَابُ اِذَا هَبَّتِ الرِّيْحُ. جب سخت آندھی چلے تو کیا کرنا چاہیے اور کیا دعا پڑھنی چاہیے؟۔

فائدہ: استسقاء میں مطلوب مینہ ہوتا ہے اور اکثر اوقات آندھی بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے پس اسی مناسبت کے

واسطے اس باب کو استسقاء کے بابوں میں داخل کیا۔

٩٧٦ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَتِ الرِّيْحُ الشَّدِيْدَةُ إِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

٩٧٦۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سخت آندھی چلتی تو اس کا اثر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک میں پہچانا جاتا یعنی خوف سے آپ کے چہرے مبارک کا رنگ بدل جاتا اور بے قرار ہو جاتے کہ مبادا اس کے ساتھ بندوں پر کوئی عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا کہ عاد کی قوم پر نازل ہوا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب سخت آندھی چلے تو اس وقت خوف کرنا چاہیے اور صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سخت آندھی چلتی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ یعنی الٰہی! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور اس کے اندر کی بھلائی اور جس واسطے یہ آندھی بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کی برائی اور اس کے اندر کی برائی اور جس واسطے یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں پس معلوم ہوا کہ جب سخت آندھی چلے تو اس وقت آدمی خوف کرے اور یہ دعا پڑھے اور شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق اس حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ترجمے کو مطلق چھوڑ دیا ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا.

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا بیان کہ مجھ کو فتح نصیب ہوئی مشرق کی ہوا سے اور ہلاک ہوئی عاد کی قوم مغرب کی ہوا سے۔

فائدہ: صبا اس ہوا کا نام ہے جو پورب سے پچھم کو چلتی ہے اور اس کو قبول (سامنے سے آنے والی) بھی کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے دروازے سے ٹکر کھاتی ہے اور دبور (پیچھے سے آنے والی) اس ہوا کا نام ہے جو پچھم سے پورب کو چلتی ہے اور جنوب اس ہوا کا نام ہے جو دکھن (جنوب کی طرف) سے اتر (شمال کی طرف) کر چلتی ہے اور شمال اس ہوا کا نام ہے جو اتر سے دکھن کو چلتی ہے اور صبا کی ہوا بادل کو جمع کرتی ہے اور اکثر اوقات اس وقت مینہ برستا ہے پس یہ ہے وجہ مناسبت اس باب کی استسقاء سے۔

٩٧٧ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ.

٩٧٧۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو فتح نصیب ہوئی پورب کی ہوا سے اور ہلاک ہوئی عاد کی قوم پچھم کی ہوا سے۔

فائدہ: جب پانچویں سال ہجری کے جنگ احد میں کفار قریش کو شکست ہوئی تو بعد اس کے کفار قریش عرب کی بہت قوموں کو جمع کر کے مدینے پر چڑھا لائے اور مدینے کو آ کر چاروں طرف سے گھیر لیا اس لڑائی کو جنگ خندق اور جنگ احزاب کہتے ہیں اس میں کافروں کا لشکر دس ہزار تھا اور حضرت ﷺ کا لشکر تین ہزار تھا سو چند روز تک کافر مدینے کو گھیرے رہے تب اللہ نے پورب کی سرد ہوا چلائی کہ اس نے کافروں کے منہ پر مٹی ڈالی اور ان کے خیمے اکھاڑ دیے اور آگ کو بجھا دیا سو کافر یہ حال دیکھ کر سب بھاگ گئے اور مدینے کو چھوڑ گئے پس یہی معنی ہے حضرت ﷺ کے اس قول کا کہ مجھ کو پورب کی ہوا سے فتح نصیب ہوئی اور عاد کی قوم نے جب اللہ کا حکم نہ مانا تو اللہ نے ان پر پچھم کی آندھی بھیجی اس نے سب کو یکبارگی فنا کر دیا اور ان کے درختوں کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا اور ان کے گھروں کو ڈھا دیا اور پتھروں سے ان کی گردنوں کو توڑ ڈالا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب ان پر آندھی چلی تو سب کافر گھروں کے اندر گھس گئے اور دروازوں کو بند کر لیا سو اس ہوا نے دروازوں کو توڑ ڈالا اور مٹی سے گھروں کو بھر دیا اور کافر مٹی میں دب گئے اور آٹھ روز تک مٹی کے نیچے حال پکار کرتے رہے آخر کو مر گئے نعوذ باللہ من ذلك اسی واسطے کہتے ہیں کہ پچھم کی ہوا پورب کی ہوا سے سخت ہے کہ اس سے عاد کی قوم بالکل ہلاک ہوگئی اور پورب کی ہوا سے خندق کے دن ایک کافر بھی ہلاک نہ ہوا بلکہ صحیح سالم اپنے گھروں کو پلٹ گئے کہتے ہیں کہ یہ اس واسطے ہے کہ حضرت ﷺ اپنی قوم پر بہت مہربان تھے اور ان کے اسلام کے امیدوار تھے پس اس بیان سے حضرت ﷺ کی اس حدیث مذکور کا مطلب ظاہر ہوگیا۔

بَابُ مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْاٰيَاتِ.

زلزلوں اور قیامت کی بعض نشانیوں کا بیان یعنی قیامت سے پہلے زمین میں کئی بار زلزلہ پیدا ہوگا اور کئی نشانیاں پیدا ہوں گی۔

٩٧٨ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ.

٩٧٨۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ علم اٹھایا جائے گا اور زلزلے بہت پیدا ہوں گے اور زمانہ قریب ہو جائے گا اور فتنے فساد ظاہر ہوں گے اور لڑائیاں بہت ہوں گی یہاں تک کہ تم میں مال بہت ہو جائے گا تو اُبل پڑے گا یعنی مال بہت ہو جائے گا اور لوگ کم ہوں گے یا قیامت کے خوف سے لوگوں کو مال کی طرف رغبت نہیں ہوگی کہ اس کو کوئی نہیں لے گا یا زمین اپنے خزانوں کو باہر نکال ڈالے گی۔

فائدہ: یہ جو آپ نے فرمایا کہ زمانہ قریب ہو جائے گا تو اس کا معنی کئی طور سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ برکت دور ہو جائے گی اور لوگوں کا کاروبار خیر سے بالکل خالی ہو گا یا دن رات جلدی گزر جائے گا یا قیامت قریب ہو جائے گی یا اس زمانہ کے لوگ شر سے قریب ہو جائیں گے یا یہ زمانہ عام اس زمانے خاص یعنی دن قیامت سے قریب ہو جائے گا یا دن رات چھوٹے ہو جائیں گے اور وجہ مناسبت اس باب کی استسقاء سے اس طور پر ہے کہ اس باب میں زلزلوں کا بیان ہے اور زلزلہ اکثر اوقات مینہ کے ساتھ ہوتا ہے پس یہی ادنیٰ مناسبت کافی ہے اور جیسے کہ آندھی چلنے کے وقت دعا پڑھنی آئی ہے ویسے زلزلے کے وقت کوئی دعا منقول نہیں اور زلزلے کے وقت نماز پڑھنے میں علماء کو اختلاف ہے امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق اور ایک جماعت علماء کی کہتے ہیں کہ زلزلے کے وقت نماز پڑھی جائے اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اس باب میں کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو پڑھے ورنہ نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن حبان وغیرہ نے روایت کی ہے کہ زلزلے کی نماز چھ رکعتیں ہیں اور چار سجدے ہیں۔

٩٧٩ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَفِيْ يَمَنِنَا قَالَ قَالُوْا وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا وَفِيْ يَمَنِنَا قَالَ قَالُوْا وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ قَالَ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ.

٩٧٩۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الٰہی! برکت دے ہم کو ہمارے شام میں الٰہی! برکت دے ہم کو ہمارے یمن میں، لوگوں نے کہا اور ہمارے نجد میں یعنی عرض کی کہ آپ نجد کے واسطے بھی برکت کی دعا کریں آپ نے فرمایا الٰہی! برکت دے ہم کو ہمارے شام میں الٰہی! برکت دے ہم کو ہمارے یمن میں لوگوں نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں فرمایا کہ وہیں تو زلزلے اور فساد واقع ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ یعنی سورج نکلتا ہے۔

فائدہ: شام کا ملک کے اور مدینے کی شمال کی طرف ہے اور یمن دکھن کی طرف ہے اور نجد کا ملک پورب کی طرف ہے سو آپ نے شام کو اپنی طرف اس واسطے نسبت کیا کہ وہ پیغمبروں کی زمین ہے اور یمن کو اپنی طرف اس واسطے نسبت کیا کہ مکہ تہامہ کی زمین ہے اور تہامہ یمن سے متعلق ہے یا مکہ آپ کی پیدائش کی جگہ ہے اور وہ یمن سے متعلق ہے اور مدینہ آپ کے دفن ہونے کی جگہ ہے اور وہ شام سے متعلق ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ نجد کے ملک میں زلزلے اور فساد پیدا ہوں گے اس وجہ سے آپ نے اس کے واسطے دعا نہ کی اور مراد سینگ سے شیطان کی فوج ہے کہ فتنے وفساد کا سبب ہوتے ہیں یا دجال مراد ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ قَالَ ابْنُ

اس آیت کی تفسیر کا بیان اور اپنا حصہ بھی لیتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مراد رزق سے اس

عَبَّاسٍ شُكْرَكُمْ.

آیت میں شکر ہے یعنی جو شکر کہ تم کو اللہ کے مینہ برسانے پر کرنا چاہیے تھا وہ یہی ہے کہ تم مینہ برسانے والے کی تکذیب کرتے ہو اور مینہ کو ستاروں کی طرف نسبت کرتے ہو یعنی شکر کے بدلے اس کی تکذیب کرتے ہو اور اس کو جھٹلاتے ہو۔

٩٨٠ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى إِثْرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

٩٨٠۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی مینہ سے پیچھے جو اس رات کو برسا تھا سو جب نماز پڑھ چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ لوگوں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ صبح کو میرے بندوں میں سے بعض ایمان لائے اور بعض کافر ہوئے سو جس نے کہا کہ ہم اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے مینہ برسائے گئے پس وہ شخص میرے ساتھ ایمان رکھتا ہے اور ستاروں سے انکار کرتا ہے اور جس نے کہا کہ ہم فلانے فلانے ستارے کی تاثیر سے مینہ برسائے گئے ہیں سو وہ میرے ساتھ کفر کرتا ہے اور ستاروں کے ساتھ ایمان رکھتا ہے۔

فائدہ: کہتے ہیں کہ علم نجوم ادریس علیہ السلام کے زمانے میں حق تھا بعد اس کے منسوخ ہو گیا اب اس کے ساتھ عمل کرنا باطل ہے اور باعتبار عادت الٰہی کے اگرچہ ستارے مینہ کا سبب ہو سکتے ہیں جیسا کہ آگ کا جلانا اور پانی سے پیاس کا دفع ہونا وغیرہ وغیرہ لیکن اس پر عمل کرنا اور ان کے اعتبار سے خاص ساعتوں کو اختیار کرنا اور ان کی سعادت نحوست کا اعتبار کرنا اسلام کے مخالف ہے اور توحید کے منافی ہے اگر ان کی تاثیر کا اعتقاد ہو تو کفر ہے ورنہ حرام ہے اور اس حدیث کا باقی بیان ابواب الصلوۃ کے باب یستقبل الامام الناس اذا سلم میں مفصل مذکور ہو چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مینہ برسا تب آپ نے یہ حدیث فرمائی اور اس وقت یہ آیت اتری ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ پس وجہ مناسبت

اس حدیث اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی باب سے ظاہر ہوگئی۔

بَابُ لَا يَدْرِيْ مَتٰى يَجِيْءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللّٰهُ وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ.

کوئی نہیں جانتا کہ مینہ کب آئے گا سوائے اللہ کے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ہیں کہ ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

٩٨١ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَّا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَّا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ وَّلَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَّا يَكُوْنُ فِي الْاَرْحَامِ وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَمَا يَدْرِيْ اَحَدٌ مَّتٰى يَجِيْءُ الْمَطَرُ.

٩٨١۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی چابیاں پانچ ہیں ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور کوئی جی نہیں جانتا کہ عورتوں کے پیٹوں میں کیا ہے لڑکی یا لڑکا اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ مینہ کب آئے گا۔

فائدہ: یعنی غیب کی بات بالیقین سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا غیب کا دروازہ سارے عالم پر بند ہے اس کی کنجی کسی کے پاس نہیں کہ جب چاہے کھولے اور بے تردد دریافت کرے پیغمبروں کو وحی سے اور اولیاء کو الہام سے حاصل ہوتا ہے لیکن یہ غیب دانی نہیں اللہ کے بتلانے سے معلوم ہوتا ہے علاوہ اس کے وحی اور الہام کو ہر وقت قابو میں نہیں کہ جب چاہیں دریافت کر لیں اسی طرح نجوم اور رمل اور جفر میں بھی یقین حاصل نہیں ہوتا صرف حساب اور اٹکل ہے ہزار بار مخالف ہوتا ہے اور کبھی موافق بھی پڑ جاتا ہے اسی طرح حاملہ عورت کے پیٹ میں معلوم نہیں ہوسکتا کہ لڑکا ہے یا لڑکی گورا ہے یا کالا اس کے سب اعضاء درست ہیں یا ناقص ۔ خلاصہ یہ کہ علم غیب اللہ کے ساتھ مخصوص ہے بالیقین کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا اور یہی ہے عقیدہ تمام اہل اسلام کا جس کے اس اعتقاد میں خلل ہے بالیقین اس کے ایمان میں خلل ہے اور اگر کوئی سوال کرے کہ غیب کی چیزیں بے شمار ہیں پس پانچ چیزوں کو کس واسطے خاص کیا تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ پانچ چیزیں سب کا اصل ہیں اور سب پوشیدہ چیزیں ان کے اندر داخل ہیں اس واسطے خاص انہی پانچ کو بیان کیا کہ تمام مغیبات کی جڑ اور اصل ہیں اور یا اس واسطے کہ لوگ انہی پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یا اس واسطے کہ سوال انہی پانچ سے تھا سو انہی کی نفی کے واسطے آیت اتری اور نیز ایک عدد کے ذکر کرنے سے زیادہ کی نفی لازم نہیں آتی ، واللہ اعلم ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبْوَابُ الْكُسُوْفِ — سورج اور چاند کے گہن لگنے کا بیان

فائدہ: گہن لگنے سے مقصود یہ ہے کہ غافلوں کو تنبیہ ہو جائے کہ اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہوں اور نیز اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جب اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کو باوجود ایسی روشنی کے سیاہ کر دیتا ہے تو ایسے ہی جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کے دلوں کو بھی سیاہ کر سکتا ہے اور نیز اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ سورج اور چاند بسر خود مستقل نہیں بلکہ فرمانِ الٰہی کے تابع ہیں اور عیب دار ہیں اور جو چیز کے عیب دار ہو وہ لائق عبادت کو نہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ. — سورج گہن کی نماز کا بیان۔

فائدہ: گہن کے وقت نماز پڑھنی بالاتفاق ثابت ہے لیکن اس کے حکم میں اختلاف ہے جمہور علماء کے نزدیک گہن کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ سے روایت ہے کہ وہ واجب ہے اور نیز امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک اس میں جماعت کرنی سنت ہے اور بعض عراق والے کہتے ہیں کہ تنہا پڑھے۔

٩٨٢ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجُرُّ رِدَآءَهُ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ

٩٨٢۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ سورج میں گہن پڑا سو آپ چادر کو کھینچتے کھڑے ہوئے یعنی بہت جلدی سے باہر آئے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے اور ہم بھی مسجد میں آئے سو آپ نے ہم کو دو رکعتیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا پھر فرمایا کہ سورج اور چاند دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے کسی کے مرنے سے ان میں گہن نہیں پڑتا جب تم گہن کو دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو اور اللہ سے دعا کیا کرو یہاں تک کہ دور ہو جائے وہ چیز جو واقع ہوئی ہے ساتھ تمہارے جلال الٰہی سے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن میں نماز ثابت ہے وسیاق بیانہ اور مستحب ہے کہ جامع مسجد میں پڑھی جائے

اور مستحب ہے کہ جماعت سے پڑھی جائے اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ عورت اور مسافر وغیرہ کو بھی یہ نماز جائز ہے اور تنہا تنہا بھی جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کپڑا کھینچنا اسی کو منع ہے جو فخر اور ریا سے کھینچے۔

٩٨٣ ـ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا.

٩٨٣۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک سورج اور چاند کو کسی کے مرنے سے گہن نہیں لگتا لیکن وہ دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے پھر جب تم گہن کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھا کرو۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز کا کوئی وقت معین نہیں اس لیے کہ آپ نے نماز کو گہن کے دیکھنے کے ساتھ معلق کیا ہے اور گہن ہر وقت ممکن ہے پس مکروہ وقتوں میں بھی یہ نماز جائز ہو گی اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا اور حنفیہ کہتے ہیں کہ مکروہ وقت اس سے مستثنٰی ہیں اور یہی ہے مشہور قول امام احمد رحمہ اللہ کا اور مالکیہ کہتے ہیں کہ وقت اس کا سورج نکلنے کے بعد سے زوال تک ہے لیکن پہلے قول کو ترجیح ہے اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ نماز روشن ہونے سے پہلے واقع ہو اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بعد روشن ہو جانے سورج کے نماز کی قضا نہیں سو اگر نماز کے واسطے کوئی وقت معین کیا جائے تو جائز ہے کہ اس سے پہلے سورج روشن ہو جائے پس مقصود اصلی فوت ہو جائے گا پس ثابت ہوا کہ اس نماز کا کوئی وقت معین نہیں بلکہ مکروہ وقتوں میں بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔

٩٨٤ ـ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا.

٩٨٤۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک سورج اور چاند کسی کے مرنے سے سیاہ نہیں ہوتے لیکن وہ دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے سو جب تم گہن کو دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو۔

٩٨٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ

٩٨٥۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ.

حضرت ﷺ کے وقت میں سورج کو گہن لگا جس دن ابراہیم حضرت ﷺ کے بیٹے کا انتقال ہوا سو لوگوں نے کہا کہ گہن ابراہیم کی موت سے پڑا سو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند میں کسی کے مرنے جینے سے گہن نہیں پڑتا سو جب تم گہن کو دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو اور دعا کیا کرو۔

فائدہ: جاہلیت کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب سورج یا چاند کو گہن لگے تو کوئی سردار مرتا ہے یا کوئی اور حادثہ زمین میں پیدا ہوتا ہے اسی خیال سے بعض لوگوں نے یہ بات کہی کہ ابراہیم کی موت سے گہن ہوا سو حضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ یہ اعتقاد لوگوں کا غلط اور باطل ہے کسی کے مرنے جینے پر گہن موقوف نہیں بلکہ یہ اللہ کی قدرت ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ بعض لوگ سورج اور چاند کی بڑی تعظیم کرتے تھے سو بیان فرمایا کہ ان کو اپنی ذات پر کچھ اختیار نہیں بلکہ اور مخلوق کی طرح ان میں بھی تغیر اور نقص واقع ہو جاتا ہے پس ان کی تعظیم کرنی جائز نہیں اور ان حدیثوں میں مطلق نماز کا ذکر ہے کسی خاص طور کا ذکر نہیں کہ گہن کی نماز اس طور سے پڑھے تو اس میں اشارہ ہے کہ روز مرہ کی معمولی طور پر نماز پڑھنی بھی کافی ہو جاتی ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہوں جیسا کہ آئندہ آئے گا اور یہی قول ہے اکثر علماء کا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک ایک رکوع سے نماز کافی نہیں، واللہ اعلم۔

بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوْفِ.

گہن میں خیرات کرنے کا بیان۔

٩٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ

٩٨٦۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ﷺ کے زمانے میں سورج کو گہن لگا سو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس کا بیان یہ ہے کہ آپ کھڑے ہوئے سو قیام کو لمبا کیا یعنی دیر تک کھڑے رہے پھر رکوع کیا اور رکوع کو بہت لمبا کیا پھر سیدھے کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے اور یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے اور یہ رکوع پہلے رکوع سے کم تھا پھر

الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهٗ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا.

سجدہ کیا اور دیر تک سجدے میں رہے پھر دوسری رکعت میں بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ پہلی رکعت میں کیا تھا یعنی دو بار قیام کیا اور دو بار قرأت پڑھی اور دو بار رکوع کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے اور سورج روشن ہو گیا تھا پھر آپ نے لوگوں کو خطبہ سنایا سو اللہ کی تعریف کی اور اس پر ثنا کہی پھر فرمایا کہ سورج اور چاند دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے کسی کے مرنے جینے سے ان میں گہن نہیں پڑتا سو جب تم گہن کو دیکھا کرو تو اللہ سے دعا کیا کرو اور تکبیر کہا کرو اور نماز پڑھا کرو اور خیرات دیا کرو پھر فرمایا کہ اے محمد ﷺ کی امت قسم اللہ کی کوئی ایسا آدمی نہیں جو اللہ سے زیادہ غیرت کرنے والا ہو یہ کہ زنا کرے بندہ اس کا یا باندی اس کی اے محمد ﷺ کی امت قسم اللہ کی کہ اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں یعنی قبر کے رنگ برنگ عذاب اور دوزخ کی آفتیں تو البتہ رویا کرو بہت اور ہنسو تھوڑا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں دو قیام ہیں اور دو قرأتیں ہیں اور دو رکوع ہیں اور سورتیں لمبی پڑھے اور ایسا ہی روایت کیا ہے بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ایسا ہی مروی ہے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے کما مر اور ایسا ہی روایت کیا ہے مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے اور احمد نے علی رضی اللہ عنہ سے اور نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور بزار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے ام سفیان رضی اللہ عنہا سے پس ان روایتوں میں زیادتی ہے جس کو ثقات حفاظ نے روایت کیا ہے پس اس کے ساتھ عمل کرنا بہتر ہے اس کے مہمل چھوڑنے سے اور یہی مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور ابوثور اور لیث اور جمہور علماء حجاز وغیرہ کا اور دلیل ان کی یہ حدیثیں ہیں جن کا نشان ابھی دیا گیا ابن عبدالبر نے کہا کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں اور بعض میں آیا ہے کہ ہر رکعت میں چار یا پانچ رکوع ہیں لیکن ان روایتوں کی اسناد علت سے خالی نہیں جیسا کہ بیہقی اور ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے اور صاحب ہدی نے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ دو سے زیادہ رکوع کی روایتوں میں بعض راویوں سے غلطی ہو گئی ہے اور بعض حدیثوں کو بعض کی طرف رد کرنا ممکن ہے اس لیے یہ سب معاملہ آپ سے اسی ایک دن میں واقع ہوا ہے جس دن ابراہیم کا انتقال ہوا اور جب واقعہ ایک ہوا تو راجح حدیثوں کے ساتھ عمل کرنا

اولیٰ ہے مرجوح سے اور بعضوں نے ان روایتوں میں اس طور سے تطبیق دی ہے کہ جتنی وجھوں سے گہن کی نماز حدیثوں میں آئی ہے سب طور سے پڑھنی جائز ہے یعنی خواہ ہر رکعت میں دو رکوع کرے یا تین رکوع کرے یا چار یا پانچ رکوع کرے ہر طور سے جائز ہے اور یہی قول ہے اسحاق بن راہویہ اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن خزیمہ وغیرہ ایک جماعت علماء کا یہ لوگ کہتے ہیں کہ گہن کئی بار واقع ہوا ہے اور مختلف اوقات میں گہن کی نماز بھی مختلف طور سے واقع ہوئی ہے پس جس طور سے کوئی پڑھے جائز ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہی بات قوی ہے اور ہر وجہ کے ساتھ بعض صحابہ قائل ہیں لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ گہن کی نماز بھی اور نمازوں کی طرح ہے یعنی ہر رکعت میں فقط ایک رکوع کرے ایک سے زیادہ رکوع نہ کرے اور اس باب میں وہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں پہلی دلیل ان کی وہ حدیثیں ہیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں مطلق آئی ہیں ایک یا دو رکوع کا اس میں ذکر نہیں سو جواب اس کا کئی وجہ سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ جن روایتوں میں دوسرے رکوع کی نفی ہے وہ روایتیں صحیح نہیں مدعی ان کی حجت ثابت کرے اور جو روایتیں مطلق ہیں وہ محمول ہیں مقید پر اس لیے کہ جب مطلق اور مقید ایک حادثے میں وارد ہوں تو اس وقت مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعدد رکوع کی حدیثیں بہت طریقوں سے ثابت ہیں اور بہت صحابہ اس کے راوی ہیں پس بوجہ کثرت طرق کے ان کو ترجیح ہوگی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ تعدد رکوع کی حدیثیں صحیحین کی ہیں اور صحیحین کی حدیثوں کو بالاتفاق ترجیح ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیثیں تعدد رکوع کی مشتمل ہیں اوپر زیادتی کے اور وہ مزید علیہ کے منافی نہیں پس متعین ہوگا پکڑنا ساتھ اس کے **کذا قاله العلامة الشوکانی فی نیل الاوطار**۔ اور دوسری دلیل حنفیہ کی یہ ہے کہ تعدد رکوع کی حدیثیں مضطرب ہیں اس لیے کہ بعض میں دو رکوع کا ذکر ہے اور بعض میں تین رکوع وغیرہ کا ذکر ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ محض خیال فاسد ہے اس لیے کہ یہ متعدد واقعہ کا ذکر ہے اور گہن کئی بار واقع ہوا ہے جیسا کہ اوپر گزرا پس ہر طور سے جائز ہوگا اور اگر بفرض محال واقع کا متحد ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو دو رکوع کی حدیثیں نہایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں پس ان کے ساتھ عمل کیا جائے گا اور تین یا زیادہ رکوع کی روایتیں اس درجے کی صحیح نہیں ہیں پس وہ مرجوح ہوں گی علاوہ ازیں ابن عبدالبر نے کہا کہ تین یا زیادہ رکوع کی روایتیں معلول اور ضعیف ہیں اور یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ ضعیف روایتوں کا ضعف صحیح روایتوں میں اثر کر جائے پس باوجود اس کے ان کو مضطرب کہنا کمال بے انصافی ہے اور پرلے درجے کی جرأت ہے اور نیز قسطلانی نے لکھا ہے کہ اضطراب فی المتن کی مثال نہایت کم ہے اور نیز کہا کہ تطبیق کے وقت اضطراب دور ہو جاتا ہے اور نیز جمہور کے نزدیک بھی یہ اضطراب باطل ہے پس دعویٰ اضطراب کرنا باطل ہوا اور نیز ہر رکعت میں ایک ایک رکوع کرنا بھی جائز ہے پس باوجود تطبیق کے کیا ضروری ہے کہ اتنی حدیثوں صحیحہ کو رد کریں اور بعض کہتے ہیں کہ بعض روایتوں میں پانچ سے زیادہ رکوع بھی آئے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایتیں سب کی سب ضعیف ہیں پس ان کے ساتھ

استدلال اور عمل کرنا صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت کہا جائے گا کہ گہن کی نماز چھ یا سات رکوع سے بھی جائز ہے کبھی اس طرح سے بھی پڑھ لے اس لیے کہ گہن کئی بار واقع ہوا ہے کما مر۔ بعض کہتے ہیں کہ لوگوں کو گمان ہوا ہو گا کہ حضرت ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا ہے پس انہوں نے بھی سر اٹھایا سو حضرت ﷺ کو رکوع میں پایا پھر ایسے ہی دوسری بار اور تیسری بار کیا سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ محض خیال فاسد ہے اور تمام صحابہ کے حق میں سوء ظنی ہے اس لیے کہ ہمیشہ آپ رکوع کو اس قدر طول کیا کرتے تھے کہ صحابہ کو بھول جانے کا خیال گزرتا تھا پھر باوجود اس کے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ کبھی ایسا کیا ہو یا کبھی محض گمان سے کسی نے سر اٹھایا ہو پس اتنی بار گمان سے سر اٹھانا صحابہ کی شان سے نہایت بعید ہے اور نیز علامہ عینی حنفی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ احتمال بھی مفید نہیں اس لیے کہ اگر دو رکوع میں اس احتمال کو تسلیم کیا جائے تو تین اور چار رکوع میں یہ احتمال بالکل نہیں ہوسکتا اور نیز صحابہ کی شان سے یہ بات بھی بہت بعید ہے کہ بغیر دیکھے حضرت ﷺ کی طرف کسی امر کو منسوب کریں ایسا ہو تو پھر کل حدیثوں میں یہ احتمال ہوسکتا ہے پس کل حدیثوں کا دفتر بے اعتبار ہو جائے گا اور نیز مسجد میں آپ نے نماز پڑھی تھی اور اس میں اس قدر مخلوق بیشمار نہیں تھی کہ آپ کی آواز نہ سنی جاتی پس معلوم ہوا کہ یہ احتمال باطل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما پچھلی صفوں میں تھے انہوں نے گمان سے روایت کی ہو گی سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بھی محض خیال فاسد ہے اس احتمال سے تمام حدیثیں بے اعتبار ہو جاتی ہیں ہر جگہ اس احتمال کو دخل ہے اور نیز یہ حدیث فقط ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی نہیں بلکہ اور بہت صحابہ سے بھی ایسی ہی روایت آچکی ہے کما اشرنا الیہ سابقا پس اس قدر جم غفیر صحابہ کی روایت میں یہ احتمال کیونکر جاری ہو سکے گا اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت ﷺ نے تکبیر کہی پھر لمبی قرأت پڑھی پھر تکبیر کہی پھر رکوع کیا پھر سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہا سو اگر عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ کی قرأت نہیں سنی تھی، تو پھر تکبیر کہنا اور قرأت پڑھنا اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہنا اس کو کہاں سے معلوم ہوا پس باوجود اس تصریح کے جہان میں کون ایسا عقلمند ہے کہ یہ بات منہ سے نکال سکے کہ انہوں نے گمان سے روایت کی ہو گی اور نیز مسند امام شافعی رحمہ اللہ اور ابو یعلی اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ گہن کی نماز میں میں حضرت ﷺ کے پہلو میں تھا پس اس سے سب احتمال باطل ہو گئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ احتمال بھی مفید نہیں اس لیے کہ شافعی رحمہ اللہ کی دلیل فقط یہی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نہیں کہ یہ احتمال مفید ہو بلکہ اس کی دلیل اور بھی کئی حدیثیں ہیں جیسے کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی ہے اور نیز جب عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بقول حنفیہ کے لوگوں کو سر اٹھائے دیکھا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تمام صفوں نے سر اٹھایا تھا کیونکہ دو چار آدمیوں کے سر اٹھانے سے یہ خیال بالکل نہیں آسکتا ہے اور جب پہلی صفوں کا یہ حال تھا تو اسی طرح پچھلی تمام صفوں نے بھی ان کو دیکھ کر اپنا سر اٹھایا ہو گا تو معلوم ہوا کہ

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے سر کو اٹھایا تھا اور اسی طرح چار یا پانچ بار سب نے کیا سو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو ایسا معاملہ اتنی بار اتنے صحابہ سے وقوع میں آنا عادۃً محال ہے دوسری بات یہ ہے کہ جب تمام صحابہ نے یہ معاملہ کیا اور اتنی دفع رکوع سے سر اٹھایا اور سب کو اس کا علم تھا سو پھر صحابہ سے اس باب میں روایتیں مختلف کیوں آئیں؟ سب کی روایت متفق ہونی چاہیے تھی اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت دو رکوع کی اور دوسری تین رکوع کی مختلف کیوں آئی؟ اور نیز عینی حنفی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اس میں نظر ہے اس لیے کہ بعض کہتے ہیں کہ گہن کئی بار واقع ہوا ہے اور آپ نے گہن کی نماز کئی بار پڑھی ہے سو جس نے جو کچھ دیکھا اسی کو یاد رکھا اور اسی کو روایت کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل اس کی حدیث کے برخلاف ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اُس نے بصرہ میں گہن کی نماز پڑھائی اور ہر رکعت میں دو رکوع کیے اور لوگوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہیں **کمانقله فی الفتح** پس ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل اس کی روایت کے برخلاف کہنا محض خیال فاسد ہے اور نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی صحیح روایت میں اس کا خلاف ثابت نہیں ہوا مدعی کو لازم ہے کہ ثابت کرے اور نیز راوی کا اپنے مروی کے برخلاف عمل کرنا موجب حرج نہیں جیسا کہ بیان اس کا تیسرے پارے میں گزر چکا ہے اور بعض ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک رکوع کی حدیث نقل کرتے ہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ دو رکوع کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں موجود ہے پس صحیحین کی حدیث کے مقابلے میں اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں سو معلوم ہوا کہ ان حدیثوں میں کچھ تعارض نہیں اس لیے کہ بعض حدیثیں ایک رکوع کی ضعیف ہیں پس مرجوح ہوں گی اور بعض حدیثیں مطلق ہیں پس مقید پر محمول ہوں گی اور یا تعدد واقعہ پر محمول ہوں گی پس متاخر فعل کی تاریخ معلوم نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ ان میں تعارض واقع ہو اور اور درجہ عمل سے ساقط ہو جائیں اور طحاوی نے اشارہ کیا ہے اس طرف کہ حنفیوں کا قول اس باب میں قیاس پر مبنی ہے یعنی گہن کی نماز کو انہوں نے اور نفلوں پر قیاس کرلیا ہے سو جمہور علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس باطل ہے اور نیز گہن کی نماز عید وغیرہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے جس میں جماعت ہوتی ہے سو عید کی نماز تو مطلق نفلوں سے اس واسطے ممتاز ہے کہ اُس میں تکبیریں زیادہ ہیں اور جنازے میں رکوع وسجود نہیں اور خوف کی نماز میں بہت فعل نماز کے مخالف واقع ہوتے ہیں پس اسی طرح گہن کی نماز بھی زیادہ رکوع کے ساتھ مخصوص ہوگئی سو اس کے پکڑنے میں نص اور قیاس دونوں کے ساتھ عمل ہو جاتا ہے برخلاف اس کے جو اس پر عمل نہ کرے۔

بَابُ النِّدَآءِ بِالصَّلَاةِ جَامِعَةٌ فِي الْكُسُوْفِ.

گہن کی نماز میں الصلوۃ جامعۃ پکار کر کہنے کا بیان یعنی لوگوں کو جمع کرنے کے واسطے یا فقط پکار کر کہنا جائز ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ آؤ طرف نماز جمع کرنے والی کے

٩٨٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامِ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْدِيَ أَنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ.

٩٨٧۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ کے زمانے میں جب سورج کو گہن لگا تو لوگوں میں پکارا گیا الصلوۃ جامعۃ ۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز میں یہ لفظ پکار کر کہنا جائز بلکہ مستحب ہے اور یہی مذہب ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے موافقوں کا لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ گہن کی نماز میں نہ اذان کہی جائے اور نہ اقامت کہی جائے۔

بَابُ خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِي الْكُسُوْفِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَأَسْمَاءُ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

گہن میں امام کے خطبہ پڑھنے کا بیان اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ گہن میں حضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا۔

فائدہ: گہن کے وقت خطبہ پڑھنے میں علماء کو اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق اور ابن جریر اور فقہائے اہل حدیث کہتے ہیں کہ گہن کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور دلیل ان کی وہ حدیثیں ہیں جو صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں کہ حضرت ﷺ نے گہن کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک گہن میں خطبہ مستحب نہیں لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں خطبے کی حدیث نقل کی ہے اور اس پر سکوت کیا اور حنفیہ وغیرہ جو خطبے کے قائل نہیں تو وہ کہتے ہیں کہ خطبہ منقول نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ بہت حدیثوں صحیحہ متفق علیہا میں خطبے کا ذکر آ چکا ہے اور وہ صاحب کثرت کی ہیں پھر خطبہ منقول نہ ہونے کا کیا معنی اور بعض کہتے ہیں کہ اس خطبے سے مقصود آپ کا خاص خطبہ نہیں بلکہ مقصود آپ کا اس سے رد کرنا تھا اس شخص پر جو یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ گہن کسی کے مرنے سے ہوتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ خطبے اور اس کے شرائط حمد اور ثناء اور وعظ وغیرہ کا ذکر صحیح حدیثوں میں صریح آ چکا ہے فقط اعلام پر اقتصار نہیں کیا اور اصل اتباع میں مشروعیت ہے اور خاصہ سوائے کسی دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتا ہے پس خطبہ پڑھنا جائز ہے اور ابن دقیق العید نے کہا کہ خطبے کے مقاصد کسی چیز معین میں منحصر نہیں اصل

مقصود اس سے حمد وثنا اور وعظ ہے سو اس کا ذکر گہن کے خطبے میں صریح موجود ہے چنانچہ آپ نے پہلے حمد وثنا کہی پھر اپنی عبودیت اور رسالت کا اقرار کیا پھر بہشت اور دوزخ اور قبر وغیرہ کا حال بیان کیا اور یہ سب مقاصد خطبے کے ہیں پس اس میں حضرت ﷺ کی پیروی کرنی بہتر ہے اور نیز بعض حدیثوں میں فقط خطبے کا ذکر ہے کسی کے مرنے جینے کا اس میں ذکر نہیں پھر اس میں یہ تاویل کیونکر چل سکے گی؟ اور نیز جب تعدد واقعہ کا ثابت ہوا تو پھر اس میں تعلیم وغیرہ کی تاویل کیسے چل سکے گی لیکن بعض کہتے ہیں کہ گہن میں جمعہ اور عیدین کے خطبے کی طرح دو خطبے نہ پڑھے اور درمیان نہ بیٹھے بلکہ فقط ایک ہی خطبہ پڑھے اور عینی حنفی نے شرح ہدایہ میں خطبے کو بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے اور اس کے منکر پر سخت رد کیا ہے چنانچہ پہلے حنفیوں کی سب تاویلوں کو رد کر کے بعد اس کے فرمایا کہ میں کہتا ہوں اللہ پاک ہے اس کو خطبہ کس طرح نہ کہا جائے گا حالانکہ خطبے کے مقاصد کسی خاص چیز میں منحصر نہیں خاص کر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ منبر پر چڑھے اور شروع کیا ساتھ اس چیز کے جو خطبے کا اصل مقصود ہے سو اللہ کی تعریف کی اور اس پر ثنا کہی اور وعظ اور نصیحت کی اور منبر پر چڑھنے کو نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے گہن میں دعا اور صدقے اور نماز کا حکم فرمایا خطبے کا نہیں فرمایا۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ کسی امر کا جائز اور مشروع ہونا فقط آپ کے فرمانے پر موقوف نہیں بلکہ آپ کے فعل سے بھی مشروع ہونا ثابت ہو جاتا ہے ورنہ فعلی حدیثیں سب باطل ہو جائیں گی اور چونکہ یہاں آپ کے فعل سے خطبہ ثابت ہو چکا ہے اس لیے وہ بھی جائز ہوگا اور بعد روشن ہونے سورج کے خطبے کا پڑھنا اس کی عدم مشروعیت کو مستلزم نہیں چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل ہے اس پر کہ روشن ہونا خطبے کو ساقط نہیں کرتا ہے بخلاف اس کے کہ اگر نماز کے شروع ہونے سے پہلے روشن ہو جائے تو نماز اور خطبہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں اور اگر نماز کے درمیان روشن ہو جائے تو اس کو پورا کرے درمیان میں قطع نہ کرے پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ گہن میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے، واللہ اعلم

٩٨٨ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح و حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَفَّ النَّاسُ وَرَآءَهُ فَكَبَّرَ

٩٨٨۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ کے وقت سورج میں گہن پڑا سو آپ مسجد کی طرف نکلے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے صف باندھی سو آپ نے تکبیر کہی اور بہت لمبی قرأت پڑھی پھر تکبیر کہی اور بہت لمبا رکوع کیا پھر کہا سمع اللہ لمن حمدہ پس سیدھے کھڑے رہے اور سجدہ نہ کیا اور پھر بہت لمبی قراءت پڑھی اور وہ پہلی قراءت سے کم تھی پھر تکبیر کہی اور بہت لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر کہا سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد پھر سجدہ کیا پھر

فَاقْتَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَآئَةً طَوِيْلَةً ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَامَ وَلَمْ يَسْجُدْ وَقَرَأَ قِرَآئَةً طَوِيْلَةً هِيَ أَدْنٰى مِنَ الْقِرَآءَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ كَبَّرَ وَرَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ أَدْنٰى مِنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّكْعَةِ الْأٰخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَّنْصَرِفَ ثُمَّ قَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ هُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ وَكَانَ يُحَدِّثُ كَثِيْرُ بْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ إِنَّ أَخَاكَ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِالْمَدِيْنَةِ لَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ قَالَ أَجَلْ لِأَنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ.

دوسری رکعت میں بھی ویسا ہی کیا سو چار سجدوں میں چار رکوع کو پورا کیا اور سورج روشن ہو گیا فارغ ہونے سے پہلے پھر کھڑے ہوئے سو اللہ کی تعریف کی جو اس کے لائق تھی پھر فرمایا کہ سورج اور چاند دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے کسی کے مرنے جینے سے ان میں گہن نہیں پڑتا سو جب تم گہن کو دیکھا کرو تو نماز کی طرف متوجہ ہوا کرو اور اس سے اللہ کی پناہ پکڑا کرو اور کثیر نے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حدیث بیان کرتے تھے (ابن شہاب کہتا ہے) سو میں نے عروہ سے کہا کہ جب مدینے میں سورج کو گہن لگا تو تیرے بھائی نے صبح کی نماز کی طرح دو رکعت پر کچھ زیادہ نہیں کیا تھا (یعنی نہ قرأت لمبی پڑھی اور نہ ہر رکعت میں دو رکوع کیے) اس نے کہا ہاں وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے چوک گیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز میں سنت یہ ہے کہ دو رکوع کرے اور یہ صرف عروہ کا قول نہیں بلکہ اس نے اپنی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی ہے پس یہ قول اس کا مرفوع ہے سو عبداللہ کے قول پر اس کو ترجیح ہو گی کہ وہ موقوف ہے اسی واسطے اُس نے اس کو غلطی ٹھہرایا ورنہ ایک ایک رکوع کے ساتھ اصل سنت ادا ہو جاتی ہے گو کمال حاصل نہیں ہوتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث اس کو نہ پہنچی ہو اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گہن کی نماز میں جماعت شرط نہیں اس لیے کہ اس میں نماز کی طرف جلدی کرنے کا حکم آیا ہے اور جماعت کے انتظار سے

بعض اوقات اصل نماز بھی فوت ہو جاتی ہے اور جو شخص اس حدیث سے مطلق نماز پر دلیل پکڑے اُس نے خطا کی۔

بَابٌ هَلْ يَقُوْلُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾.

کیا یہ کہنا جائز ہے کہ سورج کو کسوف ہوا یا خسوف ہوا اور اللہ نے فرمایا کہ قیامت میں چاند سیاہ ہو جائے گا پس اس سے معلوم ہوا کہ خسوف سورج کے ساتھ خاص نہیں۔

فائدہ: عروہ سے روایت ہے کہ یہ نہ کہو کہ سورج کو کسوف ہوا بلکہ یہ کہو کہ خسوف ہوا اور فقہاء کے استعمال میں سورج گہن میں کسوف کہا جاتا ہے اور چاند گہن میں خسوف کہا جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے یعنی گہن پڑنا اور سورج گہن میں بھی دونوں کا بولنا جائز ہے اور چاند گہن میں بھی دونوں کا بولنا جائز ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

٩٨٩ ـ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَكَبَّرَ فَقَرَأَ قِرَآءَةً طَوِيْلَةً ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَقَامَ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَرَأَ قِرَآءَةً طَوِيْلَةً وَهِيَ أَدْنٰى مِنَ الْقِرَآءَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهِيَ أَدْنٰى مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ سَجَدَ سُجُوْدًا طَوِيْلًا ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ إِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ.

٩٨٩۔ ترجمہ اور مطلب اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہی ہے جو اوپر گزرا اس میں اتنا زیادہ ہے کہ دوسری رکعت میں بھی پہلی رکعت کی طرح کیا پھر سلام پھیرا پھر خطبہ پڑھا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسوف اور خسوف کا اطلاق دونوں پر جائز ہے اس لیے کہ اس میں کسوف کو بھی دونوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور خسوف کو بھی دنوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ عِبَادَهٗ بِالْكُسُوْفِ وَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ﷺ کی اس حدیث کا بیان کہ اللہ گہن سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے روایت کیا ہے اس کو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ سے۔

٩٩٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهٗ وَ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ وَشُعْبَةُ وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يُوْنُسَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهٗ وَتَابَعَهٗ أَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ وَتَابَعَهٗ مُوْسٰى عَنْ مُبَارَكٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهٗ.

٩٩٠۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بیشک سورج اور چاند دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے کسی کے مرنے سے ان میں گہن نہیں پڑتا لیکن اللہ اس سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے یعنی تا کہ ان کو قیامت یاد آئے کہ اس میں بھی سورج سیاہ ہو گا پس گناہ سے توبہ کریں اور اللہ کی عبادت کریں اور باقی بیان اس کا اوپر گزرا۔

فائدہ: اگر کوئی فلسفی کہے کہ گہن کا ہونا ایک امر عادی ہے کہ معین وقت میں واقع ہوتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے حضرت ﷺ کے زمانے میں بارھویں تاریخ چاند کی سورج میں گہن پڑا تھا اور فلسفیوں کے حساب کے موافق اس تاریخ میں گہن نہیں پڑتا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ کے کئی ایسے فعل بھی ہیں کہ عادت کے مخالف ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور جس وقت چاہے گہن ہو سکتا ہے پس معین وقت پر اس کو موقوف رکھنا اللہ کی عامہ قدرت کے مخالف ہے اور نیز یہ تخویف کے مخالف نہیں پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ اللہ کی قدرت عامہ پر اعتقاد رکھیں اور فلسفیوں کے خیالات فاسدہ سے بچتے رہیں۔

گفتۂ یونانیاں پیغام نفس ست وہوا　　　حجت ایمانیاں فرمودۂ پیغمبر است

اور فتح الباری میں فرمایا کہ اس حدیث میں رد ہے ہیئت والوں پر کہ کہتے ہیں کہ یہ امر عادی ہے اپنے وقت سے مقدم مؤخر نہیں ہوتا ہے اور وجہ رد کی یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ وہ کہتے ہیں تو پھر اس میں ڈرانے کے کوئی معنی نہ تھے بلکہ ہونا بمنزلہ جزر اور مد کے جو دریا میں واقع ہوتا ہے اور حدیث ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی جو آئندہ آتی ہے اس میں صاف موجود ہے کہ آپ گھبرا کر کھڑے ہوئے خوف کرتے تھے کہ شاید قیامت قائم ہوگئی اور اگر گہن حساب سے پڑتا تو پھر گھبرانے کے کوئی معنی نہ تھے اور اگر حساب پر موقوف ہوتا تو پھر خیرات اور عتق اور نماز اور ذکر کے حکم کرنے کا کوئی معنی نہ تھے پس ظاہر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخویف کا فائدہ دیتا ہے اور اس سے امید ہوتی ہے کہ گہن دفع ہو جائے اور نیز اہل ہیئت کہتے ہیں کہ دراصل سورج کو گہن نہیں لگتا بلکہ فقط چاند سورج اور اہل زمین کے درمیان حائل ہو جاتا ہے وقت جمع ہونے ان دونوں کے عقد تین میں اور کہتے ہیں کہ سورج چاند سے کئی حصے بڑا ہے سو جب بڑا ہو تو پھر چھوٹا بڑے کے آگے حاجب کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کے مقابل ہو یا بہت تھوڑے سے کیسے سیاہ ہو سکتا ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ اس کی جنس سے ہے اور کس طرح روک سکتی ہے زمین سورج کے نور کو حالانکہ وہ اس کے ایک زاویے اور کونے میں ہے اس لیے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ سورج زمین سے نانویں حصے بڑا ہے اور کہتے ہیں کہ دنیا کی شکل گول ہے اور ظاہر شرع اس کے مخالف ہے اور قواعد شریعت سے ثابت یہ ہے کہ گہن قدیم ارادے کا اثر ہے اور فاعل مختار کا فعل ہے سو جس وقت چاہتا ہے ان دونوں میں نور پیدا کرتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے ان کو سیاہ کر دیتا ہے کسی سبب یا ربط پر یہ امر موقوف نہیں پھر فرمایا کہ اگر ہیئت والوں کا یہ قول نفس الامر میں حق بھی ہو تو یہ تخویف کے منافی نہیں اس لیے کہ مسلمانوں کا اعتقاد بڑا پکا اور مضبوط ہے جب کوئی عجیب امر حادث ہو تو ان کو خواہ مخواہ خوف پیدا ہوتا ہے گو وہ کسی سبب عادی سے پیدا ہو۔

بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوْفِ.

گہن میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کا بیان۔

٩٩١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَآءَتْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُعَذَّبُ

٩٩١۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت بھیک مانگتی اس کے پاس آئی سو اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اللہ تجھ کو قبر کے عذاب سے پناہ دے سو عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا عذاب کیے جائیں گے لوگ اپنی قبروں میں سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو سوار ہوئے یعنی اپنے بیٹے ابراہیم کے دفن کے واسطے قبرستان میں گئے سو

النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَآئِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ وَقَامَ النَّاسُ وَرَآءَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ وَانْصَرَفَ فَقَالَ مَا شَآءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَّتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

آفتاب میں گہن پڑا سو آپ دفن کر کے چاشت کے وقت گھر کو پلٹے اور اپنی بیویوں کے حجروں کے درمیان گزرے پھر نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے سو آپ بہت دیر تک کھڑے رہے پھر رکوع کیا بہت لمبا رکوع کرنا پھر قیام کیا بہت لمبا قیام کرنا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر رکوع کیا لمبا رکوع کرنا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور بہت لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر رکوع کیا لمبا رکوع کرنا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر سر اٹھایا اور قیام کیا لمبا قیام کرنا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر رکوع کیا لمبا رکوع کرنا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہوئے سو آپ نے فرمایا جو کچھ اللہ نے چاہا پھر لوگوں کو حکم دیا پناہ مانگنے کا قبر کے عذاب سے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے اور وجہ مناسبت کی اس کے ساتھ یہ ہے کہ گہن کا اندھیرا قبر کے اندھیرے کے مشابہ ہے پس لائق ہے کہ اس وقت قبر سے پناہ مانگی جائے۔

بَابُ طُوْلِ السُّجُوْدِ فِي الْكُسُوْفِ.

گہن کی نماز میں لمبا سجدہ کرنے کا بیان۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے طرف رد کرنے اس شخص کے جو اس سے منکر ہے۔

٩٩٢ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهٗ قَالَ لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى

٩٩٢۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سورج میں گہن پڑا تو لوگوں میں پکارا گیا کہ الصلوۃ جامعۃ سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت

عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْدِيَ أَنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ فَرَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ سَجْدَةٍ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ سَجْدَةٍ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ قَالَ وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهَا.

میں دو رکوع کیے پھر کھڑے ہوئے اور ایک رکعت میں دو رکوع کیے پھر بیٹھ گئے یعنی التحیات میں پھر سورج روشن ہو گیا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے ایسا سجدہ کبھی نہیں کیا جو اس سے لمبا ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز میں جیسا کہ قیام اور رکوع لمبا کیا جاتا ہے ویسا ہی سجدہ بھی لمبا کرنا چاہیے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کا سجدہ رکوع کی مانند تھا اور یہی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق اور شافعی رحمہ اللہ وغیرہ اہل حدیث کا اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اس میں سجدے کو لمبا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ طول اسی رکن میں ہوتا ہے جس میں تکرار ہو اور سجدے میں تکرار نہیں پس اس کو طول کرنا بھی جائز نہ ہوگا یہ قیاس ہے نص کے مقابلے میں پس مردود ہوگا۔

بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ جَمَاعَةً وَّصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ لَّهُمْ فِيْ صُفَّةِ زَمْزَمَ وَجَمَعَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ.

گہن کی نماز جماعت سے پڑھنے کا بیان اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو نماز پڑھائی زمزم کے والان میں اور علی بن عبداللہ نے گہن کی نماز کے واسطے لوگوں کو جمع کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے امامت کی۔

فائدہ: جمہور علماء کہتے ہیں کہ گہن کی نماز جماعت سے پڑھی جائے اگر دائمی امام موجود نہ ہو تو کسی کو امام بنالے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر دائمی امام موجود نہ ہو تو تنہا نماز پڑھیں جماعت نہ کریں۔ نیز ان اثروں سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز میں جماعت کرنی مشروع ہے۔

٩٩٣ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا

٩٩٣۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج کو گہن لگا سو آپ نے نماز پڑھی سو قیام کیا بہت لمبا قیام کرنا مقدار پڑھنے سورہ بقرہ کے یعنی جتنی دیر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اتنی دیر کھڑے رہے باقی ترجمہ اس کا کئی بار اوپر گزر چکا ہے مگر اس کے آخر میں اتنا زیادہ ہے کہ لوگوں نے عرض کی کہ یا حضرت! ہم نے آپ کو

نَحْوًا مِّنْ قِرَآءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا وَلَوْ أَصَبْتُهٗ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَأُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَآءَ قَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلٰى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهٗ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

اپنی جگہ میں کوئی چیز لیتے دیکھا پھر آپ کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے سو فرمایا کہ میں نے بہشت کو دیکھا اور اس سے انگور کے گچھے پکڑنے کا ارادہ کیا اور اگر میں اس کو پکڑ لیتا تو البتہ تم اس سے ہمیشہ کھاتے جب تک کہ دنیا باقی رہتی اور مجھ کو دوزخ دکھلائی گئی سو میں نے آج جیسی بری جگہ کبھی نہیں دیکھی اور میں نے اس کے اکثر لوگ عورتیں دیکھیں اصحاب نے عرض کی کہ کس سبب سے عورتیں دوزخ میں بہت ہوں گی؟ آپ نے فرمایا اُن کے کفر کے سبب سے کہا گیا کہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ فرمایا خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان سے کفر کرتی ہیں اگر تو کسی عورت کے ساتھ تمام عمر احسان کرتا رہے پھر وہ تجھ سے کوئی چیز تھوڑی دیکھے تو کہتی ہے کہ میں نے کبھی تجھ سے بہتری نہیں دیکھی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز میں جماعت مشروع ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہشت اور دوزخ اب موجود ہیں اور پیدا ہو چکے ہیں اور یہ کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی اور یہ کہ اہل توحید کو گناہ پر عذاب ہوگا اور یہ جو

فرمایا کہ میں نے بہشت کو دیکھا تو ظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ درمیان سے پردہ اٹھا کر اصلی بہشت اور دوزخ آپ کے سامنے لائے گئے اور آپ نے ان کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور یہ بات ممکن ہے محال نہیں خاص کر پیغمبر کے حق میں تو بطریق اولیٰ ممکن ہے اور یا مراد اس سے اس کی مثال ہے یا کچھ اور جیسا کہ اوائل صلوۃ میں گزرا اور آپ نے بہشت کا میوہ اس واسطے نہ پکڑا کہ وہ جنت کا کھانا ہے اور وہ فانی نہیں اور دنیا فانی ہے پس فانی جگہ میں نہ فانی ہونے والے کو کھانا جائز نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر اس کو لوگ دیکھ لیتے تو ایمان بالغیب نہ رہتا پس خوف تھا کہ توبہ موقوف ہو جاتی اور بعض کہتے ہیں کہ بہشت عملوں کا بدلہ ہے اور وہ آخرت میں واقع ہوگا نہ دنیا میں، واللہ اعلم۔

بَابُ صَلَاةِ النِّسَآءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوْفِ.

گہن میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ نماز پڑھنی جائز ہے۔

فائدہ: ثوری اور بعض کوفے والوں سے منقول ہے کہ گہن میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ نماز پڑھنی منع ہے سو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اشارہ کیا کہ یہ قول مردود ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ گہن کی نماز میں سب عورتیں باہر آئیں مگر جو خوبصورت ہوں وہ باہر نہ آئیں اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت آئی ہے۔

٩٩٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَآءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهَا قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّوْنَ وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّيْ فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا إِلَى السَّمَآءِ وَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَأَشَارَتْ أَيْ نَعَمْ قَالَتْ فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِيَ الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِيَ الْمَآءَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا

٩٩٤۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جب کہ سورج میں گہن پڑا سو اچانک لوگ کھڑے نماز پڑھتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کھڑی نماز پڑھتی تھی سو میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا حال ہے لوگوں کا سو اُس نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا اللہ پاک ہے (یہ کلمہ حیرت کے وقت کہتے ہیں) میں نے کہا کہ کیا یہ گہن عذاب کی نشانی ہے؟ سو اُس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں یہ عذاب کی نشانی ہے اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں بھی (اس کے ساتھ) نماز کو کھڑی ہوئی یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگئی یعنی گرمی کی شدت سے سو میں نے اپنے سر پر پانی ڈالنا شروع کیا سو جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ کی تعریف کی اور اس پر ثنا کہی پھر فرمایا کہ کوئی چیز نہیں جس کو میں نے دیکھا ہوا نہیں تھا مگر کہ میں نے اس کو دیکھ لیا ہے اپنی اس جگہ میں یہاں تک کہ بہشت اور دوزخ کو بھی دیکھا اور

حَتَّی الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ أُوْحِیَ إِلَیَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ مِثْلَ أَوْ قَرِیْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ لَا أَدْرِیْ أَیَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَآءُ یُؤْتٰی أَحَدُكُمْ فَیُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوْقِنُ لَا أَدْرِیْ أَیَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَآءُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ نَا بِالْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی فَأَجَبْنَا وَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَیُقَالُ لَهٗ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِیْ أَیَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَآءُ فَیَقُوْلُ لَا أَدْرِیْ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا فَقُلْتُهٗ.

بیشک مجھ کو وحی ہوئی کہ تم قبروں میں مبتلا کیے جاؤ گے مثل فتنے دجال کے اور تم میں سے ہر ایک آدمی لایا جائے گا یعنی اس کے پاس فرشتے آئیں گے سو اس سے پوچھیں گے کہ تو اس مرد یعنی پیغمبر ﷺ کو کیسا جانتا ہے اور ان کے ساتھ کیسا اعتقاد رکھتا ہے؟ سو جو ایماندار ہوگا وہ کہے گا کہ وہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں لائے ہمارے پاس دلیلیں روشن اور ہدایت سو ہم نے ان کی پیغمبری کو قبول کیا اور اس کے ساتھ ایمان لائے اور اس کی پیروی کی سو اس کو کہا جائے گا کہ سو جا چین اور آرام سے کہ اس میں کبھی بے آرامی نہیں یا سو جا اس حال میں کہ تو نیکوکار ہے ہم جانتے تھے کہ تو اس کے ساتھ یقین رکھتا ہے اور جو منافق بے دین ہوگا وہ کہے گا میں کچھ نہیں جانتا میں نے لوگوں کو ایک چیز کہتے سنا تھا سو میں نے بھی اس کو کہا یعنی دین کو سنا لیکن اس کے ساتھ دل سے یقین نہ کیا اور اس کی تصدیق نہ کی یا دین کی تحقیق نہ کی سنی سنائی بات کا یقین کرلیا۔

فائدہ: یہ حدیث کتاب العلم اور کتاب الطہارۃ میں پہلے گزر چکی ہے اور اس حدیث کے بعض طریقوں میں آیا ہے کہ دوسری عورتیں اسماء رضی اللہ عنہا سے دور تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پچھلی صف میں حضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں جیسا کہ نماز پنجگانہ میں ان کی عادت تھی پس معلوم ہوا کہ گہن میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ میں کئی عورتوں کے ساتھ آئی اور حضرت ﷺ مصلے پر کھڑے ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے مردوں کے ساتھ نماز پڑھی ورنہ مسجد میں آنے کے کوئی معنی نہ تھے۔

بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِی كُسُوْفِ الشَّمْسِ.

سورج گہن میں غلام آزاد کرنے کا بیان۔

٩٩٥ ـ حَدَّثَنَا رَبِیْعُ بْنُ یَحْیٰی قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَآءَ قَالَتْ لَقَدْ أَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَةِ فِی كُسُوْفِ الشَّمْسِ.

٩٩٥۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے سورج گہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن میں غلام آزاد کرنا مستحب ہے اور وجہ مناسبت کی ان کے درمیان یہ ہے کہ مقصود گہن میں لوگوں کو عذاب سے ڈرانا ہے اور سب سے سخت عذاب آگ کا ہے پس مناسب ہوا کہ اس میں افضل صدقہ آگ سے بچانے والا دیا جائے اور وہ غلام آزاد کرنا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی غلام مسلمان کو آزاد کرے تو اللہ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے پس وجہ مناسبت کی ظاہر ہوگئی۔

بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ فِي الْمَسْجِدِ.

گہن کی نماز مسجد میں پڑھنے کا بیان یعنی سنت ہے کہ گہن کی نماز مسجد میں پڑھی جائے۔

٩٩٦ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَاءَ تْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَآئِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ مَّرْكَبًا فَكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَقَامَ النَّاسُ وَرَآءَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ سُجُوْدًا طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ

٩٩٦۔ ترجمہ اس حدیث کا باب التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف میں پہلے گزر چکا ہے۔

الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ وَهُوَ دُونَ السُّجُودِ الْأَوَّلِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَآءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُولَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَّتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

فائدہ: گہن کی نماز مسجد میں پڑھنے کا اس حدیث میں ذکر نہیں لیکن صحیح مسلم میں عمرہ سے روایت ہے کہ میں کئی عورتوں کے ساتھ مسجد میں آئی اور حضرت ﷺ ابراہیم کو دفن کر کے پلٹ آئے اور آ کر اپنے مصلے پر کھڑے ہوئے ...... الخ پس معلوم ہوا کہ سنت ہے کہ گہن کی نماز مسجد میں پڑھی جائے اگر سنت نہ ہوتی تو آپ اس کو میدان میں پڑھتے خاص کر یہ کہ آپ گہن کے وقت میدان میں تھے اس لیے کہ ابراہیم کو دفن کرنے گئے تھے لیکن آپ نے میدان میں نماز نہ پڑھی بلکہ وہاں سے پلٹ کر مسجد میں آ کر پڑھی۔

بَابُ لَا تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ رَوَاهُ أَبُوْ بَكْرَةَ وَالْمُغِيْرَةُ وَأَبُوْ مُوْسٰى وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

کسی کے مرنے جینے سے سورج میں گہن نہیں پڑتا روایت کیا ہے اس حدیث کو ان پانچ صحابہ نے یعنی ابوبکرہ اور مغیرہ اور ابوموسیٰ اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے اور سب حدیثیں پہلے بابوں میں گزر چکی ہیں۔

فائدہ: مطلب اس باب کا پہلے گزر چکا ہے لیکن زیادہ اہتمام کے واسطے اس کا باب علیحدہ باندھا۔

٩٩٧ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَصَلُّوْا.

٩٩٧۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے جینے سے سورج اور چاند کو گہن نہیں پڑتا لیکن وہ دونشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے سو جب تم گہن کو دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو۔

٩٩٨ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ

٩٩٨۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ

حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَأَطَالَ الْقِرَآءَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ. ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَأَطَالَ الْقِرَآءَةَ وَهِيَ دُوْنَ قِرَآءَتِهِ الْأُوْلٰى ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوْعَ دُوْنَ رُكُوْعِهِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ يُرِيْهِمَا عِبَادَهٗ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ.

کے زمانے میں سورج کو گہن لگا سو حضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی سو آپ نے قرأت کو لمبا کیا پھر رکوع کیا اور رکوع کو بہت لمبا کیا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور قرأت کو لمبا کیا اور وہ پہلی قرأت سے کم تھی پھر رکوع کیا اور رکوع کو لمبا کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر سر اٹھایا اور دو سجدے کیے پھر کھڑے ہوئے اور دوسری رکعت میں بھی ویسا ہی کیا پھر (سلام پھیر کر) کھڑے ہوئے سو فرمایا...... الخ باقی ترجمہ اس کا وہی ہے جو سابق حدیث میں گزرا۔

بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوْفِ رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

گہن میں ذکر کرنے کا بیان یعنی مستحب ہے روایت کیا ہے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ جب گہن کو دیکھو تو ذکر کیا کرو۔

٩٩٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا يَّخْشٰى أَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَّرُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ رَأَيْتُهٗ قَطُّ يَفْعَلُهٗ وَقَالَ هٰذِهِ

٩٩٩۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج کو گہن لگا سو حضرت ﷺ گھبرا کر کھڑے ہوئے خوف کرتے تھے کہ یہ نشانی قیامت کی ہے سو آپ مسجد میں آئے اور اتنے لمبے قیام اور رکوع اور سجود سے نماز پڑھی کہ میں نے آپ کو ایسا کرتے کبھی نہیں دیکھا اور فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں کہ اللہ ان کو بھیجتا ہے کسی کے مرنے جینے سے یہ واقع نہیں ہوتے ہیں لیکن اللہ ان کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے سو جب تم کوئی نشانی

الْاٰيَاتُ الَّتِيْ يُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنْ يُّخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا إِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَآئِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ.

دیکھو تو ذکر اور دعا اور استغفار کی طرف متوجہ ہوا کرو اور اس کے ساتھ التجا کرو۔

فائدہ: علماء کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے دجال آئے گا اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور مغرب کی طرف سے سورج چڑھے گا اور ان کے سوا اور بھی بہت نشانیاں ہیں جو قیامت سے پہلے پیدا ہوں گی اور جب تک یہ نشانیاں واقع نہ ہوں گی تب تک قیامت واقع نہیں ہوگی اور ان نشانیوں سے ابھی تک ایک نشانی بھی ظاہر نہیں ہوئی پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خوف کیوں کیا کہ ابھی قیامت ہوگی سو جواب اس کا یہ ہے کہ شاید آپ کا خوف اس وجہ سے ہو گا کہ گہن بعض علامات قیامت کا مقدمہ ہے مثل طلوع آفتاب کے مغرب سے اور یہ کچھ محال نہیں کہ گہن اور طلوع آفتاب کے درمیان کوئی اور نشانیاں واقع ہوں جو ایک دوسرے کے پیچھے پیدا ہوتی جائیں اور یا مراد اس سے تشبیہ ہے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میں ایسے گھبرا گئے جیسے کہ لوگ قیامت کو دیکھ کر گھبرا جائیں گے، واللہ اعلم۔

بَابُ الدُّعَآءِ فِي الْخُسُوْفِ قَالَهٗ أَبُوْ مُوْسٰى وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

گہن میں دعا کرنی مستحب ہے روایت کیا ہے اس حدیث کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے جیسا کہ اوپر گزرا۔

١٠٠٠ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا زَآئِدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُوْلُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُمَا فَادْعُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ.

١٠٠٠۔ ترجمہ اس حدیث مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا باب الصلوۃ فی کسوف الشمس میں پہلے گزر چکا ہے اور مناسبت حدیث کی باب سے ظاہر ہے۔

بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ فِيْ خُطْبَةِ الْكُسُوْفِ أَمَّا بَعْدُ وَقَالَ أَبُوْ أُسَامَةَ.

گہن کے خطبے میں امام کو اما بعد کہنا جائز ہے روایت کیا ہے اس حدیث کو ابو اسامہ نے جیسا کہ کتاب الجمعہ کے

باب من قال فی الخطبة بعد الثناء اما بعد میں گزر چکا ہے۔

حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَتْنِيْ فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَآءَ قَالَتْ فَانْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ.

اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ گہن کی نماز سے پھرے اور سورج روشن ہو گیا تھا سو آپ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی تعریف کی جو اس کے لائق تھی پھر فرمایا اما بعد یعنی حمد اور صلوۃ کے بعد۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ گہن کے خطبے میں اما بعد کہنا جائز ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِيْ كُسُوْفِ الْقَمَرِ.

چاند گہن میں نماز پڑھنے کا بیان یعنی سورج گہن کی طرح اس میں بھی نماز پڑھنی سنت ہے۔

١٠٠١ ۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

١٠٠١۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ کے زمانے میں سورج کو گہن لگا سو آپ نے دو رکعتیں نماز پڑھی۔

١٠٠٢ ۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَآءَهُ حَتّٰى انْتَهٰى إِلَى الْمَسْجِدِ وَثَابَ النَّاسُ إِلَيْهِ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ فَانْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا حَتّٰى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ وَذَاكَ أَنَّ ابْنًا لِّلنَّبِيِّ

١٠٠٢۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ کے وقت میں سورج میں گہن پڑا سو حضرت ﷺ چادر کھینچتے باہر نکلے اور مسجد میں پہنچے اور لوگ بھی آپ کے پاس جمع ہوئے سو آپ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور سورج روشن ہو گیا تھا سو فرمایا کہ سورج اور چاند دو نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں سے اور وہ کسی کے مرنے سے سیاہ نہیں ہوتے ہیں سو جب ان کو گہن لگے تو نماز پڑھا کرو اور دعا کیا کرو یہاں تک کہ دور ہو جائے وہ چیز جو واقع ہوئی ہے ساتھ تمہارے خوف الٰہی سے اور یہ حدیث آپ نے اس واسطے فرمائی کہ آپ کا ایک بیٹا (جس کا نام ابراہیم تھا) مر گیا اور اسی دن گہن ہوا سو

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ يُقَالُ لَهٗ إِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ فِيْ ذَاكَ.

لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کے مرنے سے گہن ہوا ہے۔

فائدہ: یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں ایک پوری ہے اور دوسری مختصر ہے اس میں آپ نے گہن کو سورج اور چاند دونوں کی طرف نسبت کیا ہے اور دونوں وقت نماز پڑھنا فرمایا پس معلوم ہوا کہ چاند گہن میں بھی نماز پڑھنی سنت ہے پس مطابقت حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اور اس میں رد ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ پر جو جماعت سے انکار کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چاند گہن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا منقول نہیں لیکن ابن حبان نے سیرت میں لکھا ہے کہ پانچویں سال ہجری میں چاند میں گہن پڑا سو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

بَابُ صَبِّ الْمَرْأَةِ عَلٰى رَأْسِهَا الْمَآءَ إِذَا طَالَ الْإِمَامُ الْقِيَامَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى.

جب امام پہلی رکعت میں قیام کو لمبا کرے تو اس وقت گرمی کی شدت سے عورت کو اپنے سر پر پانی ڈالنا جائز ہے۔

فائدہ: اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی حدیث بیان نہیں کی شاید اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث پر کفایت کی ہوگی جو کئی بار اوپر گزر چکی ہے اور بعض نسخوں میں یہ باب نہیں ہے۔

بَابُ الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى فِي الْكُسُوْفِ أَطْوَلُ.

گہن کی نماز میں پہلی رکعت کو بہت لمبا کرنا چاہیے۔

١٠٠٣ ـ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ سَجْدَتَيْنِ الْأَوَّلُ وَالْأَوَّلُ أَطْوَلُ.

١٠٠٣۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن میں لوگوں کو نماز پڑھائی دو رکعتوں میں چار رکوع کیے پہلی رکعت دوسری سے لمبی تھی۔

فائدہ: ابن بطال نے کہا کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ پہلی رکعت مع قیام اور رکوع کے دوسری رکعت سے لمبی ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دونوں رکعتوں کا پہلا قیام اور رکوع ان کے دوسرے قیام اور رکوع سے لمبا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ پہلی رکعت کا دوسرا قیام اور دوسری رکعت کا پہلا قیام دونوں آپس میں برابر ہیں یا پہلا دوسرے سے لمبا ہے لیکن ترجیح اسی کو ہے کہ پہلا قیام دوسرے سے لمبا ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَآءَةِ فِي الْكُسُوْفِ.

گہن کی نماز میں قراءت پکار کر پڑھنے کا بیان۔

١٠٠٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ

١٠٠٤۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ نَمِرٍ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلَاةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَآءَ تِهٖ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَآءَ تِهٖ كَبَّرَ فَرَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُعَاوِدُ الْقِرَآءَةَ فِيْ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَغَيْرُهٗ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ وَأَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ نَمِرٍ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ مِثْلَهٗ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَقُلْتُ مَا صَنَعَ أَخُوْكَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ مَا صَلّٰى إِلَّا رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ إِذْ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ أَجَلْ إِنَّهٗ أَخْطَأَ السُّنَّةَ تَابَعَهٗ سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي الْجَهْرِ.

نے گہن کی نماز میں قراءت پکار کر پڑھی سو جب اپنی قراءت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو کہا سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد پھر قراءت کو دوہرا کر پڑھا یعنی پہلے رکوع کے بعد دو رکعتوں میں چار رکوع کیے اور چار سجدے کیے اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج کو گہن لگا سو آپ نے کسی کو بھیجا کہ لوگوں میں الصلوۃ جامعۃ کی پکار کرے سو آپ آگے بڑھے اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے زہری کہتا ہے کہ میں نے عروہ سے کہا کہ تیرے بھائی عبداللہ بن زبیر نے کیا کیا نہ نماز پڑھی مگر دو رکعتیں صبح کی نماز کی طرح جب کہ مدینے میں اس نے نماز پڑھی اس نے کہا ہاں وہ سنت سے چوک گیا متابعت کی ہے ابن نمر کی سلیمان بن کثیر اور سفیان بن حسین نے زہری سے قرأت کے پکار کر پڑھنے میں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گہن کی نماز میں قرأت کو پکار کر پڑھنا چاہیے اور یہی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا اور یہی قول ہے ابن منذر اور ابن خزیمہ وغیرہ محدثین کا اور یہی مذہب ہے ابن عربی مالکی کا اور یہی روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ سورج گہن میں قرأت کو پوشیدہ پڑھے اور چاند گہن میں قرأت کو پکار کر پڑھے اور اس باب میں مختلف روایتیں آئی ہیں بعض سے جہر ثابت ہوتا ہے اور بعض سے اخفا ثابت ہوتا ہے لیکن مثبت کے ساتھ

زیادتی علم کی ہے پس اس کے ساتھ عمل کرنا اولیٰ ہے اور اگر تعدد واقعہ کا ثابت ہو تو ہوگا یہ واسطے بیان جواز کے یعنی جہر بھی جائز ہے اور اخفا بھی جائز ہے اور جس حدیث میں آیا ہے کہ آپ کی آواز نہیں سنی جاتی تھی وہ نفی جہر پر دلالت نہیں کرتی اور ابن عربی نے کہا کہ گہن کی نماز میں قرأت کو پکار کر پڑھنا میرے نزدیک اولیٰ ہے اس لیے کہ یہ نماز جامع ہے اور اس کے واسطے لوگوں کو پکارا جاتا ہے اور اس میں خطبہ پڑھا جاتا ہے پس مشابہ ہوگی ساتھ عید اور استسقاء کے واللہ اعلم۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دونوں رکعتوں کے پہلے قیام میں سورہ فاتحہ پڑھنی واجب ہے اور دوسرے قیام میں اختلاف ہے سو مذہب ہمارا اور مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے جمہور اصحاب کا یہ ہے کہ اس میں بھی فاتحہ پڑھنی فرض ہے بدون اس کے قیام صحیح نہیں اور محمد بن سلمہ مالکی نے کہا کہ دوسرے قیام میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

❀......❀......❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبْوَابُ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ
قرآن کے سجدوں کا بیان

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ وَسُنَّتِهَا.

اُن حدیثوں کا بیان جو تلاوت قرآن کے سجدوں میں وارد ہوئی ہیں اور ان سجدوں کے سنت ہونے کا بیان۔

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ تلاوت کے سجدوں کی تعداد اور گنتی میں علماء کو اختلاف ہے سو مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گروہ کا یہ ہے کہ تلاوت کے سجدے چودہ ہیں ان میں سے دو سجدے سورہ حج میں ہیں اور تین سجدے مفصل میں ہیں اور سورہ ص کا سجدہ ان میں داخل نہیں بلکہ وہ سجدہ شکر کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ تلاوت کے گیارہ سجدے ہیں مفصل کے تین سجدے اُن کے نزدیک ثابت نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ چودہ سجدے ہیں جیسا کہ مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے لیکن وہ سورہ حج کے ایک سجدے کو ساقط کرتے ہیں اور اس کے بدلے ص کا سجدہ ان میں داخل کرتے ہیں اور احمد اور ابن شریح وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ پندرہ سجدے ہیں وہ سب سجدوں کو ثابت کرتے ہیں اور تلاوت کے سجدوں کی جگہیں قرآن میں مشہور ہیں اور سب کو معلوم ہیں اور نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ تلاوت کے سجدے سنت ہیں یا واجب ہیں سو جمہور علماء کے نزدیک یہ سب سجدے سنت ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدے تلاوت کے واجب ہیں فرض نہیں کہ ان کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے وسیاتی بیانه ان شاء الله تعالٰی لیکن ان کے ثبوت میں کسی کو اختلاف نہیں اور سجدہ تلاوت کا سنت ہے پڑھنے والے کے حق میں بھی اور سننے والے کے حق میں بھی اور اگر وہ دونوں نماز سے باہر ہوں تو سننے والے کو سجدہ میں پڑھنے والے کی پیروی کرنی ضروری نہیں بلکہ خواہ اپنے سر کو اس سے پہلے اٹھا دے اور خواہ اس سے پیچھے دیر تک سجدے میں رہے ہر طور سے جائز ہے اور اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سننے والے کو سجدہ کرنا جب بھی جائز ہے خواہ قاری وضو سے ہو یا بے وضو ہو یا لڑکا ہو یا عورت وغیرہ ہو انتہی ملخصا اور بعض نے کہا کہ جس جس جگہ سجدہ کا حکم آیا ہے یا اس کی ترغیب آئی ہے یا اس کے فاعل کی تعریف آئی ہے سب جگہ سجدہ کرنا مشروع ہے اور اس وجہ سے سجدوں کا شمار بہت ہو جاتا ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس جگہ سجدے کا حکم واقع ہوا ہے وہ واجب ہے۔

١٠٠٥ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ

١٠٠٥۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں سورۃ النجم پڑھی سو آپ نے اس

قَالَ سَمِعْتُ الْأَسْوَدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ مَّعَهٗ غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِّنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ إِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا فَرَأَيْتُهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا.

میں سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے کہ اُس نے مٹی یا کنکر کی ایک مٹھی پکڑی اور اس کو اپنے ماتھے کی طرف اٹھایا اور کہا کہ مجھ کو یہی کافی ہے یعنی آپ کے ساتھ تکبر سے زمین پر سجدہ نہ کیا بلکہ مٹی کو زمین سے اٹھا کر ماتھے کے ساتھ لگا لیا سو بعد اس کے میں نے اس کو دیکھا کہ کفر میں مقتول ہوا۔

فائدہ: اس شخص کے نام میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ امیہ بن خلف تھا جو جنگ بدر کے دن کافر مرا اور یہ جو کہا کہ سب لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا تو مطلب اس کا یہ ہے کہ جب سورہ نجم اتری تو جو لوگ مسلمان اور کافر اور جن وہاں حاضر تھے سب نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا یہاں تک کہ مشہور ہو گیا کہ مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں اور طبرانی میں مخرمہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ﷺ نے مکے میں اسلام کو لوگوں میں ظاہر کیا تو لوگ مسلمان ہو گئے اس وقت ابو جہل وغیرہ طائف میں تھے سو جب وہ طائف سے پلٹ کر آئے تو پھر لوگوں کو اسلام سے پھیر ڈالا سو کافروں کا آپ کے ساتھ یہ سجدہ کرنا اس وقت میں واقع ہوا ہو گا جن دنوں میں وہ مسلمان ہو گئے تھے ابو جہل وغیرہ کے آنے سے پہلے اور بعضوں نے کہا کہ آپ کے غلبے جلالیت اور قہر کے سبب سے کافر بے قرار ہو گئے تھے اور بے اختیار ہو کر سجدہ کیا تھا، واللہ اعلم۔

بَابُ سَجْدَةِ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةُ.

سورہ تنزیل میں سجدہ کرنے کا بیان۔

فائدہ: ابن بطال نے کہا کہ سورۂ تنزیل کے سجدے پر سب کا اتفاق ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ نماز کے اندر بھی یہ سجدہ کیا جائے یا نہ کیا جائے اور مفصل بیان اس کا کتاب الجمعہ میں گزر چکا ہے کہ اکثر اہل علم اس سجدے کو نماز میں جائز نہیں کہتے ہیں اور امام ابن سیرین اور نخعی وغیرہ بعض کہتے ہیں کہ جائز بلکہ مستحب ہے۔

١٠٠٦ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿آلٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ﴾ وَ ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾.

١٠٠٦۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضرت ﷺ فجر کی نماز میں سورۂ الم تنزیل اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔

بَابُ سَجْدَةِ صٓ.

سورہ ص کے سجدے کا بیان۔

١٠٠٧ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ ﴿صٓ﴾ لَيْسَ مِنْ عَزَآئِمِ السُّجُودِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا.

١٠٠٧۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورہ ص کا سجدہ واجبات سے نہیں اور میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس میں سجدہ کرتے تھے۔

فائدہ: ابن منذر وغیرہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورہ حم اور نجم اور اقرأ اور تنزیل کے سجدے واجب ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے سوائے حم کے اور بعضوں نے کہا کہ سورہ اعراف اور سبحان الذی اور حم اور الم کے سجدے واجب ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک کوئی سجدہ تلاوت کا واجب نہیں کما مر پس وہ اس حدیث کا یہ معنی کرتے ہیں کہ مراد عزیمت سے زیادہ تاکید ہے وجوب نہیں اس لیے کہ بعض مستحبات کی بعض سے زیادہ تاکید ہے یا مراد یہ ہے کہ یہ سجدہ ثابت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سجدہ شکر کا ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ سجدہ بھی واجب ہے لیکن مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا ہے چہ جائیکہ ایک بار کا فعل ہو اور نیز دوسرے دن آپ نے یہ سورہ منبر پر پڑھی اور فرمایا کہ میں نے صرف تمہاری خاطر سجدہ کیا ہے کہ تم کو سجدے کے لیے مستعد دیکھا پس یہ حدیث سب تاویلوں کو باطل کرتی ہے۔

بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

سورۂ نجم میں سجدہ کرنے کا بیان روایت کیا ہے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

١٠٠٨ ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ سُورَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا فَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِّنَ الْقَوْمِ إِلَّا سَجَدَ فَأَخَذَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِّنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ وَقَالَ يَكْفِينِي هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا.

١٠٠٨۔ ترجمہ اس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا پہلے باب میں گزر چکا ہے۔

بَابُ سُجُوْدِ الْمُسْلِمِيْنَ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ لَيْسَ لَهٗ وُضُوْءٌ.

مسلمانوں کا مشرکوں کے ساتھ سجدہ کرنا اور مشرک ناپاک ہے اور اس کا وضو درست نہیں۔

فائدہ: مراد اس سے سجدہ کرنے کی تاکید ہے یعنی جب مشرک باوجود نااہل ہونے کے سجدے پر برقرار رکھا گیا تو اہل کو بطریق اولیٰ لائق ہے کہ سجدہ کرے اور احتمال ہے کہ مراد اس سے یہ ہو کہ خوف فوت کے وقت بے وضو سجدہ کرنا جائز ہے اور تائید کرتا ہے اس کی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہ مسلمانوں اور مشرکوں وغیرہ سب نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا اس لیے کہ مشرکوں کا وضو درست نہیں پس اس سے لازم آیا کہ بے وضو سجدہ کرنا درست ہے، واللہ اعلم۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْجُدُ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بے وضو سجدہ کیا کرتے تھے۔

فائدہ: یہ بات عادۃً بعید معلوم ہوتی ہے کہ جو مسلمان اس وقت آپ کے پاس حاضر تھے سب وضو سے تھے بلکہ بعض اُن میں سے ضرور بے وضو ہوں گے اور جب سب لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور آپ نے کسی پر انکار نہ کیا تو معلوم ہوا کہ بے وضو سجدہ کرنا جائز ہے پس یہی وجہ ہے مطابقت اس حدیث کی باب سے اور بعض نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سجدہ تلاوت کا بے طہارت جائز نہیں سو مراد اس سے جنابت ہے نہ وضو پس ان میں کچھ تعارض نہیں لیکن سوائے شعبی کے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس مسئلے میں کوئی موافق نہیں بلکہ سب جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ بے وضو سجدہ درست نہیں۔

١٠٠٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طُهْمَانَ عَنْ أَيُّوْبَ.

١٠٠٩۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اور مسلمانوں اور مشرکوں اور جنوں اور آدمیوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا یعنی جو اس مجلس میں موجود تھے۔

فائدہ: اور یا مراد اس سے یہ ہے کہ اس واقعہ کا علم سب جنوں اور آدمیوں کو پہنچ گیا اور بعض زندیق کہتے ہیں کہ کافروں نے آپ کے ساتھ اس واسطے سجدہ کیا کہ شیطان نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بتوں کی تعریف کروائی تھی لیکن یہ قصہ محدثین اور محققین کے نزدیک باطل اور موضوع ہے کما سیاتی بیانہ ان شاء اللّٰہ تعالٰی فی سورۃ الحج اور شیطان کا دخل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونا کیسے ممکن ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا کہ میرے بندوں پر تجھ کو کچھ قدرت

نہیں ﴿إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ پس جب عام مسلمانوں کا یہ حال ہے تو پھر تمام مخلوق کے سردار پر وہ کیسے قدرت پا سکتا ہے؟۔

بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ.

جو شخص سجدے کی آیت پڑھے اور اُس میں سجدہ نہ کرے

١٠١٠ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيْعِ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا.

١٠١٠۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُس نے سورہ نجم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا سو آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا۔

فائدہ: مالکیہ کہتے ہیں کہ مفصل میں سجدہ تلاوت کا نہیں اور ابوثور نے کہا کہ سورہ نجم میں خاص کر سجدہ نہیں سو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اشارہ کیا ہے اس طرف کہ یہ قول مردود ہے اس لیے کہ آپ کا اس وقت سجدہ نہ کرنا مطلق ترک پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کہ احتمال ہے کہ آپ نے بیان جواز کے واسطے اس کو ترک کر دیا ہو یعنی کبھی چھوڑ دینا بھی جائز ہے علاوہ ازیں دارقطنی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں سجدہ کیا سو ہم نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور راوی اس حدیث کے سب ثقہ ہیں پس ضروری ہے کہ ان میں تطبیق دی جائے اور وجہ تطبیق کی وہی ہے جو اوپر گزری اور حنفیہ اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں کہ شاید زید نے سجدے کی آیت درمیان سے چھوڑ دی ہوگی اس واسطے سجدہ نہ کیا سو جواب اس کا یہ ہے کہ جب قاری سجدے کی آیت نہ پڑھے تو پھر بالاتفاق سجدہ واجب نہیں ہوتا اس صورت میں راوی کی یہ خبر محض لغو ہے اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں اور نیز اگر واجب ہوتا تو آپ زید کو اس کا حکم فرماتے گو مہلت کے ساتھ ہی سہی اور جب آپ نے اس کو حکم نہ فرمایا مع وقت بیان کے تو معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت کا واجب نہیں۔

١٠١١ ـ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا.

١٠١١۔ ترجمہ اس کا وہی ہے جو اوپر گزرا۔

بَابُ سَجْدَةِ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾.

سورۂ اذا السماء انشقت میں سجدہ کرنے کا بیان۔

۱۰۱۲ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَا أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ بِهَا فَقُلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَلَمْ أَرَكَ تَسْجُدُ قَالَ لَوْ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ لَمْ أَسْجُدْ.

۱۰۱۲۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اُس نے سورۂ اذا السماء انشقت پڑھی اور اس میں سجدہ کیا سو میں نے کہا کہ اے ابو ہریرہ! کیا میں تجھ کو سجدہ کرتے نہیں دیکھتا ہوں یعنی اس میں سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے نہ دیکھتا تو سجدہ نہ کرتا۔

فائدہ: فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کا عمل اس کے برخلاف تھا اس واسطے اُس نے انکار کیا لیکن اس میں نظر ہے اور بر تقدیر تسلیم مطلق سجدہ کی نفی اس سے نہیں نکلتی احتمال ہے کہ مراد اس سے یہ ہو کہ یہ سجدہ نماز میں نہیں اور نیز جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کے ساتھ تنازع نہ کیا اور نہ عمل مستمر کے ساتھ اس پر حجت پکڑی پس معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ باطل ہے اور جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے اس کا فعل ثابت ہو چکا ہے تو پھر ایسا کون سا عمل مستمر ہے جس کا اعتبار کیا جائے حالانکہ علماء مدینہ سے اس کا برخلاف ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔

بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُوْدِ الْقَارِئِ.

جب سجدے کی آیت پڑھنے والا سجدہ کرے تو سننے والا بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے۔

فائدہ: ابن بطال نے کہا کہ اس پر سب علماء کا اجماع ہے کہ جب سجدے کی آیت پڑھنے والا سجدہ کرے تو سننے والے پر بھی سجدہ کرنا لازم ہو جاتا ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ سامع اس کو قصداً سنے کما سیاتی اور اس باب میں اشارہ ہے کہ جب پڑھنے والا سجدہ نہ کرے تو سننے والا بھی سجدہ نہ کرے اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سننے والے پر ہر حال میں سجدہ کرنا واجب ہے خواہ قاری سجدہ کرے یا نہ کرے اور خواہ اس کو قصداً کان لگا کر سنے یا اتفاقاً اس کے کان میں آواز پڑ جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی اتفاقاً آیت سجدے کی آواز سنے تو اس پر سجدہ کرنا واجب نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ سجدہ کرے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لِتَمِيْمِ بْنِ حَذْلَمٍ وَهُوَ غُلَامٌ فَقَرَأَ عَلَيْهِ سَجْدَةً فَقَالَ اسْجُدْ فَإِنَّكَ إِمَامُنَا فِيهَا.

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمیم سے کہا اور وہ کم عمر تھا سو اُس نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر سجدے کی آیت پڑھی سو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ سجدہ کر اس واسطے کہ بیشک تو ہمارا امام ہے سجدے میں۔

فائدہ: ظاہر اس قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تو سجدہ نہ کرے تو ہم بھی سجدہ نہ کریں گے پس معلوم ہوا کہ اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سننے والا بھی نہ کرے پس یہی ہے وجہ مناسبت اس حدیث کی باب سے اور ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ ایک لڑکے نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سجدے کی آیت پڑھی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہ کیا سو اس لڑکے نے کہا کہ یا حضرت! کیا اس آیت میں سجدہ کرنا نہیں آیا؟ آپ نے فرمایا ہاں آیا ہے لیکن اگر تو سجدہ کرتا تو ہم بھی سجدہ کرتے سو یہ حدیث صریح ہے اس باب میں تاویل کی اس میں مطلق گنجائش نہیں پس ثابت ہوا کہ اگر امام سجدہ نہ کرے تو سننے والے پر بھی سجدہ کرنا لازم نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ سجدہ کرے گو امام سجدہ نہ کرے۔

١٠١٣ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّوْرَةَ فِيْهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَوْضِعَ جَبْهَتِهٖ.

١٠١٣۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر وہ سورت پڑھتے تھے جس میں کہ سجدہ ہوتا سو آپ سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی اپنے ماتھے کی جگہ نہ پاتا یعنی آدمیوں کے ہجوم سے سجدے کی جگہ نہ ملتی۔

فائدہ: اگر آدمیوں کے ہجوم سے سجدے کی جگہ نہ پائے تو اگلے آدمی کی پیٹھ پر سجدہ کر لے ایسی تنگی کے وقت میں یہ امر جائز ہے۔

بَابُ ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ السَّجْدَةَ.

جب امام سجدے کی آیت پڑھ لے تو اس وقت آدمیوں کو سجدے کے واسطے ہجوم کرنا جائز ہے۔

١٠١٤ ـ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ اٰدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهٗ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ.

١٠١٤۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے آیت سجدے کی اور ہم آپ کے پاس ہوتے سو آپ سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے سو ہم ہجوم کرتے یہاں تک کہ کوئی اپنے ماتھے کی جگہ نہ پاتا کہ اس میں سجدہ کرے۔

بَابُ مَنْ رَّأٰى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوْجِبِ السُّجُوْدَ وَقِيْلَ لِعِمْرَانَ بْنِ

اس شخص کا بیان جو اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ نے سجدہ تلاوت کا واجب نہیں کیا یعنی اکثر علماء کہتے ہیں کہ سجدہ

حُصَيْنٍ الرَّجُلُ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَجْلِسْ لَهَا قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا كَأَنَّهُ لَا يُوْجِبُهُ عَلَيْهِ وَقَالَ سَلْمَانُ مَا لِهٰذَا غَدَوْنَا.

تلاوت کا واجب نہیں سنت ہے۔
اور عمران کو کہا گیا کہ اگر کوئی مرد سجدے کی آیت سنے اور اس کے سننے کے واسطے نہ بیٹھا ہو یعنی اس کے سننے کا قصد نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس نے کہا کہ بھلا بتلا تو اگر اس کے سننے کی نیت سے بیٹھے تو اس کا حکم کیا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا گویا کہ عمران قصداً سننے والے پر سجدے کو واجب نہیں کرتا یعنی جب کہ قصداً سننے والے پر تلاوت کا سجدہ واجب نہیں ہوتا تو اتفاقاً سننے پر بطریق اولیٰ واجب نہیں ہوگا۔
اور سلمان نے کہا کہ ہم اس واسطے باہر نہیں کہ سجدہ کریں

فائدہ: عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مجلس پر گزرے سو اُن لوگوں نے سجدے کی آیت پڑھی پس سب نے سجدہ کیا مگر سلمان نے سجدہ نہ کیا کسی نے اس کو کہا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تب اس نے یہ کہا یعنی ہماری نیت سننے کی نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بے قصد سجدے کی آیت سنے تو اس پر سجدہ واجب نہیں۔

وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلٰى مَنِ اسْتَمَعَهَا.

اور عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سجدہ تلاوت کا فقط اسی پر واجب ہے جو اس کو قصداً سنے۔

فائدہ: عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک واعظ پر گزرے سو اس نے سجدے کی آیت پڑھی اس نیت سے کہ عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں سو اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور یہ بات کہہ کر چلے گئے اور سجدہ نہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اتفاق سے سجدے کی آیت سنے اور سننے کا قصد نہ ہو تو اس پر سجدہ تلاوت کا واجب نہیں ہوتا۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا يَسْجُدُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ طَاهِرًا فَإِذَا سَجَدْتَ وَأَنْتَ فِيْ حَضَرٍ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَإِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلَا عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ.

اور زہری نے کہا کہ نہ سجدہ کر مگر یہ کہ تو پاک ہو اور جب تو سجدہ کرنے لگے اور تو گھر میں ہو تو قبلے کی طرف منہ کر اور اگر تو سفر میں ہو تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں سجدہ کر جسطرف کہ تیرا منہ ہو۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت کا واجب نہیں اس لیے کہ اگر واجب ہوتا تو سواری پر جائز ہوتا کیونکہ

امن کے وقت واجب کا سواری پر ادا کرنا جائز نہیں۔

وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ لَا يَسْجُدُ لِسُجُوْدِ الْقَاصِّ.

اور سائب بن یزید نہ سجدہ کرتے تھے واسطے سجدے قصہ خواں کے یعنی اگر کوئی واعظ سجدے کی آیت پڑھتا تو اس کے واسطے سجدہ تلاوت کا نہ کرتے۔

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی بے قصد سجدے کی آیت سنے تو اس پر سجدہ تلاوت کا کرنا واجب نہیں' نیز ان آثار سے معلوم ہوا کہ سننے والے پر سجدہ تلاوت کا واجب نہیں اور جو لوگ اس کو واجب کہتے ہیں وہ پڑھنے والے اور سننے والے میں فرق نہیں کرتے بلکہ دونوں پر واجب کہتے ہیں جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے خواہ سننے کا قصد کرے یا نہ کرے پس مناسبت ان آثار کی باب سے ظاہر ہے اور حنفیہ کے پاس ان اثروں کا کوئی جواب معقول نہیں۔

١٠١٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ التَّيْمِيِّ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ وَكَانَ رَبِيْعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ عَمَّا حَضَرَ رَبِيْعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُوْرَةِ النَّحْلِ حَتّٰى إِذَا جَآءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتّٰى إِذَا جَآءَ السَّجْدَةَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ

١٠١٥ - حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا سو عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر سورہ نحل پڑھی یہاں تک کہ جب سجدے کی آیت آئی تو منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا یہاں تک کہ جب دوسرا جمعہ آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی سورت پڑھی یہاں تک کہ جب سجدے کی آیت آئی تو فرمایا کہ اے لوگو! ہم سجدے کی آیت پر گزرتے ہیں سو جو سجدہ کرے وہ سنت کو پہنچا اور جو سجدہ نہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے خود سجدہ نہ کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ نے سجدے کو فرض نہیں کیا مگر یہ کہ ہم چاہیں تو سجدہ کریں۔

السُّجُوْدَ اِلَّا اَنْ نَّشَآءَ.

فائدہ: یہ حدیث ظاہر ہے اس میں کہ سجدہ تلاوت کا واجب نہیں چنانچہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کے واجب نہ ہونے پر یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی قوی دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے سجدہ تلاوت کا ترک کرنا جائز ہے اور سجدہ تلاوت کے واجب نہ ہونے کی ایک یہ دلیل ہے جو امام طحاوی حنفی نے بیان کی کہ جو آیتیں سجدے تلاوت میں وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض تو صیغہ خبر کے ساتھ واقع ہوئی ہیں اور بعض صیغہ امر کے ساتھ واقع ہوئی ہیں سو جو آیتیں کہ امر کے ساتھ واقع ہوئی ہیں ان میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان میں سجدہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں سو اگر سجدہ تلاوت کا واجب ہوتا تو صیغہ امر میں بطریق اولیٰ اتفاق ہوتا پس ان تمام حدیثوں اور اثروں سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں سنت ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام اسحاق اور اوزاعی اور جمہور علماء کا اور دلیل ان کی یہ حدیثیں ہیں جو اس باب میں مذکور ہوئیں اور نیز کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس قول کو صحابہ کے سامنے کہا اور باوجود کثرت کے کسی نے اس پر انکار نہ کیا پس یہ اجماع سکوتی ہے اس پر کہ سجدہ تلاوت کا واجب نہیں اور نیز دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اوپر مذکور ہوئی اور اگر واجب ہوتا تو سوار کو ایماء اور رکوع سے ادا کرنا اور رکوع میں اس کا تداخل کرنا جائز نہ ہوتا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کا واجب ہے اور وہ اس پر کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں پہلی دلیل ان کی وہ آیتیں ہیں جن میں صیغہ امر کا واقع ہوا ہے جیسا کہ آیت فاسجدوا للّٰہ ہے کہتے ہیں کہ مطلق امر واسطے وجوب کے ہوتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر استحباب اور سنیت پر محمول ہے اور یا مراد اس سے سجدہ نماز کا ہے اور یا یہ امر فرض نماز میں وجوب پر دلالت کرے گا اور سجدہ تلاوت میں سنیت پر دلالت کرے گا اور یہ مبنی ہے اوپر قاعدے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے کہ وہ مشترک لفظ کو دونوں معنوں پر محمول کرنے کو جائز رکھتے ہیں اور اس امر کو استحباب پر محمول کرنے کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں اور آیتوں سے سجدہ تلاوت مراد رکھنے پر اتفاق نہیں بلکہ جمہور علماء اس کے مخالف ہیں کما مر اور اگر اتفاق ہوتا تو پھر جمہور علماء اس کو سنت نہ کہتے بلکہ واجب کہتے اور باوجود مخالف ہونے جمہور کے اتفاق کے کیا معنی ہوئے؟ بلکہ اگر اس کے برعکس دعویٰ کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ امر بالاتفاق استحباب پر محمول ہے یا مراد اس سے سجدہ نماز کا ہے تو ممکن ہے فما ھو جوابکم فھو جوابنا اور نیز اگر اس امر کو وجوب پر محمول کیا جائے تو پھر اس سے سجدہ تلاوت کی فرضیت ثابت ہوگی نہ وجوب اس لیے کہ وجوب سے مراد وہاں فرض ہے اور حنفیہ کے مخالف ہے کہ وہ فرضیت کے قائل نہیں بلکہ وجوب کے قائل ہیں اور نیز علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سوائے چار سجدوں کے اور سجدے واجب نہیں جانتے پس اگر یہ امر عام ہوتا تو سب سجدوں کو شامل ہوتا اور دوسری دلیل ان کی وہ آیتیں ہیں جو ترک سجدے کے وعید پر دلالت کرتی ہیں اور بعض وہ

آیتیں ہیں جو کافروں کے سجدہ نہ کرنے کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں اور بعض وہ آیتیں ہیں جو فرشتوں کے فعل سے خبر دیتی ہیں پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت کا واجب ہے اس لیے کہ کفار کے ساتھ تشبیہ سے پرہیز کرنی اور فرشتوں کا اقتداء کرنا واجب ہے سو جواب اس کا بھی وہی ہے جو پہلی دلیل میں گزرا اور نیز جب حضرت ﷺ کے ہر فعل میں پیروی واجب نہیں بلکہ بعض فعل مستحب اور مباح بھی ہیں تو پھر اور پیغمبروں اور فرشتوں کی پیروی کہاں سے واجب ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی دلالت ظنی ہے اس لیے فرضیت پر دلالت نہیں کر سکیں گے بلکہ وجوب پر دلالت کریں گے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ محض خیال فاسد ہے اس لیے کہ اولا تو فرض اور واجب میں فرق مخالف کے نزدیک مسلم نہیں دوم امر اور وعید شدید کی آیتوں میں یہ احتمال ظنیت کا بالکل نہیں ہو سکتا کہ امر یا تو فرضیت کے واسطے ہوگا یا استحباب کے واسطے ہوگا ان کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں مدعی پر لازم ہے کہ اصول سے کوئی وجوب کا درجہ ان میں ثابت کرے اور نیز جب ان کی دلیل ظنی ٹھہری تو جو حدیثیں کہ عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں وہ ان کے معارض ہو جائیں گی اور دلیل ظنی خبر واحد سے بالاتفاق کم ہے بلکہ قیاس سے بھی اس کا درجہ کم ہے پس اس صورت میں یہ حدیثیں عدم وجوب کی بالاتفاق ان پر مقدم ہوں گی کہ درجہ شہرت کو پہنچ گئی ہیں اور اس پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہو چکا ہے اور تیسری دلیل ان کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن سجدے کی آیت پڑھی سو تمام لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا سوار اور پیادہ سو جواب اس کا یہ ہے کہ مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ فقط وجوب ہی میں ہجوم ہو بلکہ سنت اور استحباب میں بھی یہ ہجوم ہو سکتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دو معنوں کو ایک لفظ مشترک میں جمع کرنا جائز نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ فرض اور واجب میں فرق کرنا بھی جائز نہیں فما هو جوابكم فهو جوابنا اور نیز جب امام شافعی رحمہ اللہ جیسے اعلیٰ مجتہد اس کو جائز رکھتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اتفاق نہیں پس اس سے امام شافعی رحمہ اللہ پر الزام نہیں آ سکتا ہے ہر مجتہد کی اپنی اپنی اصطلاح علیحدہ ہے پس یہ عین متنازعہ فیہ مسئلہ ہے اس کو جھگڑا پیش کرنا محض فضول ہے اور بعض حنفی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ فرض اور واجب میں فرق ہے اور نفی فرض سے نفی واجب کی لازم نہیں آتی ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ محض حنفیوں کی اصطلاح ہے اور صحابہ اس میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ جو سجدہ نہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں صریح ہے اس تاویل کے باطل ہونے میں اور بعض کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا کہ اگر ہم چاہیں تو سجدہ کریں سو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو واجب ہو جائے گا سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس تاویل کا باطل ہونا اظهر من الشمس ہے اس لیے کہ مستحب یا مباح امر کے التزام سے اس کا وجوب لازم نہیں آتا اور نیز عمر رضی اللہ عنہ کا قول مذکور صریح ہے اس تاویل کے باطل ہونے میں اس لیے کہ فعل کے ترک سے گناہ کا نہ ہونا اس کے عدم وجوب پر دلالت کرتا ہے اور یہ جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ نے ہم پر سجدہ فرض نہیں کیا تو بعض حنفی اس کا یہ معنی

کرتے ہیں کہ جب سجدے کی آیت پڑھے تو اسی وقت سجدہ کرنا واجب نہیں بلکہ اس سے پیچھے مہلت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور یہی ہے معنی عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا جو سجدہ نہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تاویل ظاہر اس حدیث کے بالکل مخالف ہے اور نیز اس میں صریح موجود ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہ کیا اور اگر عمر رضی اللہ عنہ بعد کو سجدہ کر لیتے تو راوی یوں نہ کہتا اور نیز کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے اس سجدہ کو اس کی مہلت کے ساتھ ادا کیا ہو اور اگر صحابہ اسی وقت یا مہلت کے ساتھ اس سجدے کو کرتے تو راوی اس کو نقل کرتا جیسا کہ پہلے جمعہ کے سجدے کو نقل کیا کیونکہ جب راوی نے آٹھ دن گزشتہ کے واقعہ کو یاد رکھا اور بیان کر دیا تو پھر دو چار گھڑی کے واقعہ کو ترک کرنا کیسے ممکن تھا خاص کر ایسی حالت میں کہ راوی کی غرض اس حدیث کے روایت کرنے سے فقط سجدہ بیان کرنا ہے کما هو ظاهر من السیاق پس معلوم ہوا کہ کسی صحابی نے اس دن سجدہ نہیں کیا پس محض احتمال ظاہر معنی حدیث کے مقابلے میں قطعاً باطل ہے اور نیز جب سجدہ تلاوت کی تاخیر جائز ہے تو پھر حنفیہ اس کو مکروہ وقت کیوں جائز رکھتے ہیں کامل وقت تک اس کو تاخیر کیوں نہیں کرتے اور نیز اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کا یہ معنی کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت کی فرضیت لازم آئے گی ولم یقل به احد اور نیز حنفیہ بھی اس کے قائل نہیں فما هو جوابکم فهو جوابنا اور اس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبے میں قرآن پڑھنا جائز ہے اور اگر کسی سجدے کی آیت پر گزرے تو منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کرنا جائز ہے اور اس سے خطبہ قطع نہیں ہوتا اور امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر خطیب سجدے کی آیت پر گزرے تو سجدہ نہ کرے بلکہ خطبہ پڑھتا جائے مگر یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی صریح ہے اس کے رد میں کہ اس نے منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کیا اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا۔

بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلَاةِ فَسَجَدَ بِهَا.

اگر کوئی شخص سجدے کی آیت کو نماز میں پڑھے اور نماز کے اندر سجدے کو کر لے تو جائز ہے۔

فائدہ: امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر سجدے کی آیت نماز میں پڑھے تو نماز کے اندر سجدہ نہ کرے سو امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ یہ قول مردود ہے۔

١٠١٦ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرٌ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ فَقُلْتُ مَا هٰذِهٖ قَالَ سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَزَالُ

١٠١٦۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی سو اس نے سورۂ اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا سو میں نے کہا کہ یہ سجدہ کیسا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے یہ سجدہ کیا ہے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا تھا سو ہمیشہ میں اس کو نماز میں کیا کروں گا یہاں تک کہ آپ سے

أَسْجُدُ فِيهَا حَتّٰى أَلْقَاهُ. ملاقات کروں یعنی عالم ارواح میں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت کا نماز کے اندر کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُوْدِ مَعَ الْإِمَامِ مِنَ الزِّحَامِ. جو شخص آدمیوں کے ہجوم سے امام کے ساتھ سجدے کی جگہ نہ پائے وہ کیا کرے؟۔

فائدہ: اگر فرض نماز میں آدمیوں کی کثرت ہو اور سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے تو اگلے آدمیوں کی پیٹھ پر سجدہ کرے اور یہی قول ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اور ساتھ اسی کے قائل ہیں کوفے والے اور احمد اور اسحاق اور عطاء اور زہری کہتے ہیں کہ دیر کرے یہاں تک کہ جب لوگ سر اٹھا لیں تو اس وقت سجدہ کرے اور ساتھ اسی کے قائل ہیں جمہور علماء اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے اور جب فرضوں میں یہ بات جائز ہوئی تو سجدہ تلاوت میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی اور ظاہر غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی اس سے یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح سے ہو سکے سجدہ کرے گو اگلے آدمی کی پیٹھ پر کرنا پڑے۔

١٠١٧ ۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السُّوْرَةَ الَّتِيْ فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ.

١٠١٧۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سورت کو پڑھتے تھے جس میں کہ سجدہ ہوتا سو آپ سجدہ کرتے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے یہاں تلک کہ ہم میں سے بعض ماتھا رکھنے کی جگہ نہ پاتے کہ اس میں سجدہ کریں یعنی سب سجدہ کرتے تھے کوئی باقی نہیں رہتا تھا اور یہ معاملہ کئی بار واقع ہوا ہے۔

❀......❀......❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبْوَابُ تَقْصِيْرِ الصَّلَاةِ
نماز کے قصر کرنے کا بیان

بَابُ مَا جَآءَ فِي التَّقْصِيْرِ وَكَمْ يُقِيْمُ حَتّٰى يَقْصُرَ.
سفر میں دوگانہ پڑھنے کا بیان اور کتنے دن ٹھہرے یہاں تک کہ قصر کرے۔

فائدہ: اس باب میں دو مسئلے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی سفر کو جائے تو اس میں چار رکعت فرض کو دو کر کے پڑھنا جائز ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی سفر کو جائے اور کسی غیر شہر میں چند روز ٹھہرنا چاہے تو اس میں دوگانہ پڑھنے کی حد کتنے دن تک ہے دس یا پندرہ یا اس سے کم وبیش سو جاننا چاہیے کہ سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ مسافر کو سفر کی حالت میں قصر کرنا یعنی دوگانہ پڑھنا جائز ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور جمہور علماء کہتے ہیں ہر سفر مباح میں قصر جائز ہے خواہ عبادت کے واسطے ہو خواہ تجارت کے واسطے ہو اس لیے کہ مسافر کو سفر میں تکلیف ہوتی ہے پس تخفیف کے لیے اس کے حق میں قصر جائز رکھا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر خوف کا سفر ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فقط حج یا عمرے یا جہاد کے سفر میں قصر جائز ہے اور میں نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فقط عبادت کے سفر میں جائز ہے اور میں نہیں اور نیز شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ اگر گناہ کا سفر ہو جیسے چوری وغیرہ کے واسطے سفر کرے تو اس میں قصر جائز نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ گناہ کے سفر میں بھی نماز کو قصر کرنا اور دوگانہ پڑھنا جائز ہے اور دوسرے مسئلے میں بھی علماء کو اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ جب مسافر کسی شہر یا گاؤں میں چار دن کامل یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو پوری نماز پڑھے اس کو دوگانہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور چار دن سے کم میں قصر کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو پوری نماز پڑھے اس وقت اس کو قصر کرنا جائز نہیں اور اگر اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس کو قصر کرنا جائز ہے اور دلیل امام شافعی رحمہ اللہ کی حدیث انس رضی اللہ عنہ کی ہے جو ابھی آتی ہے اور نیز قصر کے چار دن ہونا عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حنفیہ جو پندرہ دن کے قائل ہیں تو وہ اس کو طہر کی اقل مدت پر قیاس کرتے ہیں لیکن نص کے مقابلے میں قیاس بالاجماع فاسد ہے بلکہ ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر انیس دن کی نیت کرے تو قصر کرے ورنہ پوری نماز پڑھے اور اگر مسافر کی نیت ٹھہرنے کی نہ ہو بلکہ یہ

نیت ہو کہ آج جاؤں گا یا کل چلا جاؤں گا تو اکثر علماء کہتے ہیں کہ دوگانہ پڑھے اگرچہ کئی مہینوں یا برسوں تک ٹھہرا رہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ آذر بائیجان میں چھ مہینے متردد ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اس تردد میں اٹھارہ دن ٹھہرا رہے تو بعد اس کے قصر کرنا جائز نہیں پوری نماز پڑھے جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے اور قصر کرتے تھے اور بعض انیس دن کہتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ اور ابن منذر وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے اس پر کہ صبح اور شام کی نماز میں قصر جائز نہیں۔

١٠١٨ ۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ وَحُصَيْنٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا.

١٠١٨۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں انیس دن ٹھہرے رہے دوگانہ پڑھتے تھے سو جب ہم مسافر ہوتے اور کسی جگہ انیس دن ٹھہرتے تو دوگانہ پڑھتے اور اگر اس سے زیادہ دن ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے۔

فائدہ: اس حدیث کے بعض طریقوں میں سترہ دن کا ذکر آیا ہے اور بعض میں پندرہ دن کا ذکر آیا ہے اور بعض میں اٹھارہ دن کا ذکر آیا ہے سو بیہقی نے ان میں اس طور سے تطبیق دی ہے کہ جس نے انیس دن کہا ہے اس نے داخل ہونے اور نکلنے کا دن بھی شمار کر لیا ہے اور جس نے اٹھارہ دن کہا ہے اس نے دنوں سے ایک شمار کیا ہے اور جس نے سترہ دن کہا ہے اس نے دونوں کو شمار نہیں کیا اور جس نے پندرہ دن کا ذکر کیا تو شاید اس نے یہ خیال کیا کہ اصل روایت سترہ دن کی ہے اور داخل ہونے اور نکلنے کا دن اس نے اس میں شمار نہیں کیا پس باقی پندرہ دن رہے پس اس سے معلوم ہوا کہ انیس دن کی روایت کو سب سے زیادہ ترجیح ہے اور اکثر روایات صحیحہ اس کے موافق آئی ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قوم ہوازن کے معاملہ میں متردد تھے کہ اگر وہ تابع ہو جائیں تو مدینے کی طرف پلٹ جائیں ورنہ ان سے لڑیں پس معلوم ہوا کہ جو شخص متردد ہو کہ جب اپنے کام سے فارغ ہوگا وہاں سے کوچ کرے گا تو اس کو دوگانہ جائز ہے اس لیے کہ اصل مقیم میں اتمام ہے سو جب ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ سفر میں نہیں ٹھہرے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو نہایت سفر کے قرار دیا، واللہ اعلم۔

١٠١٩ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ

١٠١٩۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے سے مکہ کو نکلے سو آپ دو دو رکعتیں پڑھتے تھے یعنی چار رکعت فرض کے بدلے دوگانہ پڑھتے تھے یہاں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ قُلْتُ أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا.

تک کہ ہم مدینے کی طرف پلٹ آئے میں نے کہا کہ کیا تم مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم اس میں دس دن ٹھہرے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور کی معارض نہیں اس واسطے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث فتح مکہ کے دن کی ہے اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حجۃ الوداع کے دن کی ہے اور یہ جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم دس دن مکہ میں ٹھہرے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خاص مکہ میں دس دن ٹھہرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مکہ اور اس کے گرد وجوار میں دس دن ٹھہرے اور بیان اس کا اس طور پر ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ چوتھی ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور پانچویں اور چھٹی اور ساتویں کو مکہ میں ٹھہرے اور آٹھویں کے دن منیٰ کو گئے اور نویں کے دن عرفات میں گئے اور دسویں کے دن پلٹ کر پھر منیٰ میں آئے سو گیارہویں اور بارہویں وہاں ٹھہرے پھر تیرہویں کے دن مکہ میں آئے اور چودھویں کے دن مدینہ کی طرف نکلے سو کل مدت مکہ میں ٹھہرنے کی چار دن ہوئی اور جب داخل ہونے کا دن اس سے نکال دیا جائے تو باقی تین دن رہے پس معلوم ہوا کہ اگر مسافر چار دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو دوگانہ پڑھے اس لیے کہ آپ کی نیت اقامت کی تھی کہ حاجی کو حج ادا کرنے تک ٹھہرنا ضروری ہے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تین دن اقامت شرعیہ نہیں اور یہ کہ داخل ہونے اور نکلنے کا دن اس میں محسوب نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں راوی نے مسامحت (چشم پوشی) کی ہے کہ منیٰ اور عرفات کے دنوں کو بھی مکہ کے دنوں میں داخل کیا حالانکہ وہ اس سے خارج ہیں پس معلوم ہوا کہ آپ مکہ میں کامل چار دن نہیں ٹھہرے اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث انس رضی اللہ عنہ کا کوئی معنی نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ کہا جائے کہ آپ جتنے دن مکہ اور منیٰ اور عرفات وغیرہ میں ٹھہرے تھے انس رضی اللہ عنہ نے سب کو شمار کر لیا۔

بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى.

منیٰ میں نماز پڑھنے کا بیان۔

فائدہ: منیٰ ایک پہاڑی کا نام ہے تین کوس مکہ سے آٹھویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ وہاں جا کر ٹھہرتے ہیں اور عرفات سے پلٹ کر پھر دسویں اور گیارہویں اور بارہویں کو وہیں آ کر ٹھہرتے ہیں سو جو شخص باہر سے حج کے واسطے سفر کر کے مکہ میں آئے اس کو ان دنوں میں مکہ اور منیٰ اور عرفات وغیرہ میں نماز کا قصر کرنا جائز ہے اور جو لوگ کہ مکہ میں رہتے ہیں ان کی نماز میں اختلاف ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں ہمیشہ رہنے والے منیٰ وغیرہ جگہوں میں دوگانہ پڑھیں اور اسی طرح منیٰ میں ہمیشہ رہنے والے بھی عرفات اور مکہ وغیرہ میں دوگانہ پڑھیں اور قاعدہ ان کا یہ ہے کہ مکہ اور منیٰ وغیرہ والے اپنے گھر میں یعنی مکہ اور منیٰ وغیرہ میں قصر نہ کریں اور اس کے سوا دوسری جگہوں عرفات اور مزدلفہ وغیرہ

میں قصر کریں اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ جمہور علماء کہتے ہیں کہ مکہ اور منیٰ والے قصر نہ کریں پوری نماز پڑھیں اور امام مالک رحمہ اللہ جو ان جگہوں میں قصر کو سنت کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ عبادات حج کے سبب سے ہے نہ سفر کے سبب سے اس لیے کہ مکہ اور منیٰ میں سفر کی مسافت نہیں لیکن امام طحاوی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر نسک کے سبب سے قصر ہوتا تو پھر منیٰ والوں کو حج کے دنوں میں اپنے گھر میں بھی قصر کرنا جائز ہوتا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور جمہور کہتے ہیں کہ قصر سفر کے سبب سے جائز ہوا ہے اور مکہ اور منیٰ وغیرہ جگہوں کے درمیان حد سفر کی پائی نہیں جاتی پس مکہ اور منیٰ والوں کو قصر کرنا جائز نہیں ہوگا۔

١٠٢٠ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِّنْ إِمَارَتِهٖ ثُمَّ أَتَمَّهَا.

١٠٢٠۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں نماز پڑھی یعنی دوگانہ پڑھا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کے ابتداء خلافت میں بھی دوگانہ ہی پڑھا پھر بعد ازاں عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو پورا پڑھا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفے منیٰ میں دوگانہ پڑھتے رہے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی حکومت کی ابتداء میں منیٰ کے درمیان دو ہی رکعتیں پڑھیں پس معلوم ہوا کہ مسافر کو منیٰ میں دوگانہ پڑھنا جائز ہے اور یہی وجہ ہے مناسبت اس حدیث کی باب سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو بعد ازاں منیٰ میں پوری نماز پڑھی تو اس سبب یہ ہے کہ وہ قصر کو اسی شخص کے ساتھ خاص کرتے تھے جو عین سفر کے درمیان راہ میں جا رہا ہو جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جو فتح الباری میں مذکور ہے اور اگر سفر کے درمیان کسی جگہ میں چند روز ٹھہر جائے تو وہ پوری نماز پڑھے گو نیت ٹھہرنے کی نہ ہو تو اس کا حکم مقیم کا ہے اور طحاوی نے روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعتیں اس واسطے پڑھیں کہ اس سال جنگلی لوگ حج کو بہت آئے تھے پس غرض عثمان رضی اللہ عنہ کی اس سے یہ تھی کہ ان جنگلیوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز چار رکعت ہے اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں پوری نماز پڑھی پھر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دوگانہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن اس سال میں جنگلی لوگ بہت آئے تھے سو میں ڈرا اس سے کہ یہ لوگ سب وقتوں میں دوگانہ پڑھنے کو سنت ٹھہرائیں اور ایک جنگلی نے اس کو منیٰ میں کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے تجھ کو پہلے سال منیٰ میں دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تھا تب سے میں ہمیشہ دوگانہ پڑھتا ہوں اور یہ طریق آپس میں ایک دوسرے کو تقویت کرتے ہیں اور اس سے کوئی مانع نہیں کہ اصل سبب ان کے پوری نماز پڑھنے کا یہی ہو اور یہ وجہ پہلی وجہ کے معارض نہیں بلکہ اس کی تقویت کرتی ہے اس لیے کہ حالت اقامت کی

سفر کے درمیان زیادہ قریب ہے طرف مطلق اقامت کے بخلاف راہ چلنے والے کے اور بعض کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ دونوں امروں کو جائز رکھتے تھے اتمام کو بھی اور قصر کو بھی کما سیاتی انشاء اللہ تعالی اور مسلم میں روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو پوری پڑھتے اور جب تنہا پڑھتے تو دوگانہ پڑھتے تھے اور شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلی وجہ کو اختیار کیا ہے اور مترجم کی یہ دوسری وجہ مختار ہے اور پہلی وجہ کا حال بھی یہی نکلتا ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

١٠٢١ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَنْبَأَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ.

١٠٢١۔ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منیٰ میں دو رکعتیں نماز پڑھائی اس حال میں کہ آپ سب وقتوں سے زیادہ تر امن میں تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مسافر منیٰ میں دوگانہ پڑھے اتمام نہ کرے پس مناسبت حدیث کی باب سے ظاہر ہے اور امن کا ذکر اس واسطے کیا کہ ظاہر آیت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ قصر فقط خوف کی حالت میں جائز ہے اور وقت میں جائز نہیں سو اس وہم کے دفع کرنے کے واسطے راوی نے یہ لفظ زیادہ کیا یعنی سفر کے درمیان قصر ہر حال میں جائز ہے خواہ خوف ہو یا نہ ہو اور بعض کہتے ہیں کہ آیت ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر فقط خوف کی حالت میں ہے امن میں قصر جائز نہیں مگر یہ قول مردود ہے اس لیے کہ صحیح مسلم میں صریح موجود ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا صدقہ ہے کہ اس نے تم پر عنایت کیا پس یہ ظاہر ہے اس میں کہ صحابہ نے اس سے سفر میں مطلق قصر کرنا سمجھا خوف کے ساتھ خاص نہ کیا اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور بعض اس آیت کو نماز خوف کے ساتھ خاص کرتے ہیں کما مر لیکن یہ جمہور علماء اور اس حدیث کے مخالف ہے۔

١٠٢٢ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ صَلَّى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمِنًى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقِيْلَ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ

١٠٢٢ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ہم کو منیٰ میں چار رکعتیں نماز پڑھائی سو اس فعل عثمانی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا سو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا یعنی افسوس کیا اور کہا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں نماز پڑھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اس میں دو رکعتیں پڑھیں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو ہی رکعتیں پڑھیں پس کاش کہ میرا حصہ ان چار رکعتوں سے دو ہی رکعتیں مقبول

الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ فَلَيْتَ حَظِّيْ مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ.

ہوتیں یعنی کاش کہ عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان چار رکعتوں کے بدلے دو ہی رکعتیں پڑھتے جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفوں نے پڑھی ہے۔

فائدہ: جب کوئی مصیبت درپیش آجائے تو اس وقت انا للہ...... الخ پڑھتے ہیں اور چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ترک کرنا بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک مصیبت معلوم ہوئی اس واسطے اس نے یہ آیت پڑھی پس اس میں اعتراض ہے عثمان رضی اللہ عنہ پر کہ اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا خلاف کیا حنفی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ میں چار رکعت پڑھنا صحابہ کے درمیان مشہور نہیں تھا سو اس کا جواب یہ ہے کہ فقط ایک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور کسی صحابی کو بھی معلوم نہ ہو اور نیز صدہا صحابہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں موجود تھے سو کسی نے اس پر انکار نہ کیا اور انکار کی روایت بالکل ضعیف ہے کما سیاتی پس گویا یہ اجماع سکوتی ہے پس حنفی اس کا کچھ جواب نہیں دے سکتے اور نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے باوجود اس انکار کے عثمان رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور اس ساتھ چار رکعتیں نماز پڑھی اور کہا کہ شر کے خوف سے میں نے پڑھی ہیں پس اگر پوری نماز پڑھنی جائز نہ ہوتی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ ناجائز امر کو بھی اختیار نہ کرتے اور شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ میں پوری نماز پڑھنی بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز تھی ورنہ چار رکعت وغیرہ سے حصہ لینے کی تمنا کرنے کے کوئی معنیٰ نہ تھے بلکہ سب نماز باطل ہو جاتی اور بعض کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک دوگانہ پڑھنا فرض تھا اس بنا پر یہ تاویل ابن حجر رحمہ اللہ کی صحیح نہ ہوگی بلکہ پوری نماز پڑھنی باطل ہوگی سو جواب اس کا یہ کہ قصر کو فرض کہنا حنفیہ کے بھی مخالف ہے کہ وہ اس کو واجب کہتے ہیں اور نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پوری نماز پڑھی پس اس صورت میں گو امام وقت کی مخالفت نہ پائی گئی لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نماز باطل ہوئی اور امام کی مخالفت کے خوف سے اس نے اپنی نماز کو باطل کیا پس اب حنفیہ کو لازم ہے کہ اس کی نماز کی صحت ثابت کریں، ودنہ حرط القتاد.

بَابُ كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهِ.

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے وقت کتنے دن مکہ میں ٹھہرے؟۔

فائدہ: مقصود اس باب سے یہ ہے کہ محقق قصر میں نیت اقامت کی ہے اور یہ وہ مدت ہے جو خاص مکے میں ٹھہرے منیٰ کی طرف نکلنے سے پہلے اور وہ تین دن ہیں اس لیے کہ آپ چوتھی ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور آٹھویں کو منیٰ کی طرف نکلے سو آپ نے اس میں اکیس نمازیں پڑھیں چوتھی کی ظہر سے آٹھویں کی ظہر تک اور اس میں آپ کی نیت اقامت کی تھی لیکن پورے چار دن آپ نہیں ٹھہرے اس لیے کہ داخل ہونے اور نکلنے کا دن اس میں گنا نہیں گیا۔

١٠٢٣ ۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ يُلَبُّونَ بِالْحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً إِلَّا مَنْ مَّعَهُ الْهَدْيُ تَابَعَهُ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ.

١٠٢٣۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب چوتھی ذی الحجہ کو مکہ میں آئے اس حال میں کہ وہ حج کے ساتھ لبیک کہتے تھے یعنی صرف حج کا احرام باندھے ہوئے تھے سو آپ نے ان کو حکم فرمایا کہ اس کو عمرہ کر ڈالیں یعنی حج کی نیت چھوڑ کر عمرے کی نیت کر لیں اور عمرہ کر کے احرام کھول دیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کے دن نیا احرام باندھ کر حج ادا کریں مگر جو شخص ہدی ساتھ لایا ہے وہ حج کے احرام کو نہ توڑے بلکہ اپنے احرام پر قائم رہے اور تمام احکام حج کے ادا کر کے حلال ہو جائے۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک حج کے احرام کو عمرہ کر کے کھول ڈالنا جائز نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ معاملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھا ان کے بعد یہ کام کسی کو جائز نہیں اور امام احمد رحمہ اللہ اور ایک جماعت اہل ظاہر کے نزدیک اب بھی ایسا کرنا جائز ہے اور ابن عبدالبر نے کہا کہ میں کسی صحابی کو نہیں جانتا کہ اس نے اس کام کو جائز رکھا ہو سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور بیان اس مسئلے کا کتاب الحج میں آئندہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور بعض کہتے ہیں کہ مقصود اس باب سے یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دن مکہ اور اس کے گرد وجوار میں ٹھہرے سو اس حدیث سے اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ مکہ اور اس کے گرد وجوار میں کل دس دن ٹھہرے چوتھی ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور چودھویں تاریخ کو مکہ سے مدینہ کو پلٹ گئے اور اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اگرچہ اس کی انتہا کا ذکر نہیں لیکن وقائع سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ میں کل دس دن ٹھہرے، کما مر واللہ اعلم۔

بَابُ فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ. کتنے دن کے سفر میں قصر کرنا جائز ہے؟۔

فائدہ: مقصود اس باب سے یہ ہے کہ مدت اور حد سفر کی کہاں تک اور کتنے دن تک ہے کہ جب کوئی مسافر اس کی طرف پہنچنے کی نیت کرے تو اس کو قصر کرنا جائز ہے اور اس سے کم میں جائز نہیں اور اس میں بیس قول پر اختلاف ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ ادنیٰ مدت سفر کی ایک رات دن ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور اوزاعی اور فقہا اصحاب حدیث وغیرہ کہتے ہیں کہ دو منزلوں سے کم سفر میں قصر کرنا جائز نہیں اور وہ اڑتالیس میل کی ہوتی ہیں اور ایک میل چھ ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے اور ایک ہاتھ چوبیس انگلی کا ہوتا ہے چوڑائی کی طرف سے اور ایک انگلی چھ جو کی ہوتی ہے چوڑائی کی طرف سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور کوفے

والے کہتے ہیں کہ تین منزلوں سے کم سفر میں قصر کرنا جائز نہیں اور یہی منقول ہے عثمان رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور بعض کہتے ہیں تین دن حد ہے اور ان کے نزدیک تمام دن بلکہ اگر صبح سے دوپہر تک چل کر مقصود کی جگہ پہنچ جائے اور آرام کرے پھر دوسرے دن اور تیسرے دن اسی طرح کرے اور اہل ظاہر کہتے ہیں کہ ہر سفر میں دوگانہ پڑھنا جائز ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت یہاں تک کہ تین کوس کے سفر میں بھی قصر کرنا جائز رکھتے ہیں اور شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک سفر کی حد میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی بلکہ ہر سفر کو سفر کہا جاتا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت ہو اور حدیثوں سے مطلق سفر ثابت ہوتا ہے اور یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ انتہی ملخصا۔

وَسَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَّلَيْلَةً سَفَرًا وَّكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِيْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ وَهِيَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا.

اور حضرت ﷺ نے ایک دن رات کی مسافت کا نام سفر نام رکھا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے آئندہ ثابت ہوتا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ور ابن عباس رضی اللہ عنہما چار برید کے سفر میں قصر کرتے تھے اور روزہ کھولتے تھے اور چار برید سولہ فرسخوں کے ہوتے ہیں۔

فائدہ: ایک برید چار فرسخ کی ہوتی ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور میل کی حد اوپر بیان ہو چکی ہے اور بعضوں نے کہا کہ میل اس کو کہتے ہیں جہاں تک آدمی کی نظر پہنچے اور بعض نے کہا کہ میل کی حد وہاں تک ہے کہ برابر زمین پر کسی شخص کو دیکھے اور معلوم نہ کر سکے کہ وہ عورت ہے یا مرد آنے والا یا جانے اور بعض نے کہا کہ میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ تین ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ پانچ سو ہاتھ کا ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اونٹ کے ہزار قدم کا ہوتا ہے لیکن ان سب میں صحیح قول وہی ہے جو امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ میل چھ ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے واللہ اعلم۔ پس قصر کے سفر کی حد برید کے حساب سے چار برید ہے اور فرسخوں کے حساب سے سولہ فرسخ ہے اور میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل ہے اور قدم کے حساب سے پانچ لاکھ اور چھہتر ہزار قدم ہے اور ہاتھ کے حساب سے دو لاکھ اور اٹھاسی ہزار ہاتھ ہے اور انگلیوں کے حساب سے انہتر لاکھ بارہ ہزار ہے اور جو کے حساب سے چار کروڑ اور دس لاکھ اور بہتر ہزار ہے اور بعد اس کے جاننا چاہیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سفر کی حد میں نہایت مختلف روایتیں آئی ہیں سو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تو بعض روایتوں میں اڑتالیس میل کا ذکر آیا ہے اور بعض میں چھیانوے میل کا ذکر آیا ہے اور بعض میں بہتر کا اور بعض میں تیس کا اور بعض میں ایک میل کا اور بعض میں ایک گھڑی کا ذکر آیا ہے اور ان میں تطبیق کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوئی مگر یہ کہ اختلاف اوقات پر محمول کیا جائے اور مطلق سفر

میں قصر جائز رکھا جائے کما قالہ اهل الظاهر واللہ اعلم اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بعض روایتوں میں ایک دن کا ذکر آیا ہے اور بعض میں ایک دن رات کا ذکر آیا ہے اور چونکہ چار برید کو ایک دن رات میں طے کرنا ممکن ہے اس واسطے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں تطبیق ہوسکتی ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ نووی نے حکایت کی کہ اہل ظاہر کے نزدیک حد سفر کی تین میل ہے اور گویا کہ دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو کہ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین میل یا تین فرسخ کے مقدار سفر کرتے تو نماز کو قصر کرتے اور دوگانہ پڑھتے اور بعض علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مراد اس سے ابتدا سفر کا ہے نہ انتہا اس کا یعنی جب اپنے گھر سے سفر کو نکلتے تو تین میل یا نو میل پر قصر کرتے سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس تاویل میں بعید ہونا ظاہر ہے اس کے علاوہ بیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی یحییٰ نے انس رضی اللہ عنہ سے نماز کا قصر کرنا پوچھا تب انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی پس معلوم ہوا کہ سوال اس کا ابتدا قصر سے نہیں تھا بلکہ سفر میں قصر کرنے سے تھا لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ نو میل کی حد ٹھہرائی جائے اور نیز مسافر کو قصر کرنا تو اسی وقت سے جائز ہو جاتا ہے جب کہ اپنے شہر سے باہر نکلے اس صورت میں نو میل بیان کرنے کے کوئی معنی نہ ہوں گے اور نیز یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ نو میل چلنے سے کم میں نماز کا وقت نہیں ہوتا تھا چار یا پانچ وغیرہ میل تک بھی نماز کا وقت آ جانا ممکن ہے پھر انس رضی اللہ عنہ نے نو میل کو خاص کیوں کیا؟ اور ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ اس نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ایک برید میں قصر کرنا جائز ہے یا نہیں اس نے کہا جائز ہے۔

١٠٢٤ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.

١٠٢٤۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے کوئی عورت تین دن کی منزل مگر ساتھ کسی محرم کے۔

فائدہ: بعض روایتوں میں تین راتوں کا ذکر آیا ہے سو مراد اس سے بھی تین دن ہیں پس ان میں کچھ تعارض نہیں اور حنفیہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ تین دن سے کم میں تو جائز نہیں سو جواب ان کا یہ ہے کہ اس سے بڑا شبہ لازم آتا ہے خاص کر حنفیہ کے اصول میں مقرر ہو چکا ہے کہ معتبر رائے صحابی کی ہے رعایت نہیں سو اگر یہ حدیث ان کے نزدیک اقل سفر کا بیان ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے حالانکہ ایک دن کامل کے سفر میں انہوں نے دوگانہ پڑھا۔

١٠٢٥ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

١٠٢٥۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ سفر کرے کوئی عورت تین دن کی منزل مگر کہ اس

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ تَابَعَهُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو۔

١٠٢٦ ـ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ تَابَعَهُ يَحْيَى بْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ وَسُهَيْلٌ وَمَالِكٌ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

١٠٢٦۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال نہیں اس عورت کو جو مانتی ہو اللہ کو اور قیامت کو یہ کہ سفر کرے ایک دن رات کی منزل اور اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔

فائدہ: عورت کا محرم وہ شخص ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح کبھی درست نہ ہو جیسے کہ باپ، بھائی، چچا، بھتیجا، بھانجا، بیٹا، نواسہ، پوتا اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اپنے خاوند یا محرم کے سفر کرنا حرام ہے درست نہیں اس واسطے کہ اس میں بڑے بڑے فساد ہیں اور اس پر سب کا اجماع ہے مگر حج اور عمرے کے سفر میں اجماع نہیں اور دار الحرب سے سفر کرنا بھی بالاجماع جائز ہے اور بعضوں نے محرم کو حج کی شرط ٹھہرایا ہے کما سیاتی انشاء اللہ تعالٰی اور ظاہر میں یہ حدیثیں ایک دوسری کی معارض ہیں لیکن قسطلانی نے لکھا ہے کہ مفہوم کا یہاں کچھ اعتبار نہیں اور اختلاف حدیثوں کا باعتبار اختلاف جواب سائلوں کے ہے یعنی ایک نے تین دن کا مسئلہ پوچھا اور دوسرے نے دو دن کا اور تیسرے نے ایک دن کا سو آپ نے سب کو یہی فرمایا کہ جائز نہیں پس تعارض دفع ہو گیا پس معلوم ہوا کہ سفر کی کوئی حد معین نہیں بلکہ تین دن کی مسافت کو بھی سفر کہا جاتا ہے اور دو دن کی منزل کو بھی سفر کہا جاتا ہے اور ایک دن کے چلنے کو بھی سفر کہا جاتا ہے پس عورتوں کو بغیر محرم کے مطلق سفر کرنا حرام ہے خواہ تین دن کا ہو خواہ ایک دن کا ہو خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت ہو جس پر سفر کا اطلاق آئے وہ عورت کے حق میں حرام ہو گا اور جب معلوم ہوا کہ سفر کی کوئی حد معین نہیں اور ایک دن اور دو دن اور تین دن پر سفر کا اطلاق آیا ہے تو نماز کو ایک دن کے سفر میں بھی قصر کرنا جائز ہو گا بلکہ جس پر سفر کا نام بولا جائے سب میں قصر کرنا جائز ہو گا خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت ہو خواہ تین منزل ہو خواہ دو منزل

ہوخواہ ایک منزل ہو اور خواہ نو میل ہو خواہ اس سے بھی کم ہو پس وجہ مطابقت ان حدیثوں کی باب سے ظاہر ہوگئی، وباللہ التوفیق۔

بَابُ يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهٖ. جب کوئی سفر کی نیت کر کے اپنے گھر سے باہر نکلے تو اس کو اسی جگہ سے قصر کرنا جائز ہے۔

فائدہ: ابن منذر نے کہا کہ سب کا اجماع ہو چکا ہے اس پر کہ جب کوئی سفر کی نیت کر کے اپنے گاؤں کے تمام گھروں سے باہر نکل آئے تو اس کو اسی وقت سے قصر کرنا اور دوگانہ پڑھنا جائز ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر سفر کی نیت کی ہو اور اپنے گھر سے باہر نکلا ہو تو اس کو اپنے گھر میں بھی قصر کرنا جائز ہے اور یہ قول بعض کوفیوں کا ہے اور مجاہد سے روایت ہے کہ جس دن سفر کرے اس رات تک قصر نہ کرے اور امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ تین میل سے کم میں قصر نہ کرے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ اقوال اجماع سلف اور خلف کے مخالف ہیں اور ابن منذر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سفر میں مدینے سے نکلنے سے پہلے قصر کیا ہو پس مجمع علیہ حکم پر عمل کرنا اولیٰ ہے مختلف فیہ سے۔

وَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَصَرَ وَهُوَ يَرَى الْبُيُوْتَ فَلَمَّا رَجَعَ قِيْلَ لَهُ هٰذِهِ الْكُوْفَةُ قَالَ لَا حَتّٰى نَدْخُلَهَا.

اور علی رضی اللہ عنہ سفر کی نیت سے گھر سے باہر نکلے اور دوگانہ پڑھا اور وہ کوفے شہر کے گھروں کو دیکھتے تھے سو جب وہ سفر سے پلٹ آئے تو کسی نے ان کو کہا کہ یہ کوفہ سامنے نظر آتا ہے تو کیا اب بھی قصر کرو گے یا پوری نماز پڑھو گے؟ اس نے کہا کہ ہم پوری نماز نہیں پڑھیں گے جب تک کہ اس میں داخل نہ ہو جائیں یعنی جب تک مسافر اپنے شہر یا گاؤں میں داخل نہ ہو تب تک اس کو مسافر کا حکم ہے اور احکام سفر کے اس پر جاری ہوں گے۔

١٠٢٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَإِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ.

١٠٢٧۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعتیں پڑھیں اور ذی الحلیفہ (ایک جگہ کا نام ہے مدینہ سے چھ میل پر) میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

فائدہ: یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ آپ حج کی نیت پر مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے ظہر کی نماز پڑھ کو آپ مدینہ سے چلے جب ذی الحلیفہ میں پہنچے تو عصر کا وقت ہو گیا تو وہاں آپ نے عصر کو قصر کر کے پڑھا اور آپ ہمیشہ قصر کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ میں پلٹ آئے اور یہ معاملہ اتفاقاً واقع ہوا کہ اس سے پہلے نماز کا وقت نہیں آیا تھا نہ یہ کہ آپ اس سے پہلے شہر کے متصل دوگانہ پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

١٠٢٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتِ الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ.

١٠٢٨۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ ابتدا اسلام میں جب پہلے نماز فرض ہوئی تو دو رکعتیں فرض ہوئی یعنی ظہر اور عصر اور عشاء کی نماز کے دو دو فرض تھے سو بعد اس کے سفر کی نماز اسی سابق حال پر قائم رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری کی گئی یعنی گھر میں چار اور سفر میں دوگانہ قرار پایا۔ زہری نے کہا کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ کیا حال ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہ پوری نماز پڑھتی ہے؟ یعنی اس کا کیا سبب ہے اس نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاویل کی ہے ساتھ اس چیز کے جو عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی ہے یعنی وہ قصر اور اتمام دونوں کو جائز رکھتی تھیں جیسے کہ عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کو جائز رکھتے تھے۔

فائدہ: عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں قصر کو سفر کے ساتھ معلق کیا ہے پس جس جگہ سفر پایا جائے گا اس جگہ قصر بھی پائی جائے گی اور چونکہ اپنے گاؤں کے گھروں سے باہر نکلنے کے وقت سفر پایا جاتا ہے تو اس وقت قصر بھی جائز ہو گی پس یہی وجہ ہے مناسبت اس حدیث کی باب سے اور بعد اس کے جاننا چاہیے کہ قصر کے وجوب اور عدم وجوب میں علماء کو اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ سفر میں قصر اور اتمام دونوں امر جائز ہیں لیکن قصر افضل ہے اور یہی قول ہے جمہور صحابہ اور تابعین کا اور اس پر ان کے دلائل ہیں پہلی دلیل ان کی یہ ہے کہ جو صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے سو بعض قصر کرتے اور بعض پوری نماز پڑھتے اور بعض روزہ رکھتے اور بعض نہیں رکھتے تھے اور کوئی کسی پر عیب نہیں کرتا تھا اور دوسری دلیل ان کی یہ حدیث عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے جو ابھی گزری ہے اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور نیز دلیل ان کی جمہور صحابہ اور تابعین کا قول ہے جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے اور نیز دلیل ان کی یہ آیت ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ اور نیز دلیل ان کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور نیز دلیل ان کی یہ ہے کہ جب مسافر مقیم کی نماز میں آ کر شامل ہو جائے تو اس کو چار رکعتیں پڑھنی بالاجماع جائز ہیں سو اگر قصر

کرنا فرض ہوتا تو مسافر کو مقیم کا اقتدا کرنا جائز نہ ہوتا اور طحاوی نے کہا کہ فرض کی دو اور چار رکعتوں میں نمازی کو اختیار نہیں ہے پس قصر اور اتمام دونوں میں اختیار دینا جائز ہوگا سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قیاس ہے نص کے مقابلے میں اور نص کے مقابلے میں قیاس کرنا بالاجماع فاسد ہے اور نیز جب مسافر کو مقیم کا اقتدا کرنے اور پوری نماز پڑھنے کا اختیار ہے تو پھر اس خیال فاسد کی کوئی گنجائش کہاں ہے اور نیز منیٰ میں ٹھہرنا واجب ہے اور اس کے کل اور بعض میں اختیار ہے خواہ اس میں دو دن ٹھہرے خواہ تین دن ٹھہرے ہر طرح جائز ہے پس معلوم ہوا کہ یہ قول طحاوی کا باطل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا واجب ہے پوری نماز پڑھنی جائز نہیں اور وہ اس باب میں کئی دلائل پیش کرتے ہیں اول دلیل ان کی یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو ابھی مذکور ہوئی کہ ابتدا میں نماز دو رکعتیں فرض ہوئی تھی...... الخ سو جواب اس کا یہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ معراج کی رات میں پہلے دو دو رکعتیں نماز فرض ہوئی سوائے مغرب کے پھر ہجرت کے بعد حضر کی نماز میں دو رکعتیں اور زیادہ کی گئیں سوائے فجر اور مغرب کے پھر جب چار رکعتوں پر امر قرار پا چکا ہے تو آیت ﴿فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ کے نازل ہونے کے وقت سفر کی نماز میں تخفیف ہوگئی اور تائید کرتا ہے اس کی جو ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ نماز میں قصر کرنا سنہ ٤ ہجری میں واقع ہوا ہے پس معلوم ہوا کہ مراد عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے کہ سفر کی نماز برقرار رکھی گئی یہ ہے کہ باعتبار ما آل الیہ الامر من التخفیف (جس طرح تخفیف کا معاملہ لوٹتا ہے) کے برقرار رکھی گئی نہ یہ کہ جب سے فرض ہوئی تب سے دو ہی رکعتیں رہی پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قصر واجب ہے اور نیز یہ حدیث اس آیت کے مخالف ہے ﴿فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنا جائز ہے اور نیز یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ اصل چار رکعتیں تھیں پھر دو باقی رہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل میں دو ہی تھیں اور اسی حال پر ہمیشہ رہیں پس یہ معارض ہے اور نیز امام نووی رحمہ اللہ اور شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جو قصر کا ارادہ کرے اس کا فرض دو ہی رکعتیں ہیں اور بڑی پکی دلیل اس تاویل پر یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بھی سفر میں پوری پڑھتی تھیں اسی واسطے زہری نے اس کو عروہ سے روایت کیا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر معنی پر باقی نہیں اور نیز جب راوی کی رائے روایت کے معارض ہو تو اس وقت حنفیہ کے نزدیک اعتبار اس کی رائے کا ہے روایت کا نہیں اور دوسری دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ اللہ نے تمہارے نبی کی زبان پر نماز فرض کی حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت سو جواب اس کا یہ ہے کہ جس نے یہ حدیث فرمائی اسی نے سفر میں پوری نماز بھی پڑھی ہے پس دونوں میں تطبیق دینی واجب ہے اور تطبیق کی صورت وہی ہے جو اوپر گزری اور نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی نماز فقط ایک ہی رکعت واجب ہے اور اس سے کم وبیش کرنا جائز نہیں حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے فما هو جوابكم فهو جوابنا اور صدقے کی

حدیث کا جواب یہ ہے کہ اتمام کی حدیثوں کی دلیل سے افضلیت مراد ہے تا کہ سب حدیثوں میں تطبیق ہو جائے اور نیز اس سے جواز یا استحباب ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا کہ صدقے کا قبول ہونا واجب نہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو سفر میں پوری نماز پڑھنی ثابت ہو چکی ہے تو بعض حنفی اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کے سردار تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سب کی ماں تھیں تو گویا وہ دونوں اپنے گھر میں تھے پس ان کو اتمام کرنا جائز تھا سو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے ساتھ زیادہ تر لائق تھے اور اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بھی پھر باوجود اس کے انہوں نے قصر نہ کیا اور بعض کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں نکاح کیا تھا سو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کے ساتھ سفر کرتے اور قصر کرتے تھے سو اگر بیوی کا ہونا اتمام کو مستلزم ہے تو پھر آپ نے قصر کیوں کی اور بیہقی کی حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر انکار کیا سو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نکاح کر لیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے کما فی الفتح اور بعض کہتے ہیں اس سال جنگلی لوگ بہت آئے ہوئے تھے اس واسطے عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں پڑھیں تا کہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ ہمیشہ حضر اور سفر میں فقط دو ہی رکعتیں فرض ہیں سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ علت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بطریق اولیٰ موجود تھی بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تو بہ نسبت پہلے کے نماز کی بہت شہرت ہو گئی ہوئی تھی پھر باوجود اس کے آپ نے نماز کو قصر نہ کیا اور نیز عرفات وغیرہ میں عثمان رضی اللہ عنہ نے دوگانہ نہ پڑھا حالانکہ وہ دن سب دنوں سے زیادہ مجمع کا تھا اور وہاں کل حاجی موجود تھے بخلاف منیٰ کے کہ اس میں کل موجود نہیں رہتے ہیں پس اس بنا پر لازم تھا کہ عرفات میں بھی پوری نماز پڑھتے اور بعض کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے بعد مکے میں رہنے کی نیت کر لی تھی سو جواب اس کا یہ ہے کہ مہاجر کو مکہ میں تین دن سے زیادہ رہنا حرام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ منیٰ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی زمین تھی سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اتمام کو مستلزم نہیں اور نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں یہ لفظ موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاویل کی ساتھ اس چیز کے جو عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی سو یہ کلام عروہ کی صریح ہے اس میں کہ تاویلیں سب مردود ہیں اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی تاویل ایک تھی اور جب دونوں کی تاویل ایک ٹھہری تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل میں بھی یہ سب احتمالات جاری ہوں گے حالانکہ ان کے حق میں ان احتمالوں کا جاری ہونا بالکل ممکن نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ تاویلیں سب باطل ہیں اور نیز یہ تاویلیں اکثر بے دلیل ہیں بلکہ محض خیال ہیں پس صحیح یہی قول ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا قصر اور اتمام دونوں کو جائز رکھتے تھے اور ترجیح دی ہے اس کو ایک جماعت نے اور مختلف روایتیں جو اتمام عثمان رضی اللہ عنہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں وہ سب اس پر محمول ہو سکتی ہیں اور سب کا حاصل اخیر میں یہی آ نکلتا ہے اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک سفر میں اتمام جائز نہ ہوتا تو وہ جنگلیوں کے دکھلانے کے واسطے کبھی پوری نماز نہ پڑھتے ہم گمان نہیں کر سکتے کہ انہوں نے لوگوں کی رعایت کے واسطے اپنی نماز باطل کر ڈالی ہو اسی طرح مکہ میں پوری نماز

پڑھنی اور عرفات وغیرہ میں دوگانہ پڑھنے کا حاصل بھی وہی ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ورنہ عرفات کا دن بھی اقامت کا ہوتا ہے کہ حاجی صبح سے شام تک اس میدان میں ٹھہرے رہتے ہیں حالت سیر کی اس کو کہنا معقول بات معلوم نہیں ہوتی، فافهم و الله اعلم۔

بَابُ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ.

سفر میں مغرب کی نماز کی تین رکعتیں پڑھے یعنی پوری نماز پڑھے اس میں قصر نہ کرے۔

فائدہ: ابن منذر نے کہا کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ مغرب اور صبح کی نماز میں قصر کرنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان دونوں نمازوں کو پورا پڑھے صبح کی دو رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ اس باب کی حدیثیں اگرچہ مطلق ہیں سب نمازوں کو شامل ہیں لیکن شام کی نماز اُن سے مخصوص ہے قصر کا حکم اس کو شامل نہیں۔

١٠٢٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ قَالَ سَالِمٌ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ وَزَادَ اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَالِمٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ قَالَ سَالِمٌ وَأَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ وَكَانَ اسْتُصْرِخَ عَلَى امْرَأَتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلَاةَ فَقَالَ سِرْ فَقُلْتُ الصَّلَاةَ فَقَالَ سِرْ حَتَّى سَارَ مِيْلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ

١٠٢٩۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں چلنے کی بہت جلدی ہوتی تو شام کی نماز کو تاخیر کرتے یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے۔ سالم نے کہا کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جانے کی جلدی ہوتی تو وہ بھی دونوں کو جمع کر لیتے تھے اور نیز سالم نے کہا کہ تھے ابن عمر رضی اللہ عنہما جمع کرتے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں اور سالم نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شام کی نماز میں دیر کی یعنی مدینہ کو بہت جلدی کے ساتھ چلے جاتے تھے اور وہ اپنی عورت صفیہ پر بلند آواز سے فریاد کیا گیا تھا یعنی اس کو اپنی بیوی کی سخت بیماری کی خبر پہنچی تھی سو میں نے اس کو کہا کہ نماز پڑھ لو اس نے کہا کہ چل آگے پڑھیں گے سو پھر میں نے کہا کہ نماز پڑھ لو اس نے کہا کہ چل آگے پڑھیں گے یہاں تک کہ دو یا تین میل تک چلے پھر سواری سے نیچے اترے اور نماز پڑھی پھر فرمایا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے جب کہ چلنا آپ کو جلدی میں ڈالتا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيْمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيْهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتّٰى يُقِيْمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَاءِ حَتّٰى يَقُوْمَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ.

حضرت ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو چلنے کی بہت جلدی ہوتی تو شام کی تکبیر کہتے اور اس کو تین رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر کرتے یہاں تک کہ عشاء کی تکبیر کہتے سو اس کی دو رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیرتے اور عشاء کے بعد نفل نہ پڑھتے یہاں تک کہ رات کے درمیان کھڑے ہوتے اور تہجد اور وتر پڑھتے۔

فائدہ: اس حدیث کے ایک طریق میں جو کتاب الجہاد میں آئے گا یہ لفظ آیا ہے کہ اس کو اپنی عورت کی سخت بیماری کی خبر پہنچی سو وہ بہت جلدی چلے یہاں تک کہ جب شام کی سرخی ڈوب گئی تو اترے اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا سو اس حدیث میں دو نمازوں کو جمع کرنا صریح موجود ہے اور وقت انتہا سیر کا بھی اس سے معلوم ہو گیا اور اس حدیث کے مختلف طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ متعدد ہے ایک واقعہ وہ ہے جس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ سے مدینہ کو چلے تھے اور ایک واقعہ وہ ہے جس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین کو گئے تھے پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مغرب اور عشاء کو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے اور بیان اس مسئلے جمع بین الصلوتین کا مفصل طور سے عنقریب آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّابَّةِ وَحَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهٖ.

نفلوں کو سواری پر پڑھنا جائز ہے جس طرف کو سواری متوجہ ہو یعنی جس طرف کو سواری کا منہ ہو اسی طرف نمازی منہ کر کے نفل پڑھتا جائے خواہ سواری کا منہ قبلے کی طرف ہو یا نہ ہو۔

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مسافر کو سواری پر نفل پڑھنے جائز ہیں خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو اور اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابو ثور کہتے ہیں کہ مستحب ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت قبلے کی طرف منہ کرے پھر جس طرف سواری کا منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نفل پڑھتا جائے وقد ورد فی ذلك حديث اخرجه ابن الجارود ونقله فی الفتح۔ پس ابن سہلب نے کہا کہ آیت ﴿أَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ نفلوں کے ساتھ خاص ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ گناہ کا سفر نہ ہو یعنی اگر کوئی مثلاً ڈاکہ مارنے یا کسی کو ناحق قتل کرنے کے واسطے سفر کرے اور اپنے والد اور مالک سے نافرمان ہو کر سفر کرے یا اسی طرح اور کوئی گناہ کا سفر ہو تو ایسے آدمی کو سواری پر نفل پڑھنے جائز نہیں خواہ سفر چھوٹا ہو یا بڑا ہر حال میں سواری پر نفل پڑھنے جائز ہیں اور یہی ہے مذہب امام

شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا اور دلیل ان کی مطلق حدیثیں ہیں اور طبری نے جمہور کے واسطے عقلی دلیل بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک میل یا کم شہر سے باہر ہو تو اس کو تیمم جائز ہے اور جب اتنی مسافت میں تیمم جائز ہوا تو اس میں نفل بھی سواری پر جائز ہوں گے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس سفر میں قصر جائز ہے سواری پر نفل بھی اسی میں جائز ہیں اور ابو سعید اصطخری نے کہا کہ سواری پر نفل پڑھنے شہر میں جائز ہیں اور یہ قول بیان کیا گیا ہے انس اور ابو یوسف سے اور نیز ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نفلوں میں اپنی راہ سے دوسری طرف منہ پھیرے یعنی سوائے قبلے کے تو جائز نہیں مگر عذر سے اور اگر سواری کا منہ غیر قبلے کی طرف ہو اور قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

١٠٣٠ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ.

١٠٣٠۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے جس طرف کہ وہ متوجہ ہوتی۔

١٠٣١ ۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِيْ غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

١٠٣١۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نفل پڑھتے سواری کی حالت میں غیر قبلے کی طرف۔

١٠٣٢ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا وَيُخْبِرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهٗ.

١٠٣٢۔ حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نفلوں کو اپنی سواری پر پڑھا کرتے تھے اور وتر کو بھی اس پر پڑھتے تھے اور خبر دیتے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نفلوں کو سواری پر پڑھنا جائز ہے خواہ سواری کا منہ قبلے کی طرف ہو خواہ نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر کو بھی سواری پر پڑھنا جائز ہے وقد مر بیانہ اور ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ وہ وتر کو سواری سے نیچے اتر کر پڑھتے تھے سو یہ محمول ہے اس پر کہ دونوں طرح سے ان کے نزدیک جائز تھا یا جلدی کے وقت سواری پر پڑھتے اور آرام کے وقت نیچے اتر کر پڑھتے۔

بَابُ الْإِيْمَآءِ عَلَى الدَّابَّةِ. سواری پر اشارے سے نفل پڑھنے جائز ہیں۔

فائدہ: یعنی اگر رکوع سجود کی قدرت نہ پائے تو اشارے سے رکوع سجود کرے اور یہی ہے مذہب جمہور علماء کا اور امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جو شخص سواری پر نماز پڑھے وہ رکوع سجود نہ کرے بلکہ اشارے سے نماز پڑھے۔

١٠٣٣ ـ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهِ أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ يُوْمِئُ وَذَكَرَ عَبْدُ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهُ.

١٠٣٣۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ سفر میں نفلوں کو سواری پر اشارے سے پڑھتے جس طرف کہ وہ متوجہ ہوتی اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اشارے سے نماز پڑھتے مگر فرضوں کو نیچے اتر کر پڑھتے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفلوں کو سواری پر پڑھنا جائز ہے لیکن سجدے کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکے جیسا کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوْبَةِ. سفر میں فرضوں کو سواری سے نیچے اتر کر پڑھے۔

فائدہ: ابن بطال اور امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس پر سب کا اجماع ہو چکا ہے کہ بغیر عذر شرعی کے فرضوں کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں اور غیر قبلے کی طرف بھی ان کو پڑھنا بالاجماع جائز نہیں مگر سخت خوف میں جائز ہے پس اگر قبلے کی طرف منہ کرنا اور رکوع سجود کرنا ممکن ہو تو خوف میں بھی یہ شرط ہے کہ سواری کو کھڑا کر کے اس پر فرض پڑھے اور قبلے کی طرف منہ کر کے رکوع سجود کرے اور اگر سواری چلتی ہو تو اس پر فرض کو پڑھنا جائز نہیں اور یہی قول ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا اور بعض کہتے ہیں کہ خوف کی حالت میں چلتی سواری پر فرض پڑھنے جائز ہیں جیسے کہ کشتی میں فرض بالاجماع جائز ہیں۔

١٠٣٤ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ أَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ

١٠٣٤۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سواری پر نفل پڑھتے تھے سر سے اشارہ کرتے تھے جس طرف کہ آپ متوجہ ہوتے اور آپ فرضوں کی نماز میں ایسا نہ کرتے تھے یعنی بلکہ فرضوں کو نیچے اتر کر پڑھتے۔

اور سالم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں

اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ سَالِمٌ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُصَلِّيْ عَلٰى دَابَّتِهٖ مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُسَافِرٌ مَا يُبَالِيْ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوْتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ أَنَّهٗ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ.

رات کے وقت اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے نہ پرواہ کرتے جس طرف ان کا منہ ہوتا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت ﷺ اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے جس طرف آپ کا منہ ہوتا یعنی خواہ قبلے کی طرف منہ ہوتا خواہ کسی اور طرف ہوتا اور وتر کو بھی سواری پر پڑھتے لیکن فرضوں کو اس پر نہ پڑھتے۔

١٠٣٥ ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّصَلِّيَ الْمَكْتُوْبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

١٠٣٥۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تھے حضرت ﷺ نفل پڑھتے اپنی سواری پر پورب کی طرف یعنی سواری کا منہ پورب کی طرف ہوتا تھا پس آپ بھی اسی طرف منہ کر کے نفل پڑھتے تھے اور جب آپ فرض پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے نیچے اترتے اور قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔

فائدہ: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سفر میں فرضوں کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں مگر شدت خوف کے وقت جائز ہے کما مر اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ پر وتر فرض نہیں تھے اس لیے کہ آپ نے ان کو سواری پر پڑھا وقد تقدم البحث فیه اور بعض کہتے ہیں کہ جب سوار کو سفر میں نفل پڑھنے جائز ہیں تو پیادے کو بھی جائز ہوں گے مگر امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کو نفل جائز نہیں باوجود اس کے کہ اس نے کشتی پر سوار ہونے والے کے حق میں نفلوں کو جائز رکھا ہے۔

فقط الحمدللہ کہ ترجمہ پارہ چہارم صحیح البخاری کا تمام ہوا پس جو لوگ اس کو پڑھیں پڑھائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں وہ مترجم کے حق میں خاتمہ بالایمان کی دعا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله سید المرسلین وعلی آله واصحابه اجمعین.

❀......❀......❀